کلیات
مُلّا رموزی
(جلد پنجم)
شاعری
مرتب
خالد محمود
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کلیات
ملاّ رموزی
(جلد پنجم)
شاعری
مرتب
خالد محمود
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کلیات مُلّا رموزی

(جلد پنجم)

شاعری

مرتب

خالد محمود

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9 انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

پہلی اشاعت	:	2014
تعداد	:	550
قیمت	:	-/156 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1807

Kulliyaat-e-Mulla Ramoozi

(Vol. V)

Edited by

Prof. Khalid Mahmood

ISBN :978-93-5160-027-5

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025 فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099 شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066 فون نمبر: 26109746

فیکس: 26108159 ای۔میل: ncpulsaleunit@gmail.com

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس، C-7/5 لارنس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔110035

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

بیسویں صدی کے ربع اول میں اردو طنزیات و مضحکات کا سرمایہ جن چراغوں سے منور ہے، ملا رموزی ان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ان کا طرز خاص ''گلابی اردو'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔انھوں نے قدیم مذہبی اور فقہی کتب کے طرز بیان میں اپنے عہد کے حساس موضوعات اور مسائل کی ناہمواریوں کو نشانہ بنایا۔اردو ادب میں طنز اور مزاح کو عموماً ایک اسلوب یا کم از کم لازم و ملزوم خیال کیا جاتا ہے جبکہ ناقدین ادب نے دونوں کی نفسیات کو جداگانہ طور پر خود مکتفی اساس کا حامل بتایا ہے۔

ملا رموزی کی طنزیات و مضحکات کو اپنے عہد میں بہت سراہا گیا۔عہد اور اس کے بعد بھی ان کے رنگ تحریر کی تقلید کی گئی اور اسے ایک کامیاب مزاحیہ حربے کی حیثیت حاصل رہی۔عوامی ادب (Popular Literature) کی فراہمی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی اشاعتی پالیسی کا ایک اہم حصہ رہی ہے۔ملا رموزی کی کلیات کی یہ پیش کش کونسل کے اسی اشاعتی پروگرام کا حصہ ہے۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم وفنون کا سرچشمہ بھی۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں شائع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر

علم وادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔اردو پورے ملک میں سمجھی، بولی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول، اس ہر دلعزیز زبان میں معیاری کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ انگریزی اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

پروفیسر خالد محمود دنیائے ادب میں نمایاں نام رکھتے ہیں۔ان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ خود طنز ومزاح کے تخلیق کار ہیں اور اس فن کے ابعاد سے واقفیت رکھتے ہیں۔توقع ہے کہ ملا رموزی پر ان کا یہ کام ملا رموزی کی ہشت پہلو شخصیت اور ان کے ذکاہی کارناموں کی تفہیم میں سنگ میل کی حیثیت رکھے گا، طنزیات ومضحکات سے متعلق عموی طور پر پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا اور کونسل کی دیگر مطبوعات کی طرح 'کلیات ملا رموزی' کی بھی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
ڈائرکٹر

ترتیب

- مقدمہ خالد محمود VII
- گلابی شاعری 1
- مجموعۂ کلام 71
- نظریاتِ غزل 159
- شاعری (اخبارات سے) 217
- جنگ 397

مقدمہ

بیسویں صدی کے ربع اول میں اردو کا قصرِ ادب جن چراغوں سے منور تھا ان میں طنز و مزاح کی ایک طرزِ خاص "گلابی اردو" کے موجد اور خاتم ملا رموزی کا نام نامی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ملا رموزی اپنے عہد کے کثیرالجہات اور کثیرالتصانیف مصنف تھے۔ یوں تو انھوں نے ادب کے مختلف اسالیب میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں مگر ان کا اصل میدان طنز و مزاح تھا۔

اردو ادب میں طنز اور مزاح دونوں کو عموماً ایک ہی اسلوب یا کم از کم لازم و ملزوم خیال کیا جاتا ہے حالانکہ ایسا ہے نہیں۔ طنز اور مزاح اپنا الگ الگ مستقل اور مستحکم وجود رکھتے ہیں اور ان کی الگ الگ پہچان بھی ہے۔ ناقدین ادب نے دونوں کی نفسیات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی تعریف و توضیح کی ہے۔

مزاح کا بنیادی تعلق ہنسی یا خندہ یا ہنسنے ہنسانے سے ہے۔ ایک ماہر نفسیات کی رائے میں "ہنسی عدم تکمیلیت اور بے ڈھنگے پن کے احساس کا نتیجہ ہوتی ہے۔ انسان اس وقت ہنستا ہے جب اس کی خواہشات کی تکمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل ہو۔" ایک اور ماہر نفسیات کے مطابق "ہم ایسی باتوں پر ہنستے ہیں جو ہمارے یقین سے بالاتر ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں پر بے اختیار ہنس دیتے ہیں جو عقل سے بہت دور نظر آتی ہیں۔" ان کے علاوہ بھی ہنسی کے کئی عوامل ہیں مثلاً میکانکی

نظام حیات اور یکسانیت کے خلاف ردعمل، پریشانیوں سے وقتی نجات کی خواہش، نفسی توانائی کی حفاظت اور کفالت اور اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کے درد کا شعوری احساس وغیرہ۔ یہی عوامل مزاح تخلیق کرتے ہیں اور یہی وہ مزاح ہے جو پژمردہ، فسردہ اور بے رنگ و نور زندگی میں رنگ و نور لاتا ہے۔ مسرت و شادمانی فراہم کرتا ہے اور خوش دلی کو فروغ دیتا ہے اسی لیے مولانا الطاف حسین حالی نے اسے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا قرار دیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ''مزاح جب تک مجلس کا دل خوش کرنے کے لیے کیا جائے ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اور ایک سہانی خوشبو کی لپٹ ہے جس سے تمام پژمردہ دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ ایسا مزاح فلاسفہ اور حکما بلکہ اولیا اور انبیا نے بھی کیا ہے اس سے مرے ہوئے دل زندہ ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے پژمردہ کرنے والے غم غلط ہو جاتے ہیں۔ اس سے جودت اور ذہن کو تیزی ہوتی ہے اور مزاح کرنے والا سب کی نظروں میں محبوب اور مقبول ہو جاتا ہے۔''

یہ ایک مہذب انسان کے لطیف و شائستہ مزاح کی جامع اور بلیغ تعریف ہے اس مزاح میں طنز، تشنیع، تلخی، ترشی، تمسخر، لعنت، ملامت، دل شکنی، حقارت، فاشی، عریانیت یا کسی کی دلآزاری کا شائبہ تک نہیں ہوتا اسی لطیف و شائستہ مزاح کو حالی نے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اور خوشبو کی لپٹ سے تعبیر کیا ہے۔

طنز کا معاملہ مختلف ہے۔ ادب میں طنز کے لیے کئی اصطلاحیں مستعمل ہیں مثلاً ہجو، تعریض، تنقیص، لعن طعن، استہزا، تمسخر، مضحکہ وغیرہ۔ اردو کے مشہور طنز و مزاح نگار رشید احمد صدیقی کے مطابق ان تمام اصطلاحات میں صرف طنز ہی وہ لفظ ہے جو بڑی حد تک انگریزی کے لفظ Satire کی ترجمانی کرتا ہے اس لیے اردو میں اسی اصطلاح کا چلن ہے۔ طنز ایک طرح کا عمل جراحی ہے جس کا مقصد اصلاح اور تنقید حیات ہے۔ اسی خیال سے طنز کے لیے مقصدیت کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اگر طنز میں اصلاح کا پہلو نہ ہو تو یہ محض ہجو یا تنقیص بن کر رہ جاتا ہے۔

جب ہم طنز و مزاح دونوں کو یکجا کر کے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں بیشتر طنز نگاروں نے پرانے حکیموں کی طرح طنز کی کڑوی کسیلی دوائیں مزاح کی مٹھائی میں لپیٹ کر کھلانے

کی کوشش کی ہے تاکہ منہ کا ذائقہ بھی نہ بگڑے اور علاج بھی ہو جائے اسی لیے اردو میں خالص طنز اور خالص مزاح کی بہ نسبت طنز و مزاح کے مشترک نمونوں کی مقدار زیادہ ہے۔

ہمارے عہد کے سب سے بڑے طنز و مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی نے اپنے مخصوص انداز میں اس طرز نگارش کا معنی خیز تجزیہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''وار ذرا اوچھا پڑے اور بس ایک آنچ کی کسر رہ جائے تو لوگ اسے بالعموم طنز سے تعبیر کرتے ہیں ورنہ مزاح''

طنز و مزاح نگار کے بارے میں ان کی رائے ہے:

''ایک اچھا طنز نگار تنے ہوئے رسے پہ کرتب نہیں دکھاتا بلکہ تلواروں پر رقص کرتا ہے اور مزاح نگار کو جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ ہنسی ہنسی میں اور اس طرح کہہ جاتا ہے کہ سننے والے کو بہت بعد میں خبر ہوتی ہے۔''

طنز و مزاح کے انھیں خوش گوار و خوش اطوار اوصاف کو اردو کے جن ادیبوں نے اعتبار بخشا ہے ان میں بہ اعتبار شہرت و مقبولیت ریاست بھوپال کے مشہور طنز و مزاح نگار، کالم نویس، خاکہ نگار، ادیب و شاعر ملا رموزی منفرد اور ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔

ملا رموزی کا وطن بھوپال ہے جو اپنے محل وقوع اور تاریخی عوامل کی وجہ سے وسط ہند کی چھوٹی مگر اہم ریاست تھی۔ اس کی سرسبز و شاداب پہاڑیاں، وسیع جھیلیں، صاف شفاف سڑکیں، خوشنما اور کثیر مساجد، جن میں ایک مسجد موسوم بہ ''تاج المساجد'' ہندوستان کی سب سے بڑی مسجد خیال کی جاتی ہے۔ اور بھوپال کا ایک تالاب بھی ہندستان میں وسیع تر ہونے کا دعوے دار ہے۔ ان تمام دلکش و دلفریب مناظر کے درمیان بھوپال کی گنگا جمنی تہذیب، اتحاد و یکجہتی کی فضا، حسن مزاح، تواضع، رواداری، علم پروری اردو زبان و ادب سے قلبی لگاؤ اور مخصوص لب و لہجہ بھوپال کی پہچان کے خاص وسیلے ہیں۔

بھوپال میں اردو شعر و ادب کا آغاز اٹھارھویں صدی کی پہلی دہائی میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ابھی خود دلّی میں فارسی کا بول بالا تھا اور وہاں اردو شاعری محض تفنن طبع کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔

ادبیات بھوپال کے پہلے محقق ڈاکٹر سلیم حامد رضوی بھوپال میں اردو کے آغاز و ارتقا کا

جائزہ لیتے ہوئے اپنی معروف کتاب ''اردو ادب کی تاریخ میں بھوپال کا حصہ'' میں رقم طراز ہیں:

''یہ سمجھنا کہ بھوپال میں اردو ادب کا آغاز ریاست بن جانے کے بعد حکومت کی سرپرستی کی بدولت ہوا درست نہیں ہے۔ عام بول چال کی زبان بعض مخصوص رجحانات اور تقاضوں کی بدولت خود بخود ادب کے زینے طے کرنے لگتی ہے یہاں بھی انھیں تقاضوں کی بدولت سترہویں صدی کے نصف آخر میں ہی اردو نے ادبی منزلیں طے کرنا شروع کر دی تھیں۔ نظم کے جو قدیم نمونے مجھے ملے ہیں انھیں دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان علاقوں میں یہ مخلوط زبان دہلی سے تقریباً پچاس سال قبل اپنے مخصوص معاملات کے لحاظ سے شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھ چکی تھی۔ دہلی میں اردو میں شعر کہنے کا رجحان اگرچہ محمد شاہ کے عہد میں بھی پیدا ہو چکا تھا لیکن باقاعدہ آغاز اٹھارھویں صدی کے ربع اول کے خاتمے پر ہوا بلکہ عام خیال کے مطابق یہ کہنا بھی درست ہے کہ اپنی عام بول چال کی زبان کی ادبیت اور شعری صلاحیتوں کا اندازہ اہل دہلی کو اس وقت ہوا جب ولی اورنگ آبادی نے 1700 کے لگ بھگ دہلی آ کر اپنا کلام سنایا جو دکنی اردو میں تھا لیکن ولی کا کلام سن کر بھی شعرائے فارسی نے عام طور پر اردو میں شعر گوئی کی طرف باقاعدہ توجہ نہیں کی۔ 1722 میں جب ولی دکنی کا دیوان دلّی آیا تب وہاں اردو شاعری کی طرف توجہ کی گئی اس طرح دلّی میں اردو شاعری کا آغاز 1722 کے بعد ہوا جبکہ ریاست بھوپال کے علاقوں میں ہم کو اردو شاعری کے وہ نمونے اٹھارہویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہی مل جاتے ہیں جو اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ تقریباً نصف صدی کے ارتقا کا نتیجہ ہیں اور یہاں کی شاعری ولی اورنگ آبادی کی تحریک شعری کی مرہونِ منت نہیں ہے بلکہ مقامی حالات اور تقاضوں کا نتیجہ ہیں۔''

تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ دہلی کی شاعری پر فارسی کے غلبے کی وجہ سے اہل دہلی اردو زبان کو شاعری کے قابل نہیں سمجھتے تھے جبکہ دکن، گجرات اور ہندستان کے بعض دوسرے صوبوں میں جن میں بھوپال بھی شامل ہے اردو شاعری کا آغاز ہو چکا تھا، ڈاکٹر مسعود حسین خاں

''اردوزبان وادب'' میں لکھتے ہیں:

''سیاسی مرکز سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خسرو کی زبان دہلوی نے گجرات، دکن اور ہندستان کے دوسرے صوبوں میں ادبی حیثیت اختیار کرلی تھی البتہ خود دہلی میں فارسیت کے غلبے کی وجہ سے اسے ادبی حیثیت اختیار کرنے اور فارسی کی جگہ لینے میں دیر لگی۔''

بھوپال میں اردو شاعری کا اوّلین دور جو اٹھارہویں صدی کی پہلی دہائی سے شروع ہوتا ہے اس میں بیرسیہ کے قاضی محمد صالح اٹیٹھوی کی مثنوی ''اخلاق حسنہ'' کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ یہ مثنوی زائد از تین سو سال قبل یعنی 1707 میں تخلیق ہوئی اور لطف یہ ہے کہ اتنی قدیم ہونے کے باوجود اس کی زبان حیرت انگیز طور پر صاف وسادہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہے دھوکا یہ دنیا کا سب کاروبار — نہیں اس میں کچھ بھی ثبات و قرار
ہے کچھ آج اور کل تماشا ہے کچھ — کہوں کیا کہ اس کا سراپا ہے کچھ
طریقہ عجب اس کا دیکھا یہاں — کہ اس میں گرفتار ہے گا جہاں
نہ آسودہ اس میں ہوا ہے کوئی — گرفتار خواری رہا ہے کوئی

اس دور کے دوسرے شعرا میں مفتی خیر اللہ صدیقی، سید اصغر علی اصغر، شیخ امان اللہ حسینی، سید مقصود عالم دیدار، عنایت اللہ نادان، مولوی نظام الدین، شیخ رحمت علی مجرم، امیر علی امیر گوالیاری اور بدیع الدین خورد وغیرہ شامل ہیں۔ اس دور میں غزلوں سے زیادہ مثنویاں لکھی گئیں جو اعلیٰ فنکاری کا نمونہ ہیں اور جن کے توسط سے اٹھارہویں صدی میں بھوپال کی ادبی ترقی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اس کے بعد نواب قدسیہ بیگم، نواب جہانگیر محمد خاں اور نواب سکندر جہاں کا عہد آتا ہے اس عہد کے مزاج میں رنگا رنگی اور تنوع ہے جس کے تحت تصوف، تعشق اور سوز و گداز کے ساتھ ساتھ معاملہ بندی اور چٹخارے کی زبان کا لطف بھی موجود ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نواب جہانگیر محمد خاں جو ریاست بھوپال کے آٹھویں فرماں روا اور نواب سکندر بیگم کے شوہر تھے خود بھی شاعر تھے دولہ تخلص تھا اور لکھنوی انداز میں شعر کہتے تھے اس دور کے شعرا میں شیخ عبدالواحد خاں مسکین تلمیذ جرأت، شاہ رؤف احمد رافت، قدرت اللہ قدرت بناری، منشی غلام ضامن کرم، منشی جگل کشور سیراب،

سید یوسف علی یوسف، منشی عبدالعلی تونگر، شاہ فریدالدین، سید مولوی امداد علی امداد خیرآبادی، مولوی یمین الدین احمد، حکیم اخگر علی اخگر فرخ آبادی اور عبدالحمید خاں عاجز کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ریاست بھوپال کی ادبی سرگرمیوں کا اگلا دور نواب شاہ جہاں بیگم کا زمانہ ہے عُلیا حضرت خود بھی شعر کہتی تھیں، شیریں اور تاجور تخلص تھے۔ ان کے ذوق شعری کے بارے میں مولانا سید امجد علی اشہری تقریظ ''خمخانہ جاوید'' میں رقم طراز ہیں:

''حضور ممدوحہ کی بدولت نہ صرف بھوپال میں شعر و شاعری کا چرچا عام ہوا بلکہ محلِ خاص پر اکثر مشاعرے کی محفلیں منعقد کرتی تھیں جن کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں شرفا کی بیویاں شریک ہوا کرتی تھیں۔ ان میں بعض اعلیٰ درجے کی شاعرات تھیں۔ بھوپال کی عورتوں میں شعر و شاعری کی اشاعت حضور ممدوحہ کی بدولت عام ہوئی۔''

نواب شاہجہاں بیگم کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں ''دیوان شیریں'' اور ''تاج الکلام'' ایک طویل مثنوی ''صدق البیان'' بھی مطبوعہ ہے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

پاس بیٹھے ہیں عدو دور کھڑے ہیں عاشق
یہی شاید تری محفل کا قرینہ ہوگا

واہ واہ کیا ہی نیا یہ آپ کا چالا ہوا
دل ہمارا لے لیا اک عمر کا پالا ہوا

عُلیہ حضرت کے ذوق شعری سے حوصلہ پاکر اس عہد کی جن خواتین نے شعر گوئی میں حصہ لیا ان میں ایک اہم نام حسن آرا بیگم تمکین کا ہے جو نواب یار محمد شوکت کی اہلیہ تھیں اور مکہ والی بی بی کے نام سے مشہور تھیں۔ دیگر شاعرات میں منور جہاں بیگم مسرت کلثوم بی بی ممتاز، سکندر بیگم ضیا، سلطان جہاں بیگم حیا اور آمنہ بیگم کے نام خاص ہیں۔

نواب شاہجہاں بیگم کے شوہر نواب صدیق حسن خاں عربی اور فارسی کے متبحر عالم اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ کبھی کبھی اردو میں بھی طبع آزمائی کیا کرتے تھے توفیق تخلص تھا۔ شاعری تو روایتی انداز کی ہے مگر عالمانہ شان اور قدرت زبان و بیان کا پتہ دیتی ہے۔ دو شعر پیش ہیں:

فلک کی خیر ہو یارب کہ اس ستم گر نے ۔۔۔ نگاہ گرم سے پھر سوئے آسماں دیکھا
لیا ہے رعد نے انداز میرے نالے کا ۔۔۔ اڑائی برق نے آہ شرر فشاں کی طرح

ان کا دیوان ''گل رعنا'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ان کے علاوہ اس دور میں صابر علی صبا سہسوانی شاگرد غالب منشی ارشاد احمد میکش ایک اور شاگرد غالب خان محمد شہیر، بھوپال میں شاعر گر کے نام سے شہرت پانے والے مولوی محمد احسن بلگرامی سید امجد علی اشہری، سلیم سندیلوی، نواب صدیق حسن خاں کے بڑے صاجزادے سید نورالحسن خاں کلیم اور چھوٹے بیٹے سید علی حسن خاں سلیم، ذوق کے شاگرد صفدر علی ہاشمی، تاریخ گوئی کے ماہر فدا علی فارغ مرادآبادی جیسے اہم نام شامل ہیں۔ یہ وہ حضرات تھے جو دربار سے وابستہ رہے اور جو دربار سے وابستہ نہیں تھے ان میں نیاز خیرآبادی، قمر سندیلوی، بزم اکبرآبادی، امیر مینائی کے شاگرد عبدالکریم خاں برہم، غالب کے شاگرد جوہر شاہجہاں پوری غالب کے ایک اور مشہور شاگرد نواب یار محمد خاں شوکت، محمد عباس رفعت شیروانی راسخ رام پوری جیسے اساتذۂ فن بھی موجود تھے۔ سراج میر خاں سحر کا نام نامی بھی اسی عہد کے شعرا میں شامل ہے جن کی ایک غزل نے دنیائے شعر و ادب میں دھوم مچادی تھی آج بھی اہل اللہ کی مجالس ہوں یا عشاق کی محافل یہ غزل ہر دل کی صدا بنتی ہے:

سینے میں دل ہے دل میں داغ، داغ میں سوز وسازِ عشق
پردہ بہ پردہ ہے نہاں پردہ نشیں کا رازِ عشق

اس دور میں قصیدہ گوئی کا بھی بول بالا رہا، مولوی حکیم سید اعظم حسین سلیم سندیلوی نے اچھے قصیدے لکھے۔ قصیدے کے علاوہ وہ مزاح کا شوق بھی رکھتے تھے اور اس رنگ میں اکبرآبادی کا تتبع کرتے تھے۔

عہد شاہجہانی کے بعد نواب سلطان جہاں بیگم کا دور آتا ہے اس عہد کے شعر و ادب پر مغربی اثرات رونما ہونا شروع ہوتے ہیں۔ نواب سلطان جہاں بیگم روشن خیال اور سرسید کی ہم نوا تھیں انھوں نے ادب کو زندگی سے قریب کرنے کی کوششوں کا خیر مقدم کیا۔ بیگم صاحبہ کے اصلاحی مزاج سے حوصلہ پا کر بھوپال میں شعر وادب کی روش یکسر تبدیل ہوگئی۔ اب شاعری میں تصنع اور تکلف کی جگہ سادگی اور حقیقت بیانی کا رجحان تقویت پانے لگا اور وصل وہجر کی جگہ فلسفیانہ خیالات

کوفروغ حاصل ہوا۔ اس دور کے شعرا میں عیش بھوپالی، انور بھوپالی، عبدالواسع صفا، عبدالشکور اخلاص، نکہت سہوانی، سید محمد میاں شہید، ذکی وارثی، پیرزادہ محمد اسمٰعیل رخشاں، قدسی بھوپالی، سید حامد حسین ترمذی، نیر بھوپالی، صفدر مرزا پوری، شریف محمد خاں فکری، عبدالجلیل مائل نقوی جیسے شاعر موجود تھے۔ اس دور میں اصلاحی رجحانات کوفروغ دینے والوں میں کچھ نئے تعلیم یافتہ اور علم دوست شعرا بھی شامل تھے۔ سید محمد یوسف قیصر، رشید احمد ارشد تھانوی، علامہ محمد حسین محوی صدیقی، مولوی محمد اسحاق ماہر، ذکا صدیقی، سعیداللہ خاں رزمی، ''مطالب الغالب'' کے مصنف ممتاز احمد سہا مجددی، محمود اعظم فہمی بھوپالی، رمزی ترمذی، منشی لکھمی نرائن افسر، منشی جنگل کشور مہر، گوبند پرشاد آفتاب اسی قبیل کے بزرگ تھے۔ بھوپال میں نئی شاعری کوفروغ دینے اور نئے خیالات کو پھیلانے میں جن شعرا کا سب سے بڑا ہاتھ ہے ان میں سید محمد یوسف قیصر بھوپالی اور احمد علی شوق کے نام سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان دونوں بزرگوں میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ انھوں نے شہر غزل بھوپال میں غزلیں کم اور نظمیں زیادہ لکھیں۔ نظم طباطبائی اور اسمٰعیل میرٹھی کے انداز میں انگریزی نظموں کے منظوم تراجم بھی کیے۔ بھوپال کے دو مشہور مزاحیہ شاعر قاضی فصیح الدین فقفس اور حاجی قمر علی خاں ڈھینڈس اسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد نواب حمیداللہ خاں کا عہد شروع ہوتا ہے جس میں ہمارے نرالے طنز و مزاح نگار ملا رموزی جلوہ گر ہیں جنھوں نے اپنی ذہانت ذکاوت اور ندرت بیان کے ذریعہ پوری اردو دنیا سے خراج تحسین وصول کیا اور چہار جانب بھوپال کا نام روشن کیا۔

بھوپال میں طنز و مزاح کی روایت نئی نہیں تھی ادبی تاریخ سے یہ بات تو ثابت ہے کہ یہاں اردو شعر و شاعری کا چلن ریاست کے قیام یعنی 1722 سے پہلے ہی عام ہو چکا تھا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ نوابین اور بیگمات بھوپال کی اردو دوستی اور ادب نوازی کے سبب اس کی ترقی کے امکانات روشن سے روشن تر ہوتے گئے۔ فرماں روایان بھوپال کی علم دوستی اور ادب پروری کے زیر سایہ اردو زبان و ادب کو پھلنے پھولنے کے بہترین مواقع میسر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی ہندستان کے مختلف شہروں سے مختلف علوم و فنون سے تعلق رکھنے والے ہر طبقے کے لوگ یہاں خود بھی آئے اور بلائے بھی گئے۔ دلّی اور لکھنؤ کی محفلیں اجڑنے کے بعد ان مراکز اور ان کے اطراف و جوانب سے بہت سے ادیبوں،

شاعروں، عالموں اور فاضلوں نے بھوپال کا رخ کیا۔ آزادی سے قبل ایک دور ایسا بھی آیا کہ تقریباً ہر مسلم دانشور کسی نہ کسی حوالے سے بھوپال میں موجود ہوتا تھا۔ نواب صدیق حسن خاں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اقبال اور بھوپال کے رشتے سے بھی سب واقف ہیں، ان نابغۂ روزگار ہستیوں کے علاوہ شبلی، عبدالرزاق البرامکہ، ظہیر دہلوی، عبدالرحمٰن بجنوری، سر راس مسعود، اسلم جے راجپوری، سید سلیمان ندوی، مانی جائسی، نیاز فتح پوری، امیر مینائی وغیرہ کے نام بھی علم وادب کی دنیا میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور یہ تمام لوگ کسی نہ کسی طور پر بھوپال سے وابستہ رہے۔

وسط ہند میں واقع ہونے کی وجہ سے بھوپال کو یہ سہولت میسر تھی کہ شمالی ہند کے ساتھ ساتھ اس کا تعلق جنوبی ہند خصوصاً دکن کی مسلم ریاستوں سے بھی قائم رہا اور ان علاقوں کی تہذیب و ثقافت اور ادبی روایت سے بھوپال نے کسب فیض بھی کیا۔ بھوپال کے حکمراں ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ مذہبی ذہن رکھتے تھے۔ بھوپال کے فطری حسن نے اہالیانِ بھوپال کے مزاج میں زندہ دلی، بذلہ سنجی، حاضر جوابی اور شگفتہ مزاجی کے جوہر پیدا کر دیے تھے۔ چنانچہ ہر عہد کے ادب میں اس کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ ریاست بھوپال کے جن شعرا کے کلام میں طنز و مزاح کے اثرات ملتے ہیں ان میں قاضی فصیح الدین قفس اور حاجی قمر علی خاں ڈھینڈس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ مولوی حکیم سید اعظم حسین سلیم، قمر الدین قمر سندیلوی چھتر سال چھتر، عبدالعزیز خاں عزیز، حکیم سید معظم حسین خاں فیضی، حکیم احسن قادری احسن وغیرہ کے نام بھی اس فہرست میں شامل ہیں مگر طنز و مزاح کے حوالے سے بھوپال کو جن حضرات نے دنیائے ادب میں روشناس کرایا ان میں ملّا رموزی اور تخلص بھوپالی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ تخلص بھوپالی نے غفور میاں اور پاندان والی خالہ جیسے کردار تخلیق کیے اور ان کے ذریعے بھوپالی تہذیب کو متعارف کرایا۔ انھوں نے بھوپال کی زبان اور لب و لہجے سے مزاح پیدا کیا۔ ان کے کردار نہایت جاندار، زندہ اور مکالمے حد درجہ برجستہ ہیں، خالہ اپنے دلچسپ تبصروں سے ہر موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں اور قاری کو ہنسنے ہنسانے اور غور وفکر کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ملّا رموزی ایک بالکل نئی طرز کے موجد اور خاتم تھے۔ اپنی ''گلابی اردو'' کے وسیلے سے وہ ساری ادبی دنیا میں جانے اور مانے جاتے ہیں۔ ان کا انداز منفرد اور کینوس وسیع تر ہے۔ یوں تو انھوں نے اپنے عہد کے مقامی، غیر مقامی، علاقائی، غیر

علاقائی، ملکی، بین الملکتی، قومی، بین الاقوامی، تہذیبی، تمدنی، ادبی، سماجی، تعلیمی اور خانگی ہر موضوع کو اپنے طنز ومزاح کا نشانہ بنایا مگران کا اصلی ہدف سیاست اور مغربی تہذیب تھی۔ ان موضوعات پر ان کا قلم بے تکان چلتا ہے ان کے قلم کی دھار تیز ہے مگر انداز میں لطافت ہے اس لیے تکلیف کا احساس ذرا بعد میں ہوتا ہے۔ ان کے لطفِ زبان اور ندرتِ بیان میں ایسا جادو ہے کہ وہ سخت سے سخت بات کہہ گزرتے ہیں مگر قاری ہنستا رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی تحریروں میں ایسے غیر ملائم اور غیر فصیح الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں کہ کوئی دوسرا ایسا کرے تو اس کی گرفت کی جاسکتی ہے مگر ملا رموزی کا فن ان تمام الفاظ کو نہ صرف گوارہ بلکہ خوشگوار بنا دیتا ہے اور ایسی لطافت پیدا کر دیتا ہے کہ اپنے سیاق وسباق کے درمیان وہ الفاظ حسین تر معلوم ہونے لگتے ہیں۔ خود ملا رموزی کو بھی اپنے طرزِ تحریر کی انفرادیت اور مقبولیت کا احساس تھا۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''یہ طرزِ تحریر میرا سب سے پہلا طرزِ تحریر ہے جس کے ذریعے میں ملک میں روشناس ہوا ہوں اور میرے قدرداں بھائیوں اور بہنوں میں ایسے بے شمار بہن بھائی موجود ہیں جو میرے اس طرزِ تحریر کو پسند کرتے ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ ان کے طرزِ تحریر کو عوام وخواص سبھی نے پسند کیا ہے۔ مشہور طنز ومزاح نگار رشید احمد صدیقی نے اپنی کتاب ''طنزیات ومضحکات'' میں ملا رموزی کی ظرافت اور تخیل کی بلند پروازی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''ملا صاحب کی تصنیفات بعض حیثیت سے بے مثل ہیں ان کو ایسی ایسی ظرافتیں بھی سوجھ جاتی ہیں جہاں بہ مشکل کسی کی رسائی ہوسکتی ہے جو نہایت درجہ دلکش اور پر لطف ہوتی ہیں اور جہاں تک ہر شخص کا پہنچنا قطعاً آسان نہیں۔''

پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

> ''ملا رموزی میں ادبیت کی فراوانی اتنی زیادہ ہے کہ ایک بھی ہم عصر کو حاصل نہیں، دوسری چیز غور وفکر اور خیال کی پرواز اس درجہ بلند اور موزوں ہے کہ ان کی تحقیق اور فکر کا ہر نتیجہ حیرت انگیز اور مخاطب کو ششدر بنا دینے والا ہوا کرتا ہے۔ مثلاً گلابی اردو میں جب وہ خالص موضوعات پر لکھتے تھے تو ان کی بین الاقوامی معلومات اس درجہ مستند اور

بلند ہوتی تھیں کہ اردو کے پختہ کار اخبار نویسوں نے صاف صاف لکھا ہے کہ سیاسیات میں جو معرکہ خیز نکتے ملا رموزی بیان کر جاتے ہیں دوسرے کے بس کی بات نہیں۔"

پروفیسر عبدالقادر سروری مزید لکھتے ہیں:

"ملا رموزی کی ہمیشہ باقی رہنے والی تحریروں میں بہت کم ایسی ملیں گی جن میں ظرافت صرف، ظرافت کی خاطر کا اصول مدِ نظر رکھا گیا ہو۔ ان کی کسی تحریر کا مقصد ہمارے مذموم رواجات کا استیصال ہے، کسی کے ذریعے ہماری حالت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہیں ایڈیسن کی طرح ہمارے معاشرتی عیوب بے نقاب کرتے ہیں جو باتیں مصلحین کی زبانوں پر بھی نہیں آتیں وہ ان کے زبان قلم سے بے تامل نکل پڑتی ہیں اور ان کی اوراکی وسعت کا تو جواب نہیں کہ جس مقام تک ہمارے واعظین اور لیڈروں کا گزر بھی نہیں یہ وہاں بے روک داخل ہو جاتے ہیں۔"

ملا رموزی کا نام محمد رشاد ہے۔ انھوں نے 21 مئی 1896 کو بھوپال کے ایک معزز متوسط خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ اولاً قرآن پاک حفظ کیا، اس کے بعد مدرسہ سلیمانیہ بھوپال میں ابتدائی تعلیم مکمل کی، پھر کانپور کی معروف درسگاہ دارالعلوم الٰہیات سے "فاضل الٰہیات" کی سند حاصل کی۔ ملا رموزی فطرتاً طباع، ذہین اور بذلہ سنج تھے۔ مطالعے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ چنانچہ انھوں نے علمی ادبی اور مذہبی کتب کے ساتھ معاصر اخبارات و رسائل کو بھی اپنے مطالعے میں شامل کیا جو ان کی معلومات میں اضافے کا سبب بنا۔ ان دنوں بھوپال میں اچھا علمی اور ادبی ماحول تھا جو ان کے ادبی ذوق کو پروان چڑھانے میں معاون ثابت ہوا۔ مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا آزاد سبحانی اور علامہ محوی صدیقی جیسے مستند اہل قلم کی صحبتوں نے ان کے ادبی ذوق کی آبیاری کی۔

ملا رموزی نے اپنے ایک مزاحیہ مضمون "ایک سفریہ" میں عبدالحلیم صدیقی کا تعارف اپنے مخصوص انداز میں کرایا ہے:

"علامہ عبدالحلیم صدیقی نہ صرف ایک جادو بیان مقرر اور ایک متبحر عالم ہیں بلکہ وہ ملا رموزی کے وہی استاد ہیں جن کے فیض علم و فن نے آج ملا رموزی کو حضرت

ملا رموزی صاحب بنادیا ہے۔ ورنہ موصوف کی محنت وتوجہ سے پہلے یہی آج کل کے
ملا رموزی صاحب تھے جو پہلوانوں کے دنگل دیکھتے پھرتے تھے اور کریما وماتقما
بھی مشکل سے پڑھ سکتے تھے۔ پس اگر وہ علامہ عبدالحلیم صدیقی کے زیر سایہ نہ
آجاتے تو آج کسی نہ کسی شہر میں غنڈا ایکٹ کے تحت دھرے ہوتے اور ضمانت
دینے والے بھی نہ ملتے۔''

ملا رموزی محض طنزیہ اور مزاحیہ شاعر وادیب ہی نہ تھے ایک سنجیدہ کالم نویس اور صاحب طرز انشاپرداز بھی تھے چنانچہ 1917 میں ان کی ادبی زندگی کا آغاز کالم نویسی سے ہی ہوا تھا۔ انھوں نے جب لکھنا شروع کیا اس وقت غلام ہندستان مختلف سیاسی، سماجی، معاشی مسائل اور اس کے نتیجے میں اخلاقی زوال میں مبتلا تھا۔ انگریزوں کے ظلم وستم نے غریب ہندستانیوں کی زندگی اجیرن کررکھی تھی۔ انگریز حکمرانوں نے نہایت چالاکی اور چال بازی سے ہندستانیوں کے دلوں میں تفریق کے بیج بودیے اور ہندستان کی ریاستوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار کردیا مگر عوام الناس کی اکثریت بلاتفریق مذہب وملت انگریزوں کے خلاف اپنے دلوں میں نفرت کا جذبہ رکھتی تھی ہر سچا ہندستانی ان غیر ملکی حکمرانوں سے اپنے وطن کو آزاد کرانے کا خواہش مند تھا اسی مقصد کے تحت مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں نے صدائے احتجاج بلند کرنے کا سلسلہ شروع کردیا اور اس طرح ہر شخص اپنے اپنے طریقے سے ملک وقوم کی خدمت میں مصروف ہوگیا۔

ملا رموزی کو خدا نے قلم کی دولت عطا کی تھی وہ حساس اور غیرت مند انسان تھے۔ ان کا دل وطن کی محبت سے سرشار تھا چنانچہ ملک وقوم کی زبوں حالی، نکبت، بے بسی، بے حسی، بے کسی، تہذیبی اور مذہبی اقدار وروایات کی پامالی اور زوال پذیری ان کی برداشت سے باہر ہوگئی تو انھوں نے اصلاح قوم کی خاطر قلم اٹھایا اور پورے جوش وخروش اور جرأت مندی کے ساتھ حق کی آواز بلند کرنے لگے۔ قلم میں بڑی طاقت ہوتی ہے بعض وقت اس کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے زیادہ تیز ہوجاتی ہے۔ اور اس کا اثر بھی دیرپا ہوتا ہے۔ اگر جذبہ صادق اور نیت میں خلوص ہو تو فنکار کا قلم ملک وملت کے دلوں پر دستک دینے لگتا ہے اور جلد یا بدیر اس کی محنت مستجاب ہوکر رہتی ہے۔ ملا رموزی نے بھی اسی مقصد سے قلم ہاتھ میں لیا تھا۔ مگر انھوں نے اپنے اسلوب کو عام روش سے ہٹا کر شگفتگی کی

راہ پر لگا دیا تاکہ روتی بسورتی ہوئی مایوس قوم کے چہرے پر مردنی کی جگہ مسرت، خوشی اور خوش طبعی کی جھلک نظر آئے اور اس میں جینے اور ہنسنے کا حوصلہ پیدا ہو۔ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

''میرا مقصد تحریر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ قوم میں زوال و غلامی، غیر قومی علوم اور غیر قومی تربیت سے جو افلاس انگیز اور موت آور ذہنیت پیدا ہو گئی ہے ملازمت کی لعنت اثر زندگی اور اولاد کی کثرت سے جو مالی تباہی پھیلی پڑی ہے اور اس سے جو بدمزاجی، خستگی اور دماغی پریشانی ہوئی ہے اس کا یہ مولویانہ اثر ملاحظہ ہو کہ ہندستانی لوگ اپنی تفریحی مجالس اور تفریحی تقاریب میں بھی اتنے گاڑھے اور موٹے واللہ چنانچہ بنے رہتے ہیں گویا قہقہہ انھیں دس سال کی سزا دے دی جائے گی اگر وہ تفریحی محفل میں کہیں ہنس پڑے۔ پس چاہتا ہوں کہ رونے والی قوم میرے ذخیرہ تحریر سے زندہ دلی، خوش دماغی ہنسی اور خوش طبعی کی امنگ اور مسرت اندوز زندگی کی بہاریں حاصل کرے اور منشی نولکشور کے مولویوں نے جتنی کتابیں قیامت اور دوزخ کے عذابوں سے ڈرانے اور رلانے کے لیے لکھی ہیں ان کے مقابل جنت کی بہاروں کا کوئی تحریری نمونہ بھی موجود رہے۔''

ملا رموزی کے جس طرز تحریر پر لوگ اتنے فدا تھے اور جسے خود ملا صاحب نے ''گلابی اردو'' کے نام سے موسوم کیا اور دعویٰ کیا کہ:

''ملا رموزی نے بھی ''گلابی اردو'' کے نام سے وہ طرز تحریر اختیار کیا کہ اچھے اچھے مر گئے مگر سمجھ نہ سکے کہ یہ کیا ہے۔''

بطور نمونہ یہاں ان کی ایک کتاب ''گلابی اردو'' سے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

اس کتاب میں ملا صاحب نے اپنا نام ابوالقدوس حافظ صدیق رشاد توحیدی لکھا ہے جیسا کہ وہ ابتدا میں لکھا کرتے تھے یہ کتاب نقیب پریس بدایوں سے طبع ہوئی تھی۔ سنہ اشاعت 1921 اور قیمت آٹھ آنے ہے۔ پہلا اقتباس بعنوان ''سبب تالیف کتاب'' ہے۔

''امابعد۔ اے وہ ہم ملا رموزی صاحب کہ نہیں لکھتے ہیں، ہم سبب تالیف کتاب کا مگر موافق رسم قدیم مصنفوں ہمارے اور تاریک خیال علما ہمارے کے کہ صرف کیں

عمریں تمام اپنی انھوں نے بیچ لکھنے حاشیوں کتابوں عربی کے مگر نہ سکے وہ یہ کہ لکھے
وہ کچھ اور تحفظ اور خلافت ایجی ٹیشن کے تاکہ ذریعے سے تحریروں اور کتابوں ان کی
کے بیداری بیچ مسلمانوں ہند کے پیدا ہوتی بس البتہ تحقیق ایک دن موافق مادیت
اپنی کہ ہمراہ دوست پرانے اپنے کے بیچ ملک عراق کے گئے ہم واسطے دیکھنے ان
مقامات مقدس کے کہ فوجیں اتحادیوں کی رہتی ہیں بیچ ان کے اور فروخت ہوتی
ہے۔ بیچ ان کے شراب ناگاہ بیچ نظر کے پڑے آنریبل وزیر حسن کہ گئے ہیں وہ بیچ
مقامات مقدس کے واسطے کرنے ملازمت انگریزوں کی کے پس قسم ہے چودہ
اصولوں پریزنٹ ولسن کی کہ جب برابر ہمارے آئے وہ تو جھڑکا ہم نے ان کو اس
طرح کہ اے وہ تم آنریبل وزیر حسن شاگرد شریر ہمارے کہو کہ کیونکر ترک کی تم نے
ملازمت آل انڈیا مسلم لیگ کی شاید کہ ناراض ہوئے تم اس سے کہ مخالفت کی عدم
تعاون کی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی نے سبب سے لالچ ملازمت حیدرآباد
کے پنشن کردے اللہ ان کی اور مولوی عبداللہ عمادی کی یا گھبرا گئے تم گرفتاریوں سے
علمائے دین اسلام کے بیچ ملک ہندستان کے کیونکہ حکیم لقمان نے بیچ کتاب "پریس
ایکٹ" کے لکھا ہے کہ نہیں گرفتار اور ذلیل ہو رہے ہیں علمائے دین اسلام کے مگر
ہاتھوں سے ان مسلمانوں کے کہ ملازم ہیں وہ بیچ محکموں خفیہ پولیس اور آبکاری اور
سائر کے طاعون پھیلا دے اللہ بیچ خاندانوں ان کے کے اور بیچ فوجوں یونان کے یا
خفا ہوئے تم ان اخباروں اردو سے کہ مخالفت کی انھوں نے تحریک ترک موالات کی
مثل اخبار وطن لاہور اور آزاد کانپور کے۔"

دوسرا اقتباس:

شاہ نادر خاں صاحب کا حادثہ:

"اے عجب وہ گھڑی کہ سنی ہم نے اور بیوی بچوں ہمارے نے خبر حادثہ شاہ نادر خاں
صاحب کی مگر یہ کہ اوپر فقط سماعت اس خبر ہذا کے پھر سوال کیا اور کانپے ہم، اے
لرزے ہم، خوف سے خدا حکمت والے کے، پھر سوال کیا ہم سے بیوی عرف زوجہ

ہماری نے، یہ کہ کیا ہوا اے شوہر میرے، کہ شہادت پائی بادشاہ افغانستان نے اور
گواہی دی ہم نے سامنے زوجہ اپنی کے، اوپر اس بات کے، کہ تحقیق اللہ قادر ہے اوپر
ہر بات کے۔''

تیسرا اقتباس:

''اے سینما میں جھانکنے والو!
نہ چاہیے اور البتہ نہ چاہیے تم کو، یہ کہ جھانکو تم، بیچ سینما کے، طرف پردہ نشین عورتوں
کے کہ تحقیق ہیں وہ عزت تمھاری، اگر چہ بہ سبب جہالت سخت کے، غافل ہیں مسلمان
ترقی اور تعلیم اپنی سے، مگر نہ دیکھا تم نے بیچ زمانہ جنگ کے، کہ کام آئیں عورتیں بیچ
لڑائی چین و جاپان کے، موافق حق کام آنے اپنے کے۔''

بھوپال کے تانگے والوں کا لب ولہجہ اور انداز گفتگو کی نقشہ کشی بھی ملاحظہ کیجیے:

اگر آپ نے سفر سے پہلے کرایہ طے نہیں کیا اور منزل پر پہنچ کر کچھ دینا چاہا تو تانگے والا بے عزت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ اس کی زبان سے ''ایک سفریہ'' سے ماخوذ کچھ اس طرح کی باتیں سننے کو مل سکتی ہیں:

- ''میں نے تو آپ کو اشراف آدمی سمجھا تھا اس لیے سواری کے وقت کچھ نہ کہا۔''
- ''اس میں کیا ہوگا میں تو پورے دس آنے لوں گا۔''
- ''کیا؟ قرآن کی قسم ایک پیسہ کم نہ لوں گا۔''
- ''خدا پاک کی قسم صبح سے گھوڑا الگ بھوکا ہے اس پر یہ دس پیسے دے رہے ہیں''
- ''اچھا تو جب جیب میں دام نہیں تھے تو تانگے میں قدم کیوں رکھا آپ نے۔''
- ''میں سامان تو نہیں اتارنے دوں گا اب چاہے آپ میرا تانگہ ہی بند کرا دینا اور کیا تو۔''
- ''اچھا تو آپ بیچ میں بول رہے ہو تو آپ ہی رکھ دیجیے دس آنے میرے اور کیا تو۔''
- ''بس منہ چلانا آتا ہے آپ کو جیب میں دام بھی نہیں اتنے۔''
- ''جی ہاں۔ دام کے دام کھا جایئے اور ہم ہی گدھے بدتمیز ہیں آپ تو بڑے کہیں کے...... تمیزدار آدمی ہیں۔''

○ ''جی ہاں سرکار بھی آپ ہی کی ہے بس تو پھر ہمارے بچوں کو سولی پر چڑھا دیجیے۔ ارے ہاں تو۔''

ملا رموزی فطری طنز و مزاح نگار تھے انھوں نے اس میدان میں جو کمالات دکھائے ہیں اردو کی مزاحیہ ادبی تاریخ میں کسی ایک شخص کی تحریروں میں کہیں نظر نہیں آتے انھوں نے کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ''گلابی اردو'' کے تو خیر وہ موجد ہی تھے اور اس فن میں کوئی ان کا حریف تو کیا مقلد و پیروکار بھی نہ بن سکا، اس کے علاوہ وہ ایک سنجیدہ مضمون نگار، دلچسپ خاکہ نگار، شگفتہ کالم نویس، شاعر اور سادہ، سلیس اور بامحاورہ نثر کے بھی بہترین طنز و مزاح نگار اور اسی کے ساتھ مقرر، مفکر، محقق، مدبر، فلسفی اور سیاسی مبصر بھی تھے۔ قومی اور بین الاقوامی سیاست کے مسائل نیز مذہبی سماجی اور تہذیبی امور پر ان کے تبصرے جرأتمندانہ اور بے باکانہ ہوتے ہیں۔ مختلف اخباروں کے مدیران کے نام ان کے خطوط بھی خاصے کی چیز ہیں۔ مگر ان کی تمام شہرت'' گلابی اردو'' کے دائرے میں سمٹ کر رہ گئی اور آہستہ آہستہ اس کا اثر بھی زائل ہوتا گیا۔ حالانکہ ان کے دوسرے مضامین بھی کچھ کم نہ تھے مگر ان کے ساتھ سخت ناانصافی ہوئی۔ انھوں نے نکات، لقمے، تھرڈ کلاس اور زنانہ کے عنوانات سے جو معرکۃ الآرا کالم اور مضامین قلم بند کیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اخوۃ (لکھنؤ) حقیقت (لکھنؤ) خلافت (بمبئی) البرید (کانپور) مدینہ (بجنور)، الجمعیۃ (دہلی)، قوم (دہلی)، اور زمیندار (لاہور) جیسے اہم اخبارات میں ان کے مضامین اہتمام سے شائع ہوتے تھے اسی طرح ملاپ، تیج، ویر بھارت، بھیشم اور پارس کے صفحات بھی گلابی اردو سے مزین نظر آتے ہیں۔

ملا رموزی میں خاص بات یہ تھی کہ وہ بیک وقت کئی اسالیب پر قادر تھے ان کے مکالمے حد درجہ برجستہ اور کرداروں کی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں جس طرح آپ نے بھوپال کے تانگے والے کے مکالموں کا انداز دیکھا ہے۔ اسی طرح مولوی صاحبان کے کردار، تصنع، تکبر، تفکر اور خالی پن کا خاکہ اس طرح اڑایا گیا ہے کہ ان کی مصنوعی شخصیت اور اداکاری کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ موقع یہ ہے کہ ملا رموزی کہیں تقریر کے لیے مدعو کیے گئے ہیں اور دوران سفر اپنے ذہن میں تقریر کے داؤ پیچ مرتب کر رہے ہیں۔ اس تقریر کی پلاننگ ملاحظہ کیجیے اور

طرز بلیغ کی داد دیجیے۔ لکھتے ہیں:

- اس مرتبہ تقریر سے پہلے وہاں کے لوگوں سے بہت زیادہ اور مصنوعی طور پر پھول کر بات کروں گا۔ اس سے یہ ہوگا کہ وہاں کے باشندے تقریر سے پہلے ہی آدھے کے قریب مجھ سے دب جائیں گے۔
- جاتے ہی وہاں کے لوگوں سے اتنے موٹے موٹے اور گاڑھے عربی الفاظ بولوں گا جس سے وہ سہم جائیں گے کہ بلا کے ذی علم مولوی صاحب آئے ہیں۔
- جاتے ہی کہوں گا کہ میں آج کل پرہیزی کھانا کھاتا ہوں جب لوگ کہیں گے فرمائیے فرمائیے وہ بھی تیار ہوسکتا ہے تو ایک آدھ عمدہ قسم کی غذا تیار کراؤں گا۔
- مذہبی مسائل پر گفتگو کرتا رہوں گا جس سے میری مذہبی معلومات کا رعب طاری ہوجائے۔
- بہت کم مسکراؤں گا اور ہنسی کو بالکل ہی چھپاتا رہوں گا۔
- بے وقت تازہ پھل کھانے کا عادی ظاہر کروں گا۔
- تحفے اور ہدیے دینے کا ثواب بتاتا رہوں گا۔
- تقریر سے پہلے کھانسی سے کام لوں گا اور پھر ادھر اُدھر دیکھوں گا پھر مسلسل سفر اور مسلسل تقریروں سے تھکن ظاہر کروں گا پھر پینے کو پانی طلب کروں گا۔ پھر مجمع سے درود شریف پڑھواؤں گا پھر کہیں تقریر شروع کروں گا۔ پھر تقریر یوں کروں گا کہ اصل معاملے پر دو چار جملے بول کر خلاف عقل و یقین حکایات قصے اور بے بنیاد روایات سے لوگوں کو رلانے کی کوشش کروں گا اگر وہ نہ روئیں گے تو خود رونے لگوں گا اور درود شریف پڑھواتے ہوئے اپنے لیے پانی پھر چائے طلب کروں گا۔
- جب مجمع رونے لگے تو یہ بھی ترکیب سے کہہ دوں گا کہ اگر کوئی اور صاحب میرے وعظ کا بندوبست کرا سکیں تو دو دن اور قیام کروں گا۔

ملا رموزی اپنی تحریر میں لفظی اور معنوی تضادات سے نہایت دلچسپ اور گہرے معنی پیدا کرنے میں طاق ہیں باتیں کرتے کرتے نہایت سادگی کے ساتھ اچانک ایسا برجستہ جملہ چسپاں کر دیتے ہیں کہ بس سوچتے ہی رہ جائیے تمثیل، تشبیہ اور استعارے اپنی الگ بہار دکھاتے

ہیں۔ جیسے یہ اقتباس:

''جامعہ الٰہیہ کانپور میں ہمارے وطن کے ایک بزرگ بھی آباد تھے خود کو ہمارا استاد کہتے تھے بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ میاں ملا صاحب خبر ہے کہ وطن عزیز میں طاعون کا دورہ شروع ہو گیا ہے طبیعت کو کسی طرح چین نہیں۔ ہم نے ادب سے فرمایا کہ اگر وطن میں طاعون آجانے سے آپ ایسے ہی پریشان ہیں تو چلیے کچھ دن کے لیے وطن ہو آئیں وہاں عزیزوں اور احباب کے جنازوں میں شرکت سے کسی قدر طبیعت بہل جائے گی اور روزانہ بڑے قبرستان تک بھی چہل قدمی ہو جائے گی۔ اس فقرے کو سن کر اور تو کچھ نہیں مولوی صاحب قبلہ ہمارے پاس سے عربی کی وہ دعا پڑھتے ہوئے چلے گئے جسے جماہی آتے وقت مسلمان منہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھتے ہیں۔''

ملا رموزی کی نثر خصوصاً ''گلابی اردو'' سے محظوظ ہونے کے لیے ان کے قاری کا وسیع المطالعہ ہونا ضروری ہے ورنہ ان کی تحریر سے لطف اندوز ہونا تو کجا سمجھ ہی میں آنا مشکل ہوگا۔ انھوں نے عربی اصطلاحات کے استعمال اور صنائع بدائع کے پیرائے میں ایسے ایسے سیاسی، سماجی اور دقیق فلسفیانہ نکات بیان کیے ہیں کہ قاری پر حیرت وانبساط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کی نکتہ رسی، نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی قابل رشک ہے۔ ایک اقتباس دیکھیے جس میں ملا صاحب ان قلیوں سے مخاطب ہیں جو انگریزوں کو سلام کرتے ہیں اور ہندستانیوں سے جھگڑتے ہیں:

''امابعد اے محترم قلی مزدورو!

البتہ تحقیق گواہی دیتے ہیں ہم اوپر اس بات کے کہ اگر چہ مزدوری کرتے ہو تم اور بستر سوار کرتے ہو اوپر ریل کے۔ وقت آنے اور جانے ریل کے مسافروں انگریز اور مسافروں ہندستان کے مگر وقت لینے مزدوری کے سلام کرتے ہو تم انگریز مسافروں کو ٹیڑھے ہو کر۔ اے جھک جھک کر مگر قسم ہے تمہارا کو فردوس ہند کی کہ لڑائی لڑتے ہو تم ساتھ ہندستانی مسافروں کے اور جھگڑتے ہو تم اوپر مزدوری کے ساتھ مسافروں غریب اور افلاس کے مارے ہوئے ہندستانی کے اور جو کم دے مزدوری کوئی مسافر ہندستان کا تم کو بستر اس کا اوپر فرش زمین پلیٹ فارم اسٹیشن کے پھینک دیتے ہو تم اور

ڈانٹ دیتے ہو تم اس غریب مسافر کو یا پھر چھوڑ دیتے ہو اوپر پلیٹ فارم کے لوٹا اس کا یا مبلغ ایک صندوق اس کا یا انکار سخت کرتے ہو تم اٹھانے سے بستر کسی غریب مسافر ہندستانی کے۔ پس تحقیق سبب سے ایسی زیادتیوں تمھاری کے غالب لایا ہے اللہ انصاف کرنے والا اوپر تمھارے انگریزوں کو۔''

گلابی اردو کا یہ منفرد اسلوب ملّا صاحب نے اس وقت اختیار کیا تھا جب سادہ تحریر میں کڑوی بات کہنا قانوناً دوبھر ہو گیا تھا۔ 1917 میں جب ملّا رموزی نے لکھنا شروع کیا ہندستان نازک دور سے گزر رہا تھا۔ انگریزوں کے ظلم و استبداد نے ہندستانیوں کا جینا مشکل کر رکھا تھا آزادانہ اظہار پر پابندی عائد تھی۔ اسی دوران جرمنی کے حملے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پابندیاں مزید سخت ہو گئیں پریس ایکٹ کے نفاذ نے صحافیوں کے قلم کو قانونی شکنجوں میں کس کر بے اثر کرنے کی کوشش کی۔ صحافیوں پر گہری نظر رکھی جانے لگی حکومتیں جانتی ہیں کہ قلم کی دھار تلوار سے زیادہ تیز ہوتی ہے، اس لیے اس کی دھار کو کند کرنے کے تمام سامان کیے گئے۔ ملّا رموزی چونکہ ایک آزاد خیال صحافی تھے اپنی بات آزادی کے ساتھ کہنا چاہتے تھے۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ کم از کم حکومت وقت کی بے اعتدالیوں، ستم شعاریوں اور فریب کاریوں کے بارے میں وہ اپنی بات سنجیدہ پیرائے میں کھل کر نہیں کہہ سکتے تو انھوں نے طنز و مزاح کا سہارا لیا اور اپنی تحریر کو ظرافت کا رنگ دے کر دل کی بھڑاس نکالی۔ طبیعت میں جودت اور جدت تھی اس لیے اس میدان میں بھی عام ڈگر سے ہٹ کر چلنے کا اہتمام کیا اور ایک بالکل نئی راہ ڈھونڈ نکالی اور اس طرح اپنی ''گلابی اردو'' کی بنیاد ڈالی۔ گلابی اردو دراصل طرز قدیم میں عربی زبان کی قدیم کتب خصوصاً آسمانی صحیفوں کے لفظی اردو ترجموں کی پیروڈی ہے۔ یہ ترجمے اس قدر پیچیدہ اور گنجلک ہوتے تھے کہ نہ صرف ان کا سمجھنا آسان نہ تھا بلکہ اسلوب بھی مضحکہ خیز ہو جاتا تھا حالانکہ ان مترجمین کی بھی اپنی مجبوریاں تھیں ابتدا میں قرآن حکیم کے ترجموں کی بھی سخت مخالفت ہوئی لیکن ہندستان کے مجتہد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے نے اجتہاد کر کے اولاً فارسی پھر اردو میں اس کام کا آغاز کر ہی دیا۔ چونکہ عربی اور اردو قواعد میں بڑا فرق ہے۔ صیغے تک یکساں نہیں۔ اس لیے بامحاورہ ترجمے میں معنی و مفہوم کے تبدیل ہو جانے کا اندیشہ رہا ہوگا۔ اس وقت اردو نثر نے بھی اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ ہر طرح کے بیان پر قادر

ہو سکے۔ چنانچہ بزرگوں نے لفظی تراجم ہی میں عافیت سمجھی اور کسی نہ کسی طرح عوامی زبان یعنی اردو میں قرآن حکیم کے معنی و مفاہیم کو اردو داں طبقے تک پہنچانے کی مخلصانہ کوشش کی۔ ملا رموزی کی جودت طبع نے اسی لفظی ترجمے میں عصری مسائل کے بیان کے ذریعے مزاح پیدا کر کے اپنی اردو کو زعفران زار بنا دیا۔ ملا رموزی خود بھی مدرسے کے فارغ التحصیل تھے اس لیے عربی مصطلحات تک انھیں رسائی حاصل تھی بلکہ ان پر دسترس بھی رکھتے تھے جو اس طرز جدید میں ان کے کام آئی۔ گلابی اردو میں البتہ، تحقیق، اے وہ، مگر، بیچ، شیطان راندا ہوا، پیچھے تمھارے، سوافق، پس، نہیں سکتے ہو، اوپر سڑکوں ٹھنڈی کے، عجب کیا، نہیں دیکھا تم نے، بجل موتیوں کے ملیں تم کو بھی وغیرہ اسی قبیل کے الفاظ و اصطلاحات ہیں۔ جملوں کی نحوی ترکیب اسم، ضمیر، فاعل، فعل اور مفعول کا فصل، حروف جار، اضافتیں، کا، کی، کے سب کچھ بدل کر جملوں کی ساخت میں مضحکہ خیزی پیدا کی گئی ہے اور یہ سب کچھ اس خوبی سے ہوا ہے کہ ہر بات کہنے کے باوجود کسی قانونی، سماجی اور اخلاقی گرفت سے بھی محفوظ رہے گویا سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔

ملا رموزی نے 1917 سے 1922 تک پورے جوش وخروش کے ساتھ طنز وظرافت کے پھول کھلائے۔ اس طرز خاص نے انھیں پورے ملک میں مقبول بنا دیا۔ خاص و عام میں ان کی مقبولیت دیکھتے ہوئے ہر اردو اخباران سے مضمون کی فرمائش کرتا، ملا صاحب چونکہ پیشہ ور قلم کار تھے اس لیے معاوضہ بھی لیتے تھے جو اس وقت ایک روپیہ فی صفحہ تھا اخبارات ان کے مضامین انھیں کی شرائط پر وی پی سے حاصل کر کے شائع کرتے اس کے علاوہ ان کے قارئین بھی انھیں تحائف بھیجتے رہتے۔ ریاست بھوپال سے انھیں ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ریاست حیدرآباد کے اردو دوست وزیر اعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد بھی ان کی تحریروں کے مداح تھے اور انھیں تحفے بھیجتے تھے۔ اس دور میں ملا رموزی جیسی مقبولیت کسی اور کو حاصل نہ تھی۔ ملا رموزی نے 1922 میں گلابی اردو چھوڑ کر سادہ تحریر لکھنا شروع کر دیا۔ گلابی اردو ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے نکات کے کالم میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''اکثر احباب کو شکایت ہے کہ ہمارے مخصوص طرز تحریر ''گلابی اردو'' میں اب وہ پہلی سی شگفتگی باقی نہیں رہی ان کا یہ خیال بالکل صحیح ہے مگر ایسا قصداً کیا گیا وجہ یہ ہے کہ

گلابی اردو کی جان شگفتگی اصل میں وہ سیاسی تنقید و نکتہ چینی ہوا کرتی تھی جو اس وقت اس
کا حقیقی نصیب العین تھی مگر یہ نصب العین تابع تھا مسلمانانِ ہند کے اس عظیم الشان اور
متفقہ مقصد کا جو منصب خلافت کے حفظ و بقا کے لیے آٹھ کروڑ مسلمانان ہند نے طے
کیا تھا۔"

مگر یہ مقصد پورا نہ ہو سکا اور ترکی کی خلافت ختم ہوتے ہی ہندستان کی خلافت تحریک بھی دم توڑ گئی اور اسی کے ساتھ گلابی اردو کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔

"گلابی اردو" کے بعد انھوں نے سادہ اور با محاورہ زبان میں مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کیے اور ان میں بھی رنگین پھول کھلائے۔ مزاح کے علاوہ ان کے سنجیدہ مضامین بھی فکر انگیز ہیں۔ یہ مضامین ان کے مطالعے کی وسعت، مشاہدے کی باریکی سیاسی شعور کی پختگی اور فکر کی بلندی کا احساس دلاتے ہیں۔ نکات کے عنوانات سے انھوں نے جو مختصر تحریریں یادگار چھوڑی ہیں ان میں سیاسی سماجی، مذہبی، تہذیبی اور انسانی نفسیات سے تعلق رکھنے والے ایسے ایسے نکتے بیان کر دیے ہیں کہ ان کی فکر عالی اور تحریر مثالی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے جس میں اپنے عہد کے نئے اردو اخباروں کے مدیران کی ذہنی کج روی اور طرز عمل کا تجزیہ اور ان پر تبصرہ کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

> "1914 میں جنگ یورپ کی خبروں کی اشاعت سے مالی فائدے اٹھانے کے لیے
> زبان اردو کے بے شمار اخبارات جاری ہوئے چونکہ ان نئے اخبارات کا مقصد پیسہ
> کمانا تھا نہ کہ عوام کی اصلاح و فلاح اس لیے ان اخباروں میں اخباری اصول و ضوابط
> کا کامل فقدان رہا مثلاً ایسے اخباروں کے ایڈیٹروں کا زیادہ حصہ نیم تعلیم یافتہ
> نوجوانوں پر مشتمل تھا جو اصول رہنمائی سے خود بے خبر تھے اور اسی لیے ان کی اخبار
> نویسی سے بجائے اصلاح کے عوام کا ذوق تباہ ہو گیا مگر اس نوجوان اخبار نویس
> جماعت نے اس کمزوری کو عوام کے سر یہ کہہ کر تھوپ دیا کہ "عوامِ ہند بدمذاق ہیں"
> حالانکہ عوام کی بدمذاقی کی اصلاح ہمیشہ اخبار نویس کے ذمے عائد ہوتی ہے۔"

اپنے عہد کے اخبار نویسوں کی اس طرح خبر لینا بڑی جرأت کی بات ہے اور ملا رموزی میں اس طرح کی اخلاقی جرأت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ ایک اور جرأت مندانہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''اخبارات اردو زیادہ تعداد میں چونکہ نااہل لوگوں کے ہاتھ میں رہے اور ان کی تحریر پر حکومت نے سوائے اپنی حکومتی مصالح کے کوئی اخلاقی احتساب وسزا عائد نہ کی اس لیے ان کی اخلاقی بے راہ روی کے مضر اثرات قوم کے ہر حصہ زندگی پر پڑے اور قوم کی اجتماعی زندگی کبھی ایک مرکز یا متحدہ مقصد کے تابع نہ ہوئی اور یہی وہ عظیم الشان خسارہ ہے جو اخبارات سے قوم کو پہنچا۔''

ملا رموزی باتوں باتوں میں اکثر پتے کی بات کہہ جاتے ایسی ہی کچھ اور پتے کی باتیں ملاحظہ کیجیے:

- ''جس ملک میں کثیر المقاصد انجمنیں بکثرت ہوں اس امر کی علامت ہے کہ اس ملک کے باشندوں میں وحدت خیال نہیں اور جن باشندوں میں وحدت خیال نہ ہو ان میں وحدت عمل نہیں اور جن لوگوں میں وحدت عمل نہ ہو ان کی قومی موت یقینی ہے۔''
- ''جو قوم کسی دوسری قوم کے اخلاق، تمدنی، معاشرتی اور فکری آثار واثرات کو پسند کرتی ہو وہ اس کی غلامی کو باعث عار نہ سمجھے گی۔''
- ''جو شخص کسی ادنیٰ بے غیرتی کو پسند یا گوارہ کر سکتا ہے وہ وقت آنے پر بڑی سے بڑی بے حیائی کو بھی برداشت کر سکتا ہے۔''
- ''دوست کے معنی ہیں ایک فریب دینے والا انسان جو اپنی اغراض کی تکمیل کے لیے ہمارے ساتھ ہے مگر ہم اپنی بے ذوقی سے اسے پہچانتے نہیں۔''
- ''جو شخص وقت کا پابند نہ ہو سمجھو یہ ہندستانی ہے اور جو شخص پچاس روپے ماہوار تنخواہ پر قابو سے باہر نظر آئے سمجھو یہ ہندستانی افسر ہے۔''

ملا رموزی نے رسالہ جامعہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ) دہلی میں اپنا مضمون بعنوان ''رائے'' اشاعت کے لیے بھیجا اس کی تمہید دلچسپ اور معلوماتی ہے طرز تحریر میں وہی شگفتگی پائی جاتی ہے جو ان کے نیم مزاحیہ مضامین کی جان ہے۔ لکھتے ہیں:

''1927 کے انگریزی ماہ نومبر کی خدا جانے کس تاریخ کو حضرت قبلہ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب ہمراہ برادر مکرم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم اے پی ایچ

ڈی پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی ایک بڑی جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک موصوف کی نظر ہمارے اوپر آپڑی (یہ دور بیٹھنے والے پر جاپڑی کی ضد ہے)، (آپڑی) ہم نے فوراً ادب سے سلام کیا تو اتفاقاً فرما کر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے فرمایا:

اجی یہ ہیں ملا رموزی

تو ذاکر صاحب بڑے تپاک سے اٹھے اور ہم سے مصافحہ فرمایا۔ (حالانکہ موقع معانقہ کا تھا) اور یہ بھی فرمایا کہ میں تو جرمنی میں بھی آپ کے مضامین سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا آج آپ کی صورت بھی دیکھ لی۔''

ہم یہ سمجھے کہ اوہو اب تو ہمارے مضامین ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ''پیام مشرق'' اور مثنوی وغیرہ سے بھی بڑھ گئے اور ان کی خوبی اور مقبولیت کا اب یہ عالم ہے کہ وہ جرمنی کی زبان میں بھی ترجمہ ہونے لگے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ حسرت انگیز تردید بھی ہوگئی کہ جرمنی میں مضامین پڑھنے سے قیام جرمنی مراد ہے نہ کہ زبان جرمنی۔ ظاہر ہے کہ اس تردید سے ہمارے دل پر ایک ضرب شدید تو پڑی ہوگی مگر ہم نے خود کو سنبھال کر رسالہ جامعہ کا تذکرہ شروع کر دیا اور ڈاکٹر صاحب کو اپنا یہ احسان جتایا کہ ہم نے جامعہ کے علی گڑھی دور میں وہ مضامین لکھے ہیں جو اصطلاح میں ''معرکتہ الآرا'' کہلاتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ''مگر اب تو آپ نے جامعہ کو بھلا ہی دیا تو ہم نے بھی فی البدیہہ یہ عرض کیا، جامعہ تو اب بالکل ہی متین اور علمی رسالہ ہوگیا ہے اور ہمیں متانت سے اتنی ہی وحشت ہوتی ہے جتنی ہندستانی پولیس کو ہڑتالیوں سے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا آپ اپنے ہی رنگ میں لکھیے۔ اس لیے بالفاظ اخبار ریاست دہلی ان اوپر کے حالات کی وجہ سے جامعہ میں یہ بدبختی مضمون پیش کرتے ہیں خدا اسے قبلہ مولانا اسلم جیراجپوری کی نظر سے بچائے کہ کہا ہے: گر قبول افتد زہے عز و شرف۔''

ایک اور مضمون ''پیشاور تک مگر علی گڑھ تک'' کا یہ دلچسپ اقتباس بھی ملاحظہ کیجیے:

''28 نومبر 1927 کو مفتی اعظم حضرت علامہ محمد مفتی کفایت اللہ جمعیۃ العلما ہند کا

گرامی نامہ ملا کہ جمعیتہ کے سالانہ اجلاس پیشاور کی شرکت کے لیے آپ کا نام پیشاور
کی مجلس استقبالیہ کو بھیج دیا گیا ہے تیار رہو۔ ننھے میاں کی والدہ سے پیشاور تک سفر کا
تذکرہ جو کیا تو انھوں نے جو طویل جوابات عطا فرمائے ان کے جملہ حقوق بحق راقم
الحروف محفوظ رہنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ بستر باندھ دیا، کپڑے رکھ دیے، کھانا
پکانے بیٹھ گئیں۔ صرف ہم سے خندہ پیشانی سے بات کرنا ترک کر دیا۔ ننھے میاں پر
بات بات میں جھنجھلانے لگیں۔ برتن کو زمین پر رکھنے کی جگہ پٹک دیتی تھیں۔ کوئی دو
ڈھائی گھنٹے تک تازہ پان بھی نہ کھایا۔ ہر بات میں آگ لگ جائے کا استعمال زیادہ
ہونے لگا بس ان تیوروں سے ہم تاڑ گئے کہ یہ سب کچھ ہمارے سفر پر نہیں بلکہ سفر
خرچ پر اظہار ناراضگی ہو رہا ہے اور چونکہ اس سے قبل بھی انھیں روپے پیسے کے
معاملوں میں آزمائے ہوئے ہیں اس لیے آہستہ سے کھانستے ہوئے اٹھے اور اپنے علم
پرور و معارف نواز کرم فرما حضرت رشدی سے کرایہ کو کہہ دیا۔"

ملا رموزی نے شاعری بھی کی ہے ان کی شاعری کے موضوعات میں نثری موضوعات جیسا
تنوع تو نہیں ہے مگر اس میں ہندستان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کے نقوش زیادہ گہرے اور تہذیبی
صورت حال زیادہ توجہ طلب ہے۔ ملا صاحب کی تعلیم و تربیت مشرقی تہذیب میں ہوئی تھی۔ یہ
تہذیب ان کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ایک دوراندیش اور تعلیم یافتہ انسان
بھی ہیں چنانچہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی تہذیب و ثقافت کو مغرب کی تہذیب و معاشرت نگلنے
کے درپے ہے تو انھیں سخت تکلیف ہوتی ہے وہ اس غیر ملکی تہذیب کو اپنے لیے ضرر رساں خیال
کرتے ہیں۔ انھیں ہم وطنوں پر بھی غصہ آتا ہے جو آنکھیں بند کر کے مغرب پرست ہوئے جاتے
ہیں اور اپنی تہذیبی اور معاشرتی اقدار و روایات کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ ملا رموزی نے طنز و مزاح کے
پردے میں ان احساس کمتری کے ماروں کی خوب خبر لی ہے اس معاملے میں وہ پوری طرح اکبرالہ
آبادی کے ہم خیال ہیں۔ اس قبیل کی نظموں میں "کوٹھیاں میرے نام کیجیے الاٹ" بدھو کی عید،
رگیدے جائیں گے سب کالے نفع خوار ابھی، نرخ حد سے سوا جزاک اللہ، بے پردگی کے کام ہیں
دشوار اب کہاں، خیال و بال، فتح مقامات وغیرہ جیسی نظموں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

''کوٹھیاں کیجیے میرے نام الاٹ'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ان اشعار سے عہد رموزی میں ہندستانی معیشت کی صورت حال واضح ہوتی ہے۔

میرے افسانے کا لکھے جو پلاٹ   یاد آئے گا اس کو خود اراراٹ
یاد کرتے ہیں گیہوں مکا کو   روز رو رو کے میری چکی کے پاٹ
بیر بھی اس طرح نہیں ملتے   جیسے ملتے تھے پہلے سیب و کاٹ
اب تو اللہ ہی درست کرے   اصلی گھی کا بگڑ چکا ہے جو ماٹ
بارہ آنے کے گھر میں کیا لکھوں   کوٹھیاں کیجیے میرے نام الاٹ

اس نظم سے اشیائے خورد و نوش کی قلت اور مہنگائی کی شدت پر روشنی پڑتی ہے۔ ''بدھو کی عید بھی'' اسی انداز کی ہے اس میں بھی عام آدمی گرانی سے گراں بار ہے شعر دیکھیے:

بدھو یہ کہہ رہا تھا کہ کل میٹھی عید ہے   بیوی یہ کہہ رہی تھی کہ گرانی شدید ہے
خرچے میں بیوی بچوں کے یہ خاص بات ہے   ان کا نہ کوئی کھاتہ نہ کوئی رسید ہے
فرمائشوں سے بیوی کی مقروض ہوگیا   رمضان بھر کا حاصل گفت و شنید ہے
کچھ شعر اس میں میرے ہیں کچھ میری بیوی کے   یہ فیض خاص مالک ''عصر جدید'' ہے

مغربی تہذیب جو مغربی تعلیم کے زیر سایہ ہندستان میں آہستہ آہستہ رواج پذیر ہو رہی تھی مشرقی تہذیب کے دلدادگان اس کی درآمد سے بہت متفکر رہا کرتے تھے ان میں جو شاعر و ادیب تھے اور جنھیں ہندستان کے اقدار و روایات اور مذہبی اخلاق کے زیاں کا شدید احساس تھا وہ اپنی فکرمندی کا اظہار قلم کے ذریعہ کرتے تھے اور بعضوں نے اس راہ میں طنز کی روش اپنائی اور طنز کو خوشگوار بنانے کے لیے اس کی تلخی کو مزاح کی شیرینی میں لپیٹ کر پیش کیا اردو میں منشی سجاد حسین کا اخبار ''اودھ پنچ'' اس نظریے کا سب سے بڑا نقیب تھا۔ اس کے پاس لکھنے والوں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا جن میں سب سے بڑا نام اکبرالٰہ آبادی کا ہے جو اردو شعرا میں طنز و مزاح نگاروں کے سرخیل ہیں ملا رموزی بھی چونکہ انھیں کے ہم خیال تھے اس لیے انھوں نے اکبری روش اختیار کی ان کی ایک نظم ''بے پردگی کے کام ہیں دشوار اب کہاں'' اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ نظم یہ ہے:

بے پردگی کے کام ہیں دشوار اب کہاں   یورپ کی پی ہے جب تو ہیں ہشیار اب کہاں

تو بہ کے بعد پھر نہ کبھی توڑتے تھے عہد　　بی اے کے عہد میں وہ گنہگار اب کہاں
سائنس سے قریب ہوئے اور خدا سے دور　　ہم اس کی نعمتوں کے سزاوار اب کہاں
جب عشق بی اے پاس ہے اور حسن بی بی پاس　　اک دوسرے کا کوئی وفادار اب کہاں
شعر زوال و شعر گدائی گلی گلی　　اقبال کے جلال کے اشعار اب کہاں

ایک اور نظم ''فلک کے پاس پہنچ کر بھی خدا سے ہے دور'' کے چند شعر اور ملاحظہ کیجیے:

ملا تو ہے تجھے سائنس میں غضب کا شعور　　فلک کے پاس پہنچ کر مگر خدا سے ہے دور
بنا چکا ہے تو راکٹ چڑھے گا چاند پہ تو　　یہ حق ہے تجھے چاہے کرے تو جتنا غرور
کمال سب سہی لیکن سکون قلب بتا　　قدم قدم پہ حوادث اور ان پہ فسق و فجور
سمجھ سکے تو بتاؤں کہ مادے سے تجھے　　ملی تو عقل مگر مل سکا نہ عقل کا نور
یہ نور دیتے ہیں اس کو جو خود کو بندہ کہے　　اسی کے حق میں حقائق کا علم اور ظہور
بلند تر ہے مقام خیال و فکر اس کا　　یہ ہے وہ دل سے جو کہتا ہے ہاں خدا ہے ضرور
جو کہہ رہا ہے رموزی بہ طرز شعر و سخن　　ہے اس میں اصل میں پوشیدہ قلب و جاں کا سرور

نظم ''خیال ویال'' بھی خوب ہے۔ ردیف میں جھنجھلاہٹ پیدا کی گئی ہے۔ کہتے ہیں:

کہاں کا شعر کہاں کا حسیں خیال ویال　　کہاں جدائی کا محبوب کی ملال ولال
مجھے تو گیہوں کا غم کھائے جا رہا ہے ابھی　　کہاں کا غمزۂ جانا نہ اور جمال ومال
جوار اور وجی ٹیبل کے گھی کے کھانے سے　　سسک رہا ہے مرے شعر کا کمال ومال
اب اس پہ ٹیکس کی کثرت قوی غذاؤں کا قحط　　وہ جائے بھاڑ میں اب ہر حسیں مقال وقال
اب ایسے حال میں جینے کی اک ہی حکمت ہے　　رہوں نہ میں کبھی اک لحہ کو نڈھال وڈھال

ملّا صاحب کی شاعری کا دوسرا اہم موضوع وطن دوستی ہے انھیں اپنے وطن ہندستان سے محبت ہے۔ ان کا شمار متحدہ قومیت کے حامیوں میں ہوتا ہے۔ جس کے علمبرداروں میں گاندھی جی، پنڈت جواہر لعل نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہ جیسے اولوالعزم قائدین شامل تھے۔ اسی لیے ملّا صاحب ہمیشہ ہجرت کے خلاف رہے۔ انھوں نے یہ کبھی نہ چاہا کہ مسلمان اپنے وطن کو خیر باد کہیں۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ

مسلمانوں کو ہر حال میں یہیں رہنا چاہیے خواہ انھیں کتنی بھی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ شاید ان کی آنکھیں بھی وہی سب کچھ دیکھ رہی تھیں جس کی پیشن گوئی مولانا ابوالکلام آزاد نے کی تھی اور بعد کے حالات نے جسے صد فیصد درست ثابت کر دیا۔ ایک نظم ملاحظہ کیجیے جس میں ملا رموزی نے بغیر کسی شاعرانہ تکلف کے راست بیانی کا انداز اختیار کیا ہے۔ عنوان ہے:

''للہ بھاگئے نہیں ہندستان سے''

للہ بھاگئے نہیں ہندستان سے ۔۔۔ مارے بھی جائیں آپ اگر اپنی جان سے

ڈٹ ڈٹ کے رہیے آپ اب آن بان سے ۔۔۔ ہندو کا ہند ہے تو ہے مسلم کا بھی یہ ہند

اک لاکھ میل دور ہے مسلم کی شان سے ۔۔۔ جغرافیہ میں میں نے پڑھا ہے کہ بھاگنا

جاتے رہیں ہمارے بھی وہم و گمان سے ۔۔۔ اتنا نہ بھاگتے ہی چلے جایئے کہ آپ

مر جائیں گے نہ جائیں گے ہندستان سے ۔۔۔ ملا رموزیوں نے کہا ڈٹ کے آج شب

مسلسل غزل کی ہیئت میں یہ نو اشعار کی نظم ہے جس میں سے پانچ شعر بطور مثال اوپر نقل کیے گئے ہیں باقی اشعار بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

اسی قبیل کی ایک اور نظم جس میں اور زیادہ سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے قوم کو غیرت دلانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں لعن طعن سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔ ہیئت وہی غزل کی ہے عنوان ہے ''بھگوڑے'' جو غیرت دار انسان کے لیے سخت ترین حربے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ نظم کے ہر شعر میں طنز کے کوڑے برستے رہتے ہیں۔ یہ نظم ہمیں احساس دلاتی ہے کہ ملا رموزی تقسیم ملک اور ملک سے ہجرت کرنے والوں کے کس قدر خلاف تھے۔ نظم ملاحظہ ہو:

اب کون ہے جو بھاگنے کی راہ سے موڑے ۔۔۔ بے عقل ہر اک ملک میں ہوتے ہیں بھگوڑے

خطرات کی دہشت کے پڑا کرتے ہیں کوڑے ۔۔۔ اعصاب کی کمزوری سے ان سب کے دلوں پر

پھرتے ہی رہا کرتے ہیں یہ دیس کو چھوڑے ۔۔۔ ان کے لیے ہے خانہ بدوشی ہی مقدر

ہر بستی کے حق میں ہیں یہ بیماری کے پھوڑے ۔۔۔ خود ڈرتے ہیں اور دل کو ڈرانے میں ہیں استاد

جس طرح بدک جائیں سڑک پر کبھی گھوڑے ۔۔۔ اس طرح کی وحشت سے دھڑکتے ہیں یہ اکثر

جس سمت ملی گرم ادھر ہی کو یہ دوڑے ۔۔۔ یہ روٹی کے بندے ہیں یہ عادت ہے انھیں کی

آتا نہیں ان کو کہ یہ اس طرح رہیں اب   ملتے رہیں گھر بیٹھے انھیں پوری پکوڑے

رہ جائیں وطن ہی میں رموزی جو فلک سے

پڑ جائیں ذرا وزنی سے دوچار ہتھوڑے

اس غزل نما نظم میں مشکل قوافی کو بڑی خوبی اور برجستگی سے نبھایا گیا ہے مگر تلخی بھی کم نہیں ہے۔ ملا رموزی کی نثر میں بلیغ طنز اور لطیف ظرافت کے امتزاج سے ضیافتِ طبع کے لیے اصلاحِ نفس کا جو سامان کیا گیا ہے وہ ان کی شاعری میں نظر نہیں آتا اور اپنی شاعری میں وہ خود بھی اس کے دعوے دار نہیں۔ ان کی نثر اور شاعری میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ نثر خصوصاً گلابی اردو کی نثر سے لطف اندوز ہونے کے لیے علم وادب کا گہرا مطالعہ اور اعلیٰ ادبی ذوق درکار ہے۔ اس کے برعکس ان کی شاعری ہر مذاق کا آدمی سمجھ سکتا ہے اس کے لیے علم وادب سے واقفیت بھی شرط نہیں۔ فنی اعتبار سے بھی ان نظموں کو اعلیٰ معیاری نظموں میں شمار نہیں کیا جاسکتا مگر شاعر کا جذبہ صادق ہے اس لیے کوئی بھی شخص اس کے پیغام کے مقصد اور مقصد کے خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

اس انداز کی نظموں میں ''اللہ بھاگئے نہیں ہندستان سے''، ''دہلی سے کیوں فرار ہو دہلی کے دوستو''، ''جس شرط پر رکھے تجھے ہندستان رہ''، ''مرد اور وطن''، ''مسلمان کو کس نے مارا'' اور ''بھگوڑے''، جیسی نظمیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ملا رموزی نے اصلاحی مقاصد کے تحت جو طنزیہ اور مزاحیہ نظمیں کہی ہیں ان کا انداز بالکل مختلف ہے ان کے علاوہ کچھ ایسی نظمیں بھی ہیں جن میں بھرپور شاعری ہے فکری اور فنی اوصاف سے معمور ان نظموں میں خیال کی نزاکت، فکر کی بلندی اور فن کی نزاکت بھی دیدنی ہے ''ماہ گل افروز'' ایسی ہی ایک خوبصورت برجستہ اور رواں دواں نظم ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

میں صبح کے تارے کے تبسم میں ہوں بیدار   تو ریشمی بستر پہ نہ بیدار نہ ہشیار

میں مطلع برجیس ہوں تو ماہ دو ہفتہ   اس پر ہیں ترے حال میں افسردہ کے آثار

اک میں ہوں کہ طوفان کے منہ پھیر رہا ہوں   اک تو ہے کہ گھر تک سے نکلنے سے ہے بیزار

اس ماہِ گل افروز میں آ دیکھ مرے ساتھ   جنت کی جوانی کا تماشا سرِ کوہسار

آ دیکھ مری دیکھنے کی آنکھ سے ظالم   بارش سے بہاروں پہ جو پرجوش ہیں گلزار

بھیگی ہوئی شاخوں کے تموج سے ہے پیدا — دلہن سی لجائی ہوئی اک شوکت رفتار
پھولوں سے ڈھلکتی ہوئی بوندوں میں ہے ابتک — وہ تیرے پسینے میں تیری طلعتِ رخسار
چٹکی ہوئی کلیوں میں وہ اک موج تبسم — جو پہلی نظر میں تری شرمائی تھی اک بار
جس طرح تری زلفیں ہیں بکھری ہوئی ظالم — ان کالی گھٹاؤں میں انھیں کا تو ہے کردار
ابھرے ہوئے غنچوں کے تکبر سے ہے ظاہر — وہ تن کے ترے چلنے کے اور باتوں کے اطوار
ویسی ہی چٹانوں پہ پھسلنے کی ہے ترکیب — اٹھلانے میں جیسے تھی تری لغزش رفتار
وہ چور سا احساس بھی غنچوں میں ہے بیتاب — جو تیرے خیالات میں رہتا ہے نگوں سار
کچھ اور میں کہنے کو تھا تجھ سے زرہِ شوق — یعنی میں وفادار ہوں یا تو ہے وفادار
وہ بات مگر کان میں اک غنچہ نے کہہ دی — قربان مری نظم مری ثروت افکار

اس خوبصورت نظم میں ملا رموزی نے موسم بہار کے حوالے سے حسن محبوب کی محبوبیت کا اس خوبی سے تعارف کرایا ہے کہ ہر تصویر متحرک اور ہر پیکر گفتگو کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات میں تازہ کاری ہے۔ ملا صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ نثر ہو یا نظم، طنز ہو یا مزاح یا سنجیدہ انداز گفتگو انسانی نفسیات ہو یا فطرت نگاری ہر قسم کے موضوعات قلم بند کرنے کے لیے نئے مضامین باندھنے اور ہر اسلوب میں دادِ سخن دینے پر قادر ہیں۔ یہ وہ جوہر ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ البتہ اپنی محنت اور ریاضت سے قلم کی شمشیر کو صیقل کیا جا سکتا ہے چنانچہ ملا رموزی نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو ضائع نہیں ہونے دیا بلکہ حصول علم و آگہی سے ان پر جلا کرتے رہے اور یہی ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔

ملا رموزی کا زیر نظر کلیات جو تین ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کرنے اور ان کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرنے کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کلیات میں پانچ جلدیں ہیں جلد اول میں 934 صفحات ہیں اس میں ''گلابی اردو'' کے (مطبوعہ اور غیر مطبوعہ) مضامین نیز عورت ذات کے عنوان سے شائع ہونے والی تمام تحریریں شامل ہیں۔ جلد دوم میں نکاتِ ملا رموزی حصہ اول و دوم، شادی، خواتینِ انگورہ اور زندگی کے عنوانات پر مشتمل 788 صفحات ہیں۔ جلد سوم کی ضخامت 748 صفحات ہے اس میں صبح لطافت، لاٹھی اور بھینس،

شفاخانہ، مضامین رموزی، شرح کلام اکبرالہ آبادی، مشاہیر بھوپال جیسے موضوعات اور خطوط رموزی جمع کیے گئے ہیں۔ جلد چہارم حقائق ولطافت، نوادر ولطائف، رموز ولطائف، رمز ولطیفہ اور مختلف کالموں کو محیط ہے۔ اس جلد کے کل صفحے 914 ہیں اور یہ سب سے ضخیم کتاب ہے۔ پانچویں اور آخری جلد 466 صفحات کے ساتھ گلابی شاعری، مجموعہ کلام، نظریات غزل، اخباری شاعری اور جنگ جیسی شعری اور نثری تحریروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ان سب مضامین کے علاوہ ہر جلد میں مقدمہ بھی شامل ہے۔

ملا رموزی نے بہت زیادہ لکھا ہے۔ ان کی تمام تحریروں کو جمع کرنے کا دعوا نہیں کیا جاسکتا البتہ اس کلیات میں ان کی وہ تمام تخلیقات، جن تک رسائی ممکن ہوسکی یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمیں اپنی نارسائی کا احساس ہے اور اس پر افسوس بھی ہے کہ ان کی کچھ مطبوعات کے صرف نام ملتے ہیں مگر کتابیں کہیں نظر نہیں آتیں۔ زیر نظر کلیات میں شامل تمام کتابیں ملا رموزی کے فرزند ارجمند جناب رفعت اقبال کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی ہیں۔ موصوف نے اپنے والد محترم کی اس بیش قیمت وراثت کو سینہ سے لگا کر رکھا اور اس کی دیکھ ریکھ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انھیں کی بدولت ادب کا یہ سرمایہ باقی رہا اور انھیں کے تعاون سے کلیات کی زینت بنا۔ میں ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کا احسان مند اور اس کلیات کے مرتب کے طور پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسی شکریے کے مستحق میرے عزیز دوست پروفیسر محمد نعمان خاں بھی ہیں، سچ پوچھیے تو برادرم محمد نعمان خاں نہیں ہوتے تو میں یہ کلیات مرتب نہیں کرسکتا تھا اور شاید کرتا بھی نہیں۔ کلیات سے متعلق سارا مواد فراہم کرنے کی ذمہ داری انھوں نے خود اپنے سر لے لی تھی۔ ان کے تعاون خاص کی وجہ سے یہ کام میرے لیے آسان تر ہوگیا۔ رسمی طور پر شکریہ ادا کرنے سے اگر چہ حق معاونت ادا نہیں ہوسکتا مگر اخلاقیات کے بھی اپنے حقوق اور تقاضے ہوتے ہیں اس لیے میں دل کی گہرائیوں سے ان کا شکر گزار ہوں۔ آخر میں مگر دراصل سب سے پہلے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کا شکریہ واجب آتا ہے کہ اگر اس نے اس کتاب کو چھاپنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو نہ رموزی صاحب کے فرزند ارجمند کی کوشش بارآور ہوتی اور نہ کسی کا دست تعاون کام آتا۔ میں کونسل کی اشاعتی کمیٹی کے اراکین، اس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ اکرام صاحب اور وائس چیرمین

جناب وسیم بریلوی صاحب سب کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہارون صاحب جو اس کتاب کے کمپوزر ہیں انتہائی مخلص اور بے نیاز قسم کے انسان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے کام میں منتہی بھی ہیں، انھوں نے بڑی محنت اور محبت سے اس کتاب کی کمپوزنگ کی ہے میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ ملا رموزی جیسے کثیر الجہات اور کثیر التصانیف بلند پایہ ادیب کا یہ کلیات بہت پہلے شائع ہونا چاہیے تھا مگر وقت نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ان پر اتنا کام بھی نہیں ہوا جتنا چھوٹے موٹے قلم کاروں پر ہو جاتا ہے جبکہ ان کے عہد کے بلند پایہ ادیبوں نے ان کی ادبی خدمات کا کھل کر اعتراف کیا تھا۔ کسی شخص کی عظمت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ ایک بالکل نئے طرز کا موجد بن جائے اور وہ بھی ایسے طرز کا جس کی نقل بھی آسان نہ ہو مگر اب لوگ انھیں تقریباً فراموش کر چکے ہیں خود ان کے وطن میں بھی مدھیہ پردیش اردو اکادمی کی عمارت ''ملا رموزی بھون'' کی وجہ سے ہی لوگ ان کے نام سے واقف ہیں مگر کارناموں سے شاید وہ بھی واقف نہ ہوں۔ امید ہے کہ ان حالات میں اس کلیات کی اشاعت نیک فال ثابت ہوگی۔

خالد محمود

گلابی شاعری

از

مُلّا رموزی

فہرست

- کہنے کی بات .... ناشر 7
- ملا رموزی (سوانح) .... مرتبین 9
- مُلا رموزی........................ سید محمد یوسف قیصر 11
- نعت مقدس........................ 12
- للہ بھاگے نہیں ہندستان سے........................ 13
- دہلی سے کیوں فرار ہو دہلی کے دوستو 14
- جس شرط پر رکھے تجھے ہندستان رہ........................ 15
- چرچل کے طعنے ملک کو سنوایئے نہیں 16
- بھگوڑے........................ 17
- مرد اور وطن 18
- مسلمان کو کس نے مارا........................ 19
- کوٹھیاں کیجیے میرے نام الاٹ 20
- تارا سنگھے ہیں تو کچھ ستارے غفارے بھی ہیں 21

- روزی کے لیے تیرے پریشاں ہیں خیالات ... 22
- بدھو کی عید ... 24
- آج کس درجہ خوار ہے بمبئی ... 25
- اس زمانے کا یار کیا کہنا ... 26
- مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات ... 27
- پنجاب کے ہندو اخبارو ... 28
- سرداشتالین گراڈ ... 29
- لندن کی لڑکیاں اور جنگ ... 30
- قرار پا گئی مجرم بس اب حکومتِ چین ... 31
- رگیدے جائیں گے سب کالے نفع خوار ابھی ... 32
- نہ ترکاری نہ ترکارا ... 33
- بے پردگی کے کام ہیں دشوار اب کہاں ... 34
- کیف باراں ... 35
- شاعر بازار ... 36
- ایک پینشنر بزرگ ... 37
- اردو کی غزل ... 38
- ماڈرن غزل ... 40
- ماڈرن غزل ... 41
- ماڈرن غزل ... 42
- بیوی کی مجسٹریٹی ... 43
- بیوی برطانوی سرکار ... 44
- اے ٹی کیٹ ... 45
- گویا کہ کوتوالی سرکاری خانقہ ہے ... 46

- بڑبڑاتے رہے یہ سانول داس 47
- فلک کے پاس پہنچ کر بھی تو خدا سے ہے دور 48
- خیال دیال 49
- بے عمل لڑکیاں 50
- ہزار شکر کہ جنرل میک آرتھر نہ ہوا 51
- ہے سیٹھ جی سے بہت کچھ مری علیک سلیک 52
- کہیں سے کہیں 53
- لاحول ولاقوۃ 54
- نصیب عمدہ دے اولاد سب اناڑی دے 55
- قوالیاں 56
- اب تو ظالم کھجور میں نہ اٹک 57
- انگارے 58
- بھاگیے اور بزدلی ہی کی ادا سے بھاگیے 59
- ہٹلر نثار 60
- چانڈ دنوش اور جنگ جرمنی 61
- مصور 62
- پتلون جس کی پہنی وہ انگریز اب کہاں 63
- فتح مقامات 65
- جشن آزادی پر 66
- ہیں مرشد فطرت کی کرامات ابھی اور 67
- غضب کی آج پریشان یورپی اقوام 68
- ماہ گل افروز 70

کہنے کی بات

گزشتہ ماہ جاوید پبلی کیشنز نے ''نگار'' کا مشاعرہ ''جشن یک شب'' کی صورت میں شائع کیا تھا، اس پیش کش کو عوام نے ہاتھوں ہاتھ لے کر ہمارے عزائم اور بھی بلند کر دیے۔ اگر چہ سابقہ اعلان کے مطابق ہمیں حضرات عمیق حنفی اور محمد علی تاج کے مجموعے لانا چاہیے تھا، لیکن کچھ ناگزیر مجبوریوں کے باعث پروگرام بدلنا پڑا۔ بہرحال اس سلسلہ میں کافی تیاری کر لی گئی ہے۔

جاوید پبلی کیشنز کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ اچھے ادب کو کم داموں میں عوام تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ ہم اپنے اس مقصد میں اس لیے بھی کامیاب ہوئے ہیں کہ ہم نے ادبی کتابوں میں معقول قسم کے اشتہارات شامل کرنے کی کامیاب کوشش کی اور اسے آئندہ بھی جاری رکھ کر عام طور پر مقبول بنانے کا یقین رکھتے ہیں۔ اس یقین کی بنیاد پر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہم مستقبل میں کم قیمت پر زیادہ ضخیم کتابوں کی صورت میں معیاری ادب عوام تک پہنچا سکیں گے۔

جاوید پبلی کیشنز کا عزم ہے کہ نشر و اشاعت کے اس سلسلہ کو ایک ماہنامے کی طرح جاری رکھا جائے۔ فی الحال ہمارے پاس نظموں، افسانوں، تنقیدی مضامین اور ڈراموں کے چھ سات مسودے موجود ہیں۔ ابتدائی تیاریاں مکمل ہونے کے بعد ان کی اشاعت کا باقاعدہ اعلان کیا جاتا رہے گا۔

''گلابی شاعری'' حضرت مُلّا رموزی مرحوم کی ذات گرامی سے کوئی ادب دوست ناواقف نہیں۔ پھر بھی ادب میں آپ کا مقام ایک مزاح نگار کے علاوہ ''گلابی اردو'' کے موجد کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بحیثیت شاعر انھیں کوئی جانتا ہی نہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ مُلّا صاحب نے نظمیں کہیں تو بہت مگر انھیں کتابی شکل میں پیش کرنے کی طرف شاید کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ہم مُلّا صاحب کی سیکڑوں نظموں میں سے چند ''گلابی شاعری'' کے عنوان سے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتے ہیں۔

ناشر

15 نومبر 1957

مُلّا رموزی

پیدائش:21 مئی 1896 — وفات:10 جنوری 1952

مُلّا رموزی، بھوپال کے معزز اور ذی علم افغان گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کی مادری زبان پشتو تھی۔آپ کے والد کا نام شاہ صالح محمد تھا۔ملا صاحب کو ابتدا میں مذہبی تعلیم دلائی گئی۔سب سے پہلے آپ نے قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی،اس کے بعد کانپور کی مشہور علمی درسگاہ دارالعلوم الٰہیہ سے فاضل الٰہیات کی اعزازی ڈگری حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا حسرت موہانی،مولانا عبدالحلیم صدیقی،علامہ آزاد سبحانی اور علامہ محوی صدیقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔مولانا حسرت موہانی سے آپ نے سیاسیات کے بارے میں روشنی حاصل کی۔مولانا عبدالحلیم صدیقی اور علامہ آزاد سے مذہبی تعلیم پائی اور علامہ محوی سے شعر و سخن کے سلسلہ میں مشورہ کرتے رہے۔

مُلّا صاحب نے نثر لکھنے سے ابتدا کی اور آپ کی مشہور زمانہ کتاب ''گلابی اردو'' 1921 میں شائع ہوئی۔اس کتاب کی مقبولیت سے آپ خود بھی اس درجہ متاثر ہوئے کہ تادمِ حیات گلابی اردو کے طرزِ نگارش کو اپنائے رہے۔1932 سے شاعری کو بھی اپنے مخصوص طنز و مزاح کا موضوع بنالیا۔آپ کی زندگی ہی میں 15 کتابیں شائع ہو کر کتب خانوں میں بھی ختم ہو چکی ہیں اور کئی غیر مطبوعہ کتابوں کے مسودات آپ کے صاحبزادے شوکت رموزی کے پاس محفوظ ہیں جو سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اشاعت پذیر نہ ہو سکے۔

مطبوعہ: عورت ذات (حصہ اول)، لاٹھی اور بھینس، شفا خانہ، آفتابِ مشرق، خواتین انگورہ، نکاتِ رموزی (دو حصے)، سوانح ملا رموزی، دیوانِ ملا رموزی، زندگی، صبحِ لطافت، شادی، خطوطِ رموزی، مضامینِ رموزی، گلابی اردو، گلابی اردو (انتخاب)

غیر مطبوعہ: عورت ذات (حصہ دوم) عورت کی اصلیت، لطائف وظرائف، نظموں کا مجموعہ، نظریاتِ غزل، نفسیاتِ عشق، اسرارِ حقائق، شرح اکبرالہ آبادی، غازی اعظم وغیرہ۔ ''لاٹھی اور بھینس'' کا دوسرا ایڈیشن بھوپال پبلی کیشنز کی جانب سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

مرتبین

◆◆◆

مُلّا رموزی

(سید محمد یوسف قیصر)

کیوں نہ ہوں غمگین ومحزوں خوش نوایانِ چمن　　اب نہیں اس باغ میں وہ عندلیب نغمہ زن

نغمۂ رنگیں سے جس کے یہ چمن معمور تھا　　جس کے نغمے بن گئے تھے تازگی بخشِ چمن

وہ ادیب خوش بیاں مُلّا رموزی جو کہ تھے

بیگماں، روحِ روانِ محفل اربابِ فن

کس قدر ذوقِ ادب ان کا تھا رفعت آشنا　　دلکش و دلچسپ تھی رنگینیٔ شعرو سخن

تھے حقیقت میں وہی شانِ ادب، جانِ ادب　　جن کے دم سے بن گئی تھی آسماں خاکِ وطن

جن کے رموزات کی شیریں کلامی دیکھ کر　　نام کو باقی نہیں تھی تلخیٔ کام و دہن

پھر مقالاتِ رموزی ہوں حدیثِ شوقِ دل　　چھیڑ دے کوئی وہی دلچسپ موضوعِ سخن

مضطرب دل ہے نکاہاتِ رموزی کے لیے　　جو کہ ہے اپنی مسرت پر ہمیشہ نوحہ زن

منتظر ہے اک ذرا سی مسکراہٹ کے لیے　　دل کہ جو ہر وقت ہے معمورۂ رنج ومحن

قلب پر جس کے نہ ہونے سے اداسی چھاگئی　　اک کمی محسوس تو کرنے لگے اربابِ فن

دیکھ سکتی ہی نہیں مُلّا کو یہ آنکھیں کبھی　　سن نہیں سکتے زباں سے ان کے کچھ شعرو سخن

رہ گئے بن کر زمانہ میں وہ زیبِ داستاں　　جس کو دہراتے رہیں گے شوق سے اہلِ وطن

گو کہ ہیں غمگیں، مگر لب پر دعائے خیر ہے

رکھے ان کی روح کو مسرور ربِّ ذوالمنن

نعتِ مقدس

تشریف ولادت صلِ علیٰ اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
اک سورۂ روشن سب کو دیا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
یثرب سی زمیں کی سختی میں اس درجہ لطافت پیدا کی
گلشن بھی بنا غنچہ بھی کھلا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
انسان عرب کی فطرت میں فولاد کے اجزاء غالب تر
اک لوچ کیا ان میں پیدا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
اک جہل تھا اک خونریزی تھی اس خطہ میں اور کچھ بھی تو نہ تھا
پیدا کی یہاں حکمت کی فضا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
معبود تھے ان کے بے گنتی منوا کے رہے ان سے بھی مگر
یعنی یہ کہیں ہے ایک خدا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
اظہارِ عبادت پر ڈٹ کر لوگوں نے کی جب اک جنگ بپا
اس پر ہوئے خود صف آرا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
خود زخمی ہوئی لیکن نہ ہٹے اعلانِ خدا کرتے ہی رہے
ہر مورچہ آخر فتح کیا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
دی جان کی بازی جیت لی جب تشکیلِ حکومت کی پھر خود
قانون بنا قانونِ خدا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
مسلم سے کہا خوددار رہے، آفات میں پرسطوت بھی رہے
ملک رکھے اپنا استغنا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
جمہوریۂ اسلام کے تھے خود صدر مگر اس طرح رہے
کچھ پاس نہ تھا جز صبر و غنا اے صاحبِ کوثر صلِ علیٰ
توفیق خدا احسان کرے اک صحتِ فکر دیں ہو عطا
یہ ہو تو رموزی کچھ ہو ادا اسلام کا مجھ سے حقِ وفا

للّٰلہ بھاگیے نہیں ہندستان سے

للہ بھاگیے نہیں ہندستان سے
مارے بھی جائیں آپ اگر اس میں جان سے
ہندو کا ہند ہے تو مسلم کا بھی یہ ہند
ڈٹ ڈٹ کے رہیے آپ بھی اب آن بان سے
جغرافیہ میں، میں نے پڑھا ہے کہ بھاگنا
اک لاکھ میل دور ہے مسلم کی شان سے
بے بس کو اور غریب کو لاٹھی کے زور سے
وہ مرد ہی نہیں جو نکالے مکان سے
تھیز مجھے شہر نہیں جس میں رات دن
بوڑھے کو خوف ہو اگر اپنے جوان سے
میری مؤدبانہ گزارش ہے اے حضور
یہ ریڈیو ہٹایئے ہر اک دُکان سے
یہ ریڈیو ہی مورچے ہیں بحث و جنگ کے
سنیے تو ان کی بحث کو اک دن دھیان سے
اتنا نہ بھاگتے ہی چلے جایئے کہ آپ
جاتے رہیں ہمارے بھی وہم و گمان سے
مُلّا رموزیوں نے کہا ڈٹ کے آج شب
مر جائیں گے نہ جائیں گے ہندستان سے

دہلی سے کیوں فرار ہو دہلی کے دوستو؟

تم آج بے قرار ہو دہلی کے دوستو
بے شبہ دل فگار ہو دہلی کے دوستو
اس طرح کے ہوئے جو حوادث کہ آجکل
برباد روزگار ہو دہلی کے دوستو
یہ حادثے تو دہلی کی تاریخ میں گئے
پھر کیوں گلہ گزار ہو دہلی کے دوستو
تاریخ سے زیادہ کوئی منتقم نہیں
کیوں پھر بھی اشکبار ہو دہلی کے دوستو
آؤ اب ایک ہمتِ مردانہ ہی کریں
کچھ بھی جو ہوشیار ہو دہلی کے دوستو
دہلی کو پھر سنواریں ازراہِ وفائے خاص
اس حد تلک نثار ہو دہلی کے دوستو
مظلوم ہو کے بھی رہو تم تمکنت کے ساتھ
کچھ بھی جو باوقار ہو دہلی کے دوستو
اوروں کے ساتھ اپنے خدا سے بھی یہ کہو
قدرت بھی سازگار ہو دہلی کے دوستو
لندن گئے تھے مسجد و مندر کو چھوڑ کر
لندن ہی کا شکار ہو دہلی کے دوستو
جب مرغا مرغی بیچ کے خود آرہا ہوں میں
دہلی سے کیوں فرار ہو دہلی کے دوستو

جس شرط پر رکھے تجھے ہندستان رَہ

جس شرط پر رکھے تجھے ہندستان رَہ
اتنا بھی تو نہ طالبِ امن و امان رَہ
جو بھاگ جائے ملک سے عزت ہے اس کی کیا
کچھ عقل ہو تو صاحبِ توقیر و شان رَہ
واپس ہو اپنے ہند میں اور کاروبار کر
اتنا نہ رشتہ داروں میں اب مہمان رَہ
اپنی مصیبتوں کے لیے بھائی سے نہ کہہ
امیدوارِ رحمتِ آستان رَہ
گاندھی کے اور نہرو کے کہنے پہ کر یقین
یہ حکم دیں تو موردِ صد امتحان رَہ
تقریریں چھوڑ دے تو شکایات کی ذرا
کچھ دن تو میرے کہنے سے بے زبان رَہ
تو ابوالکلام اور مدنی کی بھی بات سُن
نہرو کے اور اُن کے بھی اب درمیان رَہ
تیرے محلے میں ہیں ضعیف اور غیر جو
خود کا نہیں تو ان کا مگر پاسبان رَہ
اخلاق اور صفات کو اونچا تو کر ذرا
کچھ دیر ہی خلاصۂ کون و مکان رَہ

کم علم بھائیوں کو سنا دیجیے یہ پیام
ہمت کا وقت اور شجاعت کا ہے مقام

چرچل کے طعنے ملک کو سنوایئے نہیں

مہمان بن کے گھر پہ مرے آیئے نہیں
تشریف بے بلائے ہوئے لایئے نہیں
بستر کے ساتھ ساتھ سفر میں برادرم
تیتر کا پنجرہ لے کے کہیں جایئے نہیں
گیہوں کی مار ہی سے تڑپتا رہا ہے جو
رو رو کے اس غریب کو تڑپایئے نہیں
اخبار اور ریڈیو سے جو بھی کچھ سنیں
تنقید ان کی خبروں پہ فرمایئے نہیں
اشعار قومی یاد ہوں گو لاکھ آپ کو
تن تن کے ان کو سڑکوں پہ اب گایئے نہیں
غیرت ہے تم میں کچھ بھی تو بلوائی بھائیوں
چرچل کے طعنے ملک کو سنوایئے نہیں
کچھ تو ٹھہریے گھر میں وطن دوست ہو کے آپ
یہ اول فول ہو کے کہیں جایئے نہیں
ہے بھاگنا تو بھاگیے قطبین تک ضرور
لیکن خدا کے واسطے گھبرایئے نہیں
تاریخ سرپھروں سے ہوئی غرق شرم آج
اب اس سے زیادہ قوم کو شرمایئے نہیں

بھگوڑے

بے عقل ہر اک ملک میں ہوتے ہیں بھگوڑے
اب کون ہے جو بھاگنے کی راہ سے موڑے
اعصاب کی کمزوری سے ان سب کے دلوں پر
خطرات کی وحشت کے پڑا کرتے ہیں کوڑے
ان کے لیے ہے خانہ بدوشی ہی مقدر
پھرتے ہی رہا کرتے ہیں یہ دیس کو چھوڑے
خود ڈرتے ہیں اوروں کو ڈرانے میں ہیں استاد
ہر بستی کے ہیں حق میں یہ بیماری کے پھوڑے
اس طرح کی وحشت سے دھڑکتے ہیں یہ اکثر
جس طرح بدک جائیں سڑک پر کبھی گھوڑے
ہمت کے ہر اک کام سے دل ٹوٹ گیا ہے
بکری کے سے اس دل کو خدا ہی ہے جو جوڑے
یہ روٹی کے بندے ہیں یہ عادت ہے انھی کی
جس سمت ملی گرم ادھر ہی کو یہ دوڑے
آتا نہیں ان کو کہ یہ اس طرح رہیں اب
ملتے رہیں گھر بیٹھے انھیں پوری پکوڑے
رہ جائیں وطن ہی میں رموزی جو فلک سے
پڑ جائیں ذرا وزنی سے دوچار ہتھوڑے

مرداوروطن

وہی ہے مرد جو مشکل میں بھی وطن میں رہے
جلالِ صبر نگاہوں کے بانکپن میں رہے
وہی ہے شمع شب افروز جو بہ حسنِ ثبات
مزار پر نہیں، روشن اک انجمن میں رہے
خدا کو سونپ دے جانِ عزیز از راہِ شوق
بلا سے وہم ترا دار اور رسن میں رہے
بقا خدا کے لیے ہے فنا ہے تیرے لیے
فنا سے پہلے مگر کچھ تو جان وتن میں رہے
وہ کچھ نہیں ہے مگر اک وفائے عشقِ وطن
خدا کرے تو صفِ عشقِ کوہکن میں رہے
نہ بچ سکے گا مقدر سے بھاگ جا تو کہیں
تو گو حفاظتِ تسخیرِ پنج تن میں رہے
پسند کر کے بتا مجھ کو یہ کہ آج سے تو
چمک میں برق کی یا بوئے یاسمن میں رہے
تو ہر طرح سے رہے مطمئن اگر تو بھی!
حدودِ مرحمتِ اُسوۂ حسن میں رہے
رموزی یہ تیرے شایانِ شان ہی تو نہیں
کہ تو گھرا ہوا افواہِ اہرمن میں رہے

مسلمان کو کس نے مارا؟

پہلے تو تجھے عشرتِ پرویز نے مارا
ہندو نے نہیں پھر تجھے انگریز نے مارا

لندن ترا کعبہ تھا اگر یاد رہا ہو
اس کعبہ کے الحادِ اثر خیز نے مارا

تربیتِ اخلاق جو لندن کی ملی تھی
لندن ہی کے اک غمزۂ خونریز نے مارا

انگریز کی عاداتِ تمدن پہ تھا عاشق
اسلاف کی عادات سے پرہیز نے مارا

ہر فرقہ کی اک انجمنِ خاص بنادی
انگریز کے اس تنظیمِ شر انگیز نے مارا

ہر فرقہ کو حقدارِ حکومت بھی بنایا
انگریز کے اس لطفِ دل آویز نے مارا

ہر گھر میں اکھاڑے کے عوض پارک بنایا
لے دیکھ اسی خانۂ گلریز نے مارا

انگریز کسی کا نہ ہوا اور تھا سب کا
اِس مرحمتِ مصلحت آمیز نے مارا

ہر لڑکا مدبر ہے ہر لڑکا ایڈیٹر
اس نسل کو اس فطرتِ نوخیز نے مارا

کوٹھیاں کیجیے میرے نام الاٹ

میرے افسانے کا لکھے جو پلاٹ
یاد آئے گا اُس کو خود اراراٹ
یاد کرتے ہیں گیہوں مکّا کو
روز رو رو کے مری چکّی کے پاٹ
بیر بھی اس طرح نہیں ملتے
جیسے ملتے تھے پہلے سیب و لوکاٹ
اب تو اللہ ہی درست کرے
اصلی گھی کا بگڑ چکا ہے جو ماٹ
پہلے اغوا میں کام آتی تھی
گھوڑے کی چال اور وہ بھی تڑاٹ
اب مگر جیپ کار ہے سب کچھ
پل کے پل میں اتار دیتی ہے گھاٹ
اس میں چوری کا غلّہ ہو تو حضور
پھر تو اس کے لیے نہ گھاٹ نہ واٹ
آپ افسر کے کیا قریب ہوئے
کرتے ہیں خفیہ ہر غریب کی کاٹ
مارنے دوڑیے جو بلّی کو
آ ہی جائے گی بیچ میں کوئی کھاٹ
بارہ آنے کے گھر میں کیا لکھوں
کوٹھیاں کیجیے میرے نام الاٹ
کاش ہوتا رموزی لندن کا
کہہ رہے ڈیوک آف کناٹ

تارا[1] سنگھے ہیں تو کچھ ستارے[2] غفارے[3] بھی ہیں

(پناہ گزینوں کی اقسام)

ظلم کے مارے بھی ہیں کچھ ہمتیں ہارے بھی ہیں
بھاگنے والوں میں لیکن قحط کے مارے بھی ہیں

اسی ہی اندام کے ان بھاگنے والوں میں آج
ملک کے دشمن بھی ہیں کچھ ملک کے پیارے بھی ہیں

اب کہاں کے ہندو مسلم اور کہاں کے سکھ کہ آج
مارواڑی بھیس میں کچھ اصل بنجارے بھی ہیں

ان کی باتوں پہ نہ جائے میزباں جب ان میں اب
بعض کچھ میٹھے بھی ہیں اور ان میں کچھ کھارے بھی ہیں

زلزلے کے جوش سے دریا سے جو باہر ہے آج
کچھ صدف ریزے ہیں اس میں کچھ گہر پارے بھی ہیں

کون سے فرقے کو کہیے ان فسادوں میں کہ جب
تارا سنگھے ہیں تو کچھ ستارے غفارے بھی ہیں

یاد رکھیے مستحق لطف سب کے سب نہیں
ان میں دولت مند بھی ہیں چند بے چارے بھی ہیں

ہند و پاکستان کے انسان کے بیٹو سنو!
تم سے نالاں چاند سورج اور کچھ تارے بھی ہیں

صاف کرتا ہے زمیں کو اپنے فضلات غلیظ
پڑھتے رہیے یا حفیظ و یا حفیظ و یا حفیظ

---

(1) ماسٹر تارا سنگھ، سکھ لیڈر (2) عبدالستار لیگی لیڈر (3) خان عبدالغفار خاں کانگریسی لیڈر

روزی کے لیے تیرے پریشاں ہیں خیالات

روزی کے لیے تیرے پریشاں ہیں خیالات
پڑھ اور سمجھ غور سے تو میرے مقالات

پڑھوا کے سمجھ دوسروں سے خود جو نہ سمجھے
ان میں ہیں ترے فائدے کے چند اشارات

ہمت کو نہ دے ہاتھ سے مرنے کو ہو تیار
پھر دیکھ کہ کس طرح سے مٹتے ہیں محالات

حالات کی ہوتی نہیں ہے عمر زیادہ
ایسا نہ ہو جاتے ہی ترے بدلیں سب حالات

پھر آئے گا تو لوٹ کے تو آنے نہ دیں گے
ہم خود ہی مٹا دیں گے ترے یاں کے مفادات

تکلیف میں جب تو نہ رہا ساتھ ہمارے
پھر کیسے گے تری راحت سے مکافات

ہمت ہو تو رہ اپنے ہی مقدوروں کے ہمراہ
کیا دیتا ہے پھر دیکھ خداوند سمٰوات

پہچان اگر تجھ سے ہو ممکن تو خدا کو
کچھ دیر کو تو چھوڑ دے منطق کی خرافات

منطق میں تو انساں ہے خدا اس سے ہے اونچا
پہچان خدا کے بھی کبھی چند مقامات

یہ زلزلے، سیلاب، یہ قحط اور یہ ٹڈی
پیروں کی کرامات ہیں یارب کی کرامات

سائنس نہیں روکتی کیوں بڑھ کے انھیں آج
سائنس پہ امریکہ کو ہے فخر و مباہات

اللہ کی پہچان فقط دل کا یقیں ہے
یاں گرد ہیں تعلیم و معارف کے مقامات

اس باب میں عاجز ہی رہی دانشِ لقمان
توڑے نہ گئے خلق سے خالق کے حجابات

تھامے تو رہ اللہ کی رسّی کو رموزی
تپتی ہوئی مٹی سے نکلنے دے بخارات

◆◆◆

بُدّھو کی عید

بُدّھو یہ کہہ رہا تھا کہ کل میٹھی عید ہے
بیوی یہ کہہ رہی تھی گرانی شدید ہے
کالی چرن دیوالی پہ بھی کھدری رہا
ملبوس بوسکی میں بس عبدالرشید ہے
اک بھاری ساڑی لینے پہ شوہر نے یہ کہا
بیوی کے ہاتھ آج بھی مٹی پلید ہے
فرمائشوں سے بیوی کی مقروض ہوگیا
رمضان بھر کا حاصلِ گفت وشنید ہے
خرچے میں بیوی بچوں کے یہ خاص بات ہے
ان کا نہ کوئی کھاتہ نہ کوئی رسید ہے
وہ قحط ہو کہ کال، مگر عید کے لیے
رنگینیوں کی ہم میں دھڑا دھڑ خرید ہے
واں سر کٹائے پیرس و رومہ کے واسطے
یاں عید کے لباس پہ ہر دل شہید ہے
ہیں عیدگاہِ ہند میں لیڈر بہت مگر
ان میں ابو عبیدہ نہ ابنِ ولید ہے
کچھ شعر اس میں میرے ہیں، کچھ میری بیوی کے
یہ فیضِ خاص مالک ''عصرِ جدید'' ہے
عید اُن کی ہے کہ ہند کی تسخیر کے لیے
قبضہ میں جن کے مصر کا بندر سعید ہے

آج کس درجہ خوار ہے بمبئی!

آج کس درجہ خوار ہے بمبئی!
امن کے سر پہ بار ہے بمبئی!
ہر قدم پر فساد و قتل و قتال
کیا ہی سرگرم کار ہے بمبئی!
اس کو انگریز نے کیا آباد
مغربی یادگار ہے بمبئی!
یورپی طرز و علم و وضع و عمل
سب کا آئینہ دار ہے بمبئی!
مغربی طرز کے گنہ تھے معاف
آج اسی سے نگار ہے بمبئی!
ہر قدم پر شراب و رقص و قمار
آج انھیں کا شکار ہے بمبئی!
اہلِ ثروت کی رنگ رلیوں کا
آج تک پردہ دار ہے بمبئی!
لوگ کہتے تھے ہر گنہ کے لیے
قابلِ اعتبار ہے بمبئی!
رنگ لائی ہے مغربی تہذیب
قہر حق سے دوچار ہے بمبئی!
شام کو چین ہے نہ صبح سکوں
کس قدر بے قرار ہے بمبئی!
امن دیتا ہے خلق اسلامی
اس سے ہو دور تو ہے ناکامی

اِس زمانے کا یار کیا کہنا

اِس زمانے کا یار کیا کہنا
گیہوں چاول کی مار کیا کہنا
گھر میں ہے اور دکان سے غائب
ایسی مکا، جوار کیا کہنا
جو اٹک جائے راستہ ہی میں
ایسا ارجنٹ تار کیا کہنا
جس پہ موٹر سے بے قصور مریں
ایسی ہر رہ گزار کیا کہنا
دور ہی دور عشق و الفت میں
اس طرح کا بھی پیار کیا کہنا
تازہ تر دودھ کی ملائی پر
موٹروں کا غبار کیا کہنا
سبزہ زندہ ہو لوگ بھوکے مریں
ایسی فصلِ بہار کیا کہنا
عقلِ برطانیہ و امریکہ
ہاری ہے پہلی بار کیا کہنا
عقلِ چرچل بھی ہوگئی آخر
کوریا میں فگار کیا کہنا
اس کے ہاتھوں کی بس مسور کی دال
وہ بھی پھر بار بار کیا کہنا
شوہروں کا رموزی کس کو یقیں
بیوی ہو غمگسار کیا کہنا

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

سودا جو ملا کرتا تھا کل سستے پہ سستا
ملتا ہے غضب آج وہی مہنگے پہ مہنگا
بندر ہوں زیادہ کہ پڑے قحط کا دورہ
ہے تو تو خدا دے مجھے اب غلّے پہ غلّا
معلوم ہے دنیا کو کہ افغان ہوں یارب
مجھ کو تو کھلا روز بس اب انڈے پہ انڈا
دنیا کو کھلا چاول و بیسن کی کڑھی روز
مجھ کو تو کھلا مرغ کا تو قلیے پہ قلیا
طاؤس لو ے مجھ کو دے اور وہ بھی مسلّم
اوروں کو تو دے چاولوں کا خشکے پہ خشکا
دے لوگوں کو آلو کی پکوڑی کبھی سبزی
مجھ کو ہرن اور تیتروں کا قیمے پہ قیما
لیموں کا اچار اور دے پاپڑ تو ہر ایک کو
مجھ کو تو کھلا دُنبے کا بس بھیجے پہ بھیجا
مجھ کو تو مسلّم ہی مسلّم دے پرندے
اوروں کو چنے ہی کا تو دے آٹے پہ آٹا
دنیا کو کھلا دال مجھے مچھی اور اس پر
ہر روز سمندر کا تو دے جھینگے پہ جھینگا
تو چاہے تو دے جس کو، رموزی کو مگر اب
یخنی کے لیے روز دے تو بکرے پہ بکرا

پنجاب کے ہندو اخبارو!

تاریخ وطن کی عبرت ہو ، پنجاب کے ہندو اخبارو
اردو میں مگر ایک نعمت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
تقسیم سے ہندستان کی پنجاب سے باہر تم نکلے
اک درد و الم کی ہجرت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
کس حوصلہ، رستم نے تمھیں پردیس میں جرأت کام کی دی
ہر فرد کے حق میں حیرت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
اخبار کو جتنا چاہیے ہے آرام و سکوں وہ تم کو کہاں
بجلی کی مگر اک فطرت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
مٹ جانے پہ بھی لٹ جانے پہ بھی اخبار رسالے جاری کیے
تم اصل عمل کی صورت ہو، پنجاب کہ ہندو اخبارو
توسیع اشاعت کی خاطر گاڑی میں سفر پیدل بھی سفر
یعنی کہ مسلسل محنت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
اردو میں تمھاری ٹکر کا اک بھی تو نہیں اخبار کہیں
اس فن کی بھی کامل قدرت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
اردو ہی نہ تھی آتے جو نہ تم، تم آئے تو اردو زندہ ہوئی
تم اردو کی جان و شوکت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
اردو کے تمام ہندو ادبا ہندو شعرا کے کاموں کی
پرجوش و شگفتہ رغبت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
مسلم ہیں تمھاری مجلس میں اور سکھ ہیں تمھاری محفل میں
اس طرح مقامِ حکمت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
حکمت کے یہ معنی ہیں بھائی انسان رہیں انساں کی طرح
اس اصل کی تم اک سیرت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو
از نقطۂ قدرِ علم و ادب دنیا میں رموزی کے حق میں
اک راحت ہو اک عزت ہو، پنجاب کے ہندو اخبارو

مردِ اسٹالین گراڈ

تجھ پہ تمکینِ فریدوں، صولتِ سنجر نثار
تابشِ شمشیر پر حسنِ زر و گوہر نثار
ہو رہے ہیں جوش والے مردِ اسٹالن گراڈ
دست و بازو پر ترے تلوار کے جوہر نثار
چیر ڈالا برق کا طوفان تیرے عزم نے
اس جلالِ عزم پر ہے سطوتِ خاور نثار
سینۂ مریخ پر قدموں کی ہے تیرے دھمک
اس جلالت پر تری ناہید ہے تجھ پر نثار
سن کہ آئندہ تری جانِ گرامی کی قسم
نام پر تیرے کرے گی قوم اپنا گھر نثار
فلسفی لکھیں گے اس کردار پر تیرے کتاب
منطقی کرتے رہیں گے عقل کے دفتر نثار
بحث کی چیزیں ہیں، یعنی جنگ میں فتح و شکست
دیکھنا یہ ہے کہ تو کب کر رہا ہے سر نثار
تیرے عزمِ صف شکن پر اور زیادہ کیا کہوں
انتہا یہ ہے کہ ہے خود نخوتِ ہٹلر نثار

لندن کی لڑکیاں اور جنگ

لندن کی لڑکیاں ہیں، کہ گلزار لڑکیاں
اور بعض تو لطافتِ اشعار، لڑکیاں

ان کا شباب، طلعتِ موجِ شراب ہے
اور حسن میں تو مطلعِ انوار، لڑکیاں

جوشِ جمال سے نگہِ عشق عشق مست
اور نشۂ شباب سے سرشار، لڑکیاں

نظروں کی اک چمک میں گلستاں کا بانکپن
تابِ جمال میں درِ شہوار، لڑکیاں

نظروں کے جادوانہ تبسم کے زور سے
یعنی دل و دماغ کی مختار، لڑکیاں

اک اک ادا پہ ایشیا و افریقہ غلام
اس مقدرت کے حسن کی دلدار، لڑکیاں

جس گھر میں جائیں اس کی فضا جگمگا اٹھے
اور طرفہ یہ کہ صاحبِ کردار، لڑکیاں

جاتی ہیں جوشِ غیرتِ قومی سے جنگ پر
ہے ملک و قوم کی یہ وفادار، لڑکیاں

عشاق کے لیے تھیں جو کل تک وفا وفا
دشمن کے حق میں ہیں یہ ستم گار، لڑکیاں

ٹھکرا کے نازکی کو ہوئیں شیر کی طرح
نسوانی لشکروں کی کمانڈار، لڑکیاں

اتنی بھی دور ہو گئیں اب عیش و ناز سے
پیدائشی ہوں جیسے فداکار، لڑکیاں

شادی کے شوق کے عوض اب جنگ کا ہے جوش
اللہ ایسی صاحبِ ایثار، لڑکیاں

دشمن نہ آنے پائے اگر جان جائے جائے
اتنی تو ہوں زمانے میں خوددار، لڑکیاں

ہیں اپنے باپ بھائی سے اب جنگ کے لیے
دولت کی اور سر کی طلبگار، لڑکیاں

لندن کی لڑکیوں میں ہیں یہ جرأتیں جواں
کیا سن رہی ہیں ہند کی ہوشیار، لڑکیاں

لندن کی لڑکیاں ہیں تمھاری ہی جنس سے
کچھ کر دکھائیں وہ جو ہیں طرّار، لڑکیاں

لندن کو جائے ایسی بھی اے کاش ایک فوج
ہوں جس میں ملکِ ہند کی جرار، لڑکیاں

فیشن کو چھوڑ چھاڑ کے لڑنے کو جاؤ آج
ہندوستاں کی لڑکی کی رکھ لو تم آج لاج

قرار پا گئی مجرم بس اب حکومتِ چین

نہ دیکھے گا کبھی قاعدے کے سین اور شین
ہمیشہ دیکھے شعروں میں میرے نکتے دو تین
وہ لیجیے حضرتِ جمعیتِ فرنگی سے
قرار پا گئی مجرم بس اب حکومتِ چین
یہ پہلا موقع ہے تاریخ میں کہ عقلِ فرنگ
عقولِ ایشیا پہ پا سکی نہ فتح مبین
یہ کوریا نہیں بھیّا مقامِ قدرت ہے
چلا کے دیکھ لے ایٹم، چلا کے دیکھ مشین
شکست اب بھی نصیبِ فرنگ ہے بھائی
غرض کے سامنے ظالم رہا ذرا نہ متین
اب ایشیا میں پہنچنے ہی کا نہیں یورپ
یہ فیصلہ ہے رموزی کا اور وہ بھی مہین
نمک چشیدۂ انگریز مولوی نے کبھی
ہماری آنکھ بچا کر کھڑا کیا اک دین
یہ دین دینِ محمد سے دور تر ہے حضور
نہ اس میں کام نہ دنیا نہ اس میں فکرِ حسین
یہ اُن کے واسطے ہے جال اور قید و قفس
جو علم و عقل سے کورے ہیں اور نہیں ہیں ذہین
کمالِ عقل ترقی پسند کے صدقے
مشاعرے میں نہ گیہوں نہ تن کے واسطے زین
اُگا رہا ہوں میں اشعار تم اُگاؤ جوار
مگر رموزی سے پٹنے پہ لیجیے پہلے زین

رگیدے جائیں گے سب کالے نفع خوار ابھی

ملی ترقی گھسیٹا کو بار بار ابھی
دھرے ہوئے ہیں رموزی ہی پیشکار ابھی

کہا یہ مجھ سے فرشتے نے ٹیلفون سے آج
رگیدے جائیں گے سب کالے نفع خوار ابھی

دھرے گئے ہیں فقط سیٹھ جی بلیک میں آج
ملیں گے ایسے ہی کچھ ان کے رشتہ دار ابھی

بلیک میں جو خریدی تھی سیٹھ صاحب نے
فروخت ہونے ہی کو ہے وہ کالی کار ابھی

جو زیورات خریدے ہیں کالے نفع سے کل
کرے گا ضبط انھیں کوئی تھانیدار ابھی

میں علمی کاموں سے اک کوٹھی بھی بنا نہ سکا
بلیک والے نے بنوالیں تین چار ابھی

کمالِ شعرِ رموزی کے سر چڑھانے کو
سنواری جائے گی اک زلفِ تاجدار ابھی

نہ ترکاری نہ ترکارا

مسلمانانِ ہندستان میں بیداری نہ بیدارا
زمانِ حال کی ان میں نہ ہُشیاری نہ ہُشیارا
مساجد بھر گئی ہیں نام سے اللہ کے بیشک
مگر سچی اور اصل ان میں دینداری نہ دیندارا
ہراک صوبے میں ٹڈّی دل سے انساں بڑھ گئے اتنے
کہ ان کے صدقے بازاروں میں ترکاری نہ ترکارا
یہ ہوٹل جب کھچا کھچ ہی بھرے رہتے ہیں انساں سے
سمجھ لیجیے کہ پھر ان میں نہ ناداری نہ نادارا
دکھایا اک مریضِ ہند کو تو ڈاکٹر بولے
کہ یہ کاہل ہے فطری اس میں بیماری نہ بیمارا
جب افسر تھے تو سب سردار صاحب ان کو کہتے تھے
ہوئے جب برطرف تو اب نہ سرداری نہ سردارا

بے پردگی کے کام ہیں دشوار اب کہاں

بے پردگی کے کام ہیں دشوار اب کہاں
یورپ کی پی ہے جب تو میں ہشیار اب کہاں
جس سے لگا کے تکیہ میں لکھتا تھا شان سے
بارش کے بعد بھائی وہ دیوار اب کہاں
جس کے ذریعہ فتح کی دنیا رسول نے
اخلاق کی وہ دولتِ بیدار اب کہاں
توبہ کے بعد پھر کبھی توڑتے تھے عہد
بی اے کے عہد میں وہ گنہگار اب کہاں
سائنس سے قریب ہوئے اور خدا سے دور
ہم اس کی نعمتوں کی سزاوار اب کہاں
ہمت سے اور عدل سے مسلم کے گھر میں تھی
تعداد بیویوں کی وہ دو، چار اب کہاں
جب عشق بی اے پاس ہے اور حسن بی اے پاس
ایک دوسرے کا کوئی وفادار اب کہاں
سب چھوڑ کر ہوائی جہازوں سے چل دیے
کمزور ناتواں کا نگہدار اب کہاں
بجلی کی روشنی کی نفاست میں جو رہے
اس شخص میں جلالتِ کردار اب کہاں
جو بھاگے ان میں بھاگنے ہی کے خواص تھے
ان میں وفائے خدمتِ سرکار اب کہاں
جو عورتوں کے ساتھ معاً بھاگ ہی گئے
ان میں جلالِ مرد کے اطوار اب کہاں
شعرِ زوال و شعرِ گدائی گلی گلی!
اقبال کے جلال کے اشعار اب کہاں

کیفِ باراں

گرم تر موسم میں موجِ فیض باراں الاماں
غنچۂ افسردہ پر اک حسنِ رقصاں الاماں
رس بھری بادِ خنک کی ہلکی ہلکی موج سے
مست ہو کر سونے والا حسنِ رقصاں الاماں
اب جوانی کی ادا میں دیکھ میخانوں کا رنگ
اور نگاہِ حسن میں غمزوں کا طوفاں الاماں
سبزہ کی موجِ زمرّد فام میں اِٹھلانے کو
سرخ تر ساڑی کا حسنِ گل بداماں الاماں
پان کی سرخی میں دانتوں کی چمک یا یوں کہوں
موجِ مروارید میں اک موجِ مرجاں الاماں
بارشی چھینٹوں سے کچھ بھیگی ہوئی سی ساڑیاں
ان سے اک رنگیں حجابِ نیم خنداں الاماں
مست دہقاں زادیوں میں خود پسندی کا غرور
اور تیور تک میں اک تمکینِ خاقاں الاماں
سبزہ سبزہ وسعتوں میں لالہ لالہ شوکتیں
یا جبینِ جانِ جانانہ پہ افشاں الاماں
بانسری کی لے میں اب جادو جگانے کا اثر
اور دلِ دوشیزہ میں اب دردِ ہجراں الاماں
اک غزل اک نظم، اک مضمون، اور اک فلسفہ
جس کو یہ حاصل ہوں اُس کا اوجِ ایواں الاماں

شاعرِ بازار

غریب موردِ ادبار، شاعرِ بازار
تباہیوں کا سزاوار شاعرِ بازار
علامت اس کی ہے بدصورتی و بدحالی
پھر اس پہ ہوتا ہے میخوار، شاعرِ بازار
یہ دوستوں کے لباس اور گھر سے پلتا ہے
ملے گا اپنوں سے بیزار، شاعرِ بازار
کسی کا سوٹ، کسی کی چھڑی، کسی کا قلم
خود ایک صورتِ بازار، شاعرِ بازار
نئی غزل کو سنے تو معاً ہی کہتا ہے
اسی زمین میں اشعار، شاعرِ بازار
ہے ان کا خاص مددگار، شاعرِ بازار
ایڈیٹروں کی تہی مائیگی کے صدقے سے
بنا ہوا ہے خود اخبار، شاعرِ بازار
جرائدِ جہلا میں ہے آج بذلہ نویس
زہے ترقیِ افکار، شاعرِ بازار
جو چاہے چھاپ دے، جس کے لیے یہ قدرت ہے
ہوا اب اور بھی کچھ خوار، شاعرِ بازار
یہ گھر میں اور وطن میں ٹھہر نہیں سکتا
بس ایک گردشِ بیکار، شاعرِ بازار
ملے گا آپ کو تاریخ میں نہ نام اِس کا
ہے شہروں تک میں بھی بازار ہی مقام اِس کا

ایک پینشنر بزرگ

ہوئے جو بخت کی شوئی سے قبلہ پینشنر
تو چاہتے ہیں کہ اب قوم کے بنیں لیڈر
خضاب چھوڑ کے داڑھی بڑھائی ہے خاصی
مکان چھوڑ کے مسجد ہی میں ہے اب بستر
بجائے سوٹ کے اب دودھ سا لباس ہے سب
خموش رہتے ہیں اب کوئی شور ہے نہ ہے شر
مطالعہ میں ہے روزانہ اُردو کا مذہب
سمجھ رہے ہیں کہ مذہب میں بھی ہیں دانشور
تھے نوکری پہ تو انسان کو ستاتے تھے
خدائی کرتے تھے جب کرتے تھے بڑا دفتر
زراہ دفعہ انگریز حکم دیتے تھے
ملازمت میں تھے اس طرح معدلت گستر
یہ راستہ میں نہ ملتے تھے گھر میں تھے مصروف
کسی کی سنتے نہ تھے اس لیے کہ تھے افسر
اب آج حال ہے یہ خود سلام کرتے ہیں
مصافحہ بھی بہت جھک کے کرتے ہیں اکثر
جہاں تھا فرض مروّت وہاں رہے مغرور
یہ جانتے ہی نہ تھے کیا ہیں مسجد و منبر
یہ ضعف عمر ہے جو آ گھسے ہیں مسجد میں
رموزِ دین کہاں آ پڑی ہے اب سر پر

اُردو کی غزل

مشاعروں میں ہے اردو کی صرف نالہ و آہ
یہ وجہ ہے کہ ہے شاعر کی خود یہ حدِ نگاہ
دماغ عرش نظر ہو، فکر عالی ہو
نکالیں تب یہ محبت میں باوقار اک راہ
نظر ہے پست، تو محبوب تک سے عشق میں بھی
برابری کو یہ شاعر سمجھ رہے ہیں گناہ
کمالِ عقل غزل کے لیے ضروری ہے
نہیں تو ہو کے رہے گی غزل ہمیشہ تباہ
یہ کوئی عقل ہے، محبوب اپنے عاشق سے
تمام عمر میں اک دن بھی کر سکے نہ نباہ
بجز فراق کے اور ذلتوں کے عاشق کو
نصیب ہو نہ کبھی وصل اور عزت و جاہ
غزل میں ذلتِ عاشق کو اور کیا میں کہوں
مگر یہی کہ ہے شاعر کی خود ہی عقل سیاہ

ذلیل و خستہ و محروم اور غلام عاشق
غزل میں اردو کی یہ عشق ہے خدا کی پناہ
مزاجِ نوحہ گری ہند کو ملا جب سے
دماغ میں بھی نہیں اب مزاجِ شہنشاہ
ہے کاروبارِ غزل بعض ایسے ہاتھوں میں
جو فطرتاً ہی نہیں خود پسند و خود آگاہ
غزل ہے بند شروطِ زحاف و ایطا میں
کہے تو کیا کہے اب شاعرِ ترقی خواہ
گرفت کرتے ہیں زیر و زبر کی شعروں میں
یہ اس لیے ہے کہ حدِّ نظر ہے خود کوتاہ
مری غزل میں جمال اور وقارِ عشق بھی ہے
ادائے حسن بھی ہے اقتدارِ عشق بھی ہے

ماڈرن غزل

فوج یورپ کا کوریا میں جماؤ
معنی یہ ہیں کہ ایشیا میں سماؤ
عذر قانون و جنگ ونگ سے اب
جتنا ہو ایشیا میں خود کو بڑھاؤ
بڑھ گئے ہیں جو یورپی انساں
ان کو اب ایشیا میں لا کے بساؤ
قرض امریکہ کا حضور عالی!
چین پر کچھ نہیں ہے آج دباؤ
کس رہا ہے شکنجۂ یورپ
بے ہنر لوگوں پر ہے اس کا کساؤ
یورپی جنگ ایشیا میں نہ آئے
عقل ہو تو کوئی بریک لگاؤ
میرے ہندستان کے لوگو!
آسماں توڑ تم بھی بم تو بناؤ
یہ جو پٹنہ میں آتے ہیں سیلاب
ان کو یورپ کے رُخ پہ تم بھی بہاؤ
بیوی اس بیچ میں بول اٹھی
اصلی گھی آپ اب کہیں سے تو لاؤ
سارے مُلّا رموزی ہے غصہ
بیویاں کہتی ہیں کہ روز کماؤ

ماڈرن غزل

خدا کی شان کہ فرمائیں یہ امامِ یمن
کہ ہفتے عشرے میں انگریز چھوڑ جائیں عدن

عدن یمن کا ہے ہم وزن قافیہ تو جناب
عدن یمن کا ہے حصہ زراہِ صنعتِ فن

ادھر ہے مصر کا کہنا کہ خالی کیجیے سوئز
بدل رہا ہے غلامی کا افریقہ میں چلن

اب افریقہ میں ہوگیا ''انقلاب زندہ باد''
خدا ہی جانے کہ پہنائے کتنوں کو یہ کفن

سہی کہ افریقہ آزاد ہوگیا کل ہی
قبول کرلی بھی یاروں نے ڈٹ کے دارورسن

بتاؤ پھر تو نہ امداد لوگے یورپ سے
تمام کام چلے گا خود تمھارا وطن

دماغ موجد و جوشِ سپاہیانہ بھی ہو
ہے جن میں یہ، وہ ہیں محفوظ از ہوئے افتن

اگر رموزی کو عہدہ ملا وزارت کا
تو موٹروں کے عوض لے گا وہ پرانی فٹن

ماڈرن غزل

اللہ کی ہے مار، جو ہو جائے لگاوٹ
پھر آپ ہیں فرقت ہے اور اک خاص چھپر کھٹ
اس سلسلہ میں آہ اگر آپ کے گھر میں
پہلے کی بھی بیوی ہے تو پھر گھر بھی ہے چوپٹ
فرقت زدہ ہیں شیخ مگر لیٹے ہیں ایسے
لیتے نہیں یا لے نہیں سکتے کوئی کروٹ
پالیسی سمجھنا ہے تو اس طرح سمجھ لو
انسان رہو رات میں، دن میں رہو گرگٹ
میں ڈانس کے کمرے میں رہا اس کے برابر
مولانا نے فرمایا کہ اور اُس کا وہ گھونگھٹ
مولانا نے بھی دین میں ترمیم یہ کی پھر
داڑھی جو تھی اب اس کو رکھا صرف فرنچ کٹ
توبہ جو کبھی منہ بھی لگاؤں میں رموزی
جب ساقی و پیمانہ ہی خود ہو گئے تلچھٹ

بیوی کی مجسٹریٹی

مرے علاقہ میں ڈاکہ نہ اب ڈکیتی ہے
جو گھر میں بیوی کی میری مجسٹریٹی ہے
یہ اب جو کھانے پہننے میں کچھ کمی سی ہے
تو صاف بات ہے قسمت ہی سب کی ہیٹی ہے
یہ فائدے ہیں جنابِ عالی، بی۔اے کرنے کا
کہ مہتمم کی جگہ مہتمم کی بیٹی ہے
غضب کہ پھر بھی مرے گھر کا حال ٹھیک نہیں
اگرچہ بیویوں کی پوری اک کمیٹی ہے
وہ پھیل جائے گی اولاد تک میں دق ہو کر
بلیک والوں نے دولت جو کچھ سمیٹی ہے
یہ پردہ وردہ جو توڑا گیا ہے نوکر سے
یہ بات دینی نہیں صرف اے ٹی کیٹی ہے

فقط امید پہ یا ہوٹلوں پہ جینے سے
رموزی اب بھی غنیمت گریجویٹی ہے

بیوی برطانوی سرکار

اب جا کے کہیں امریکہ پہ آیا ہے ادبار
اس واسطے ایٹم سے بنانے لگا ہتھیار
اب کوریا تو فتح کیا بم کے ذریعے
انسان مگر ہو گئے امریکہ سے بیزار
یہ قوم بچی ہے نہ کبھی بچ کے رہے گی
انسان کے سر پر جو اٹھائے رہے تلوار
سچ ہے مگر افریقہ و ایشیا والے
سر توڑ مگر خود بھی بنائیں تو کچھ اوزار
ان دونوں علاقوں کا ہے جغرافیہ ایسا
جس میں نہیں عقل آفریں سیاروں کی انوار
انگریزی میں جب بات وہ کر لیتی ہے فر فر
بیوی ہے رموزی مری برطانوی سرکار

اے۔ٹی۔کیٹ

عشا کے بعد ہوئی میری بیویوں میں ڈبیٹ
میں گیلری ہی میں بیٹھا کہ خود میں آیا تھا لیٹ
ہزار لغزشوں پر بھی میں اس لیے تھا خموش
کہ بڈھوتسم کے شوہر کا ہے اے۔ٹی۔کیٹ

تھیں ان میں اک جو ریاضی میں ماہر و کامل
سنا رہی تھیں دھڑا دھڑ بلیک والوں کے ریٹ
قرار داد میں بے اختلاف یہ طے ہوا
بلیک والوں کو اس طرح کیجیے ملیا میٹ

گر ہستی ہو فقط ہندستان کی چیزوں کی
کچوری کھایئے اور توڑ دیجیے چائے کے سیٹ
کہا بلیک کے والد نے اپنے بیٹے سے
سمیٹا جائے جو کچھ تجھ سے تو وہ جلد سمیٹ

بلیک ہے وہ کہ جب تک نہ ہو دماغ درست
نہ ہوگا سیر رموزی بلیک والوں کا پیٹ

گویا کہ کوتوالی سرکاری خانقہ ہے

کل جو بھی کچھ ہوا تھا دو منزلے مکاں پر
سی آئی ڈی کو شک ہے عبدالقدیر خاں پر
منگل کو کوتوالی تشریف لے گئے تھے
اب تک دھرے ہوئے ہیں اوروں کے اک گماں پر
جاتے ہی کوتوالی مسجد بنا کے رکھ دی
بہر تمام اب وہ اٹھتے ہیں ہر اذاں پر
خواجہ حسن نظامی اب یاد آرہے ہیں
اب ہے یقین اُن کے ہر وعظ اور بیاں پر
پڑھتے ہیں اب وظیفے جن پر یقیں ہے اُن کو
بیرسٹروں سے زیادہ اللہ کی اماں پر
گویا کہ کوتوالی سرکاری خانقہ ہے
یادِ خدا ہے دل میں نامِ خدا زباں پر
لیجے کہ کوتوالی سے بھی وہ بھاگ نکلے
کچھ کچھ غنودگی تھی جب ان کے پاسباں پر
اب گاؤں گاؤں چھپ کر وہ جرم کر رہے ہیں
وارنٹ کا ہے لرزہ ہلکا سا جسم و جاں پر
القصہ جرم ان کا پیشہ سا ہوگیا ہے
جاتے ہیں جیل زیادہ کم رہتے ہیں مکاں پر
لیڈر جو بے خبر ہے ایسی جماعتوں سے
تو ایسی آفتیں ہیں مسلم سے نوجواں پر
وہ ظالمہ رموزی موٹر نہیں دلاتی
کیا لیڈری کروں میں اس جسمِ ناتواں پر

بڑبڑاتے رہے یہ سانول داس

کب تک آخر نہ ہوگا روس اُداس
ساری تجویزیں امریکہ کی ہوں پاس
ایک سیکسبس کے دن بھی آہی گئے
بڑبڑاتے رہے یہ سانول داس
سچ کہا آپ نے مرے بھائی
بولیں یہ آج میری چوتھی ساس
ایشیا میں ہیں ہیرے کی کانیں
عقل کا ہے مگر برا افلاس
اور بڑھتی رہی جو آبادی
مولی شلجم کے بدلے کھائیں گے گھاس
پوچھیے گا بلیک والوں سے
حدِ لطف و نافع اجناس
علم والوں میں ہے نجوم اک علم
جاہلوں میں ہے یہ گمان و قیاس
انقلاب وطن عنوانات
سارے اخباروں میں الاٹ نکاس
ایشیا والوں کا ہنر ہے یہی
کام کے بدلے کام کا احساس

وقف نامے میں ہے رموزی کے
پہلی بیوی کے حق میں شکر و سپاس

فلک کے پاس پہنچ کر بھی تو خدا سے ہے دور

ملا تو ہے تجھے سائنس میں غضب کا شعور
فلک کے پاس پہنچ مگر خدا سے ہے دور
بنا چکا ہے تو راکٹ چڑھے گا چاند پہ تو
یہ حق ہے تجھے چاہے کرے تو جتنا غرور
فراغ ثروتِ دنیا بھی تجھ کو حاصل ہے
اس کمال سے حاصل ہیں تجھ کو حور و قصور
غلام ہوگئے بندے تری مشینوں سے
کہیں ہے نام تیرا صدر اور کہیں فغفور
اب ان عظیم فتوحات پہ یہ کیسے ہو
کہ خود کو سمجھے تو فانی کہے تو عبد غفور
اب آ اور آ کے ذرا دیکھ کوریا میں بھی تو
تلاش ان کو تو کر جو یہاں تھے سہ ہے کے حضور
لڑے مشینوں سے پھر بھی تو زندہ رہ نہ سکے
بتا یہ فتح ہے سائنس کی کہ اس کا فتور
کمال سب سہی لیکن سکونِ قلب بتا
قدم قدم پہ حوادث اور ان پہ فسق و فجور
سمجھ سکے تو بتاؤں کہ مادّے سے تجھے
ملی تو عقل مگر مل سکا نہ عقل کا نور
یہ نور دیتے ہیں اس کو جو خود کو بندہ کہے
اسی کے حق میں حقائق کا علم اور ظہور
بلند تر ہے مقامِ خیال و فکر اس کا
یہ ہے وہ دل سے جو کہتا ہے ہاں خدا ہے ضرور
جو کہہ رہا ہے رموزی بطرزِ شعر و سخن
ہے اس میں اصل میں پوشیدہ قلب و جاں کا سرور

خیال ویال

کہاں کا شعر کہاں کا حسیں خیال ویال
کہاں جدائی کا محبوبہ کی ملال ولال
مجھے تو گیہوں کا غم کھائے جارہا ہے ابھی
کہاں کا غمزۂ جاناں نہ اور جمال دمال
جوار اور دھنیل کے گھی کے کھانے سے
سسک رہا ہے مرے شعر کا کمال دمال
اب اس پہ ٹیکس کی کثرت، قومی غذاؤں کا قحط
وہ جائے بھاڑ میں اب ہر حسیں مقال وقال
اب ایسے حال میں جینے کی ایک ہی حکمت ہے
رہوں نہ میں کبھی اک لمحہ کو نڈھال وڈھال
ہزار طرح کے کھانے میں ڈٹ کے کھاتا ہوں
نگاہ میں نہیں اب معدہ کا مآل وآل
حیات معدہ خالق کے ہاتھ جب بھائی
تو کس کا بدرقہ اور کس کا اب زلال ولال
شکار کے لیے میں گھومتا ہوں ڈٹ ڈٹ کر
خیال تک میں نہیں دشت اور جبال دبال
دھمک کے سینۂ مریخ پہ میں چلتا ہوں
مری نظر میں نہیں پستی زوال ووال
رموزی سختیٔ فولاد کی سی ہمت ہو
تو پھر کوئی نہ رہے گا کبھی محال ڈھال

بے عمل لڑکیاں

اک ریڈیو پہ جمع ہیں اٹھتی جوانیاں
خالہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہیں ممانیاں
گیت بج رہی ہے لندن و برلن کے رقص کی
ہندوستاں میں وجد میں ہیں چند نانیاں
کالج سے پڑھ کے آئی ہیں کچھ شاہزادیاں
اور ریڈیو پہ سنتی ہیں رنگیں کہانیاں
کالج سے تھک کے آئی ہیں اس طرح جیسے آج
ہمت کی ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں کمانیاں
ریشم کی ساڑیاں بھی ہیں نازک بدن پہ بار
محنت کی ان سے سنیے ذرا لن ترانیاں
پوشاک دن میں تین بدلتی ہیں فیشنی
والد کے گھر سے پائی ہیں یہ خسروانیاں
یہ مادری زبان میں بدھو سے کم نہیں
انگلش کی گفتگو میں مگر ہیں روانیاں
بے خادمہ یہ غسل بھی کرتی نہیں کبھی
اپنا یہ کام کیسے کریں جب ہیں رانیاں
کانٹے چھری سے کھاتی ہیں یعنی کہ ان میں اب
ہیں نکتہ دانیوں سے سوا کانٹا دانیاں
موج صبا سے بھی ہے سوا ان میں نازکی
یعنی انھی کے گھر میں ہیں سب ناتوانیاں
یورپ کی لڑکیوں میں اب جوش جنگ ہے
اور ان میں مرنے مٹنے کی ہیں سب نشانیاں

ہزار شکر کہ جنرل میک آرتھر نہ ہوا

میں راہبر تو ہوا صرف تاجور نہ ہوا
اسی سے دولتِ دنیا سے بہرہ ور نہ ہوا
میں کوریا میں غریبوں پہ آگ برسا کر
ہزار شکر کہ جنرل میک آرتھر نہ ہوا
مجھے جو قرب میسر نہ ہوسکا اب تک
کسر یہ مجھ میں رہی میں ڈرائیور نہ ہوا
ہزار خواہشِ دنیا ہزار رغبتِ جاہ
ڈٹا رہا میں مگر زیر اور زبر نہ ہوا
ہوا میں صدرِ معارف ہوا میں صدرِ حکم
میں سکھ بنا دلِ انساں کا اور خطر نہ ہوا
تھے اتنے عیب رموزی میں جب تو عرصہ سے
ذرا سا مرحلۂ حسن و عشق سر نہ ہوا

ہے سیٹھ جی سے بہت کچھ مری علیک سلیک

ہے سیٹھ جی سے بہت کچھ مری علیک سلیک
مگر خرید کی ہر چیز میں ہے مجھ سے بلیک
مجھے خبر بھی نہ تھی سیٹھ جی سے تھا بے خوف
بلوں کو سیٹھ جی کی بیوی نے کیا جب چیک
میں کیا کہوں کہ مرا حال کیا ہوا بھائی
سمجھ رہا تھا میں برسوں سے سیٹھ کو نیک
کہا یہ بیوی نے اس سیٹھ جی کی پرتی پر
جناب کی دماغی مشین میں ہے کریک
جو توند والا ہو اور سیٹھ جی بھی ہو مشہور
وہ خود نہ ہو گا تم ہی سمجھو اس کو نیک اور ویک
جو یہ سنا تو کہا میں نے دیکھنا بیوی
ان جیسے لوگوں پہ پھر زلزلے کریں گے ایک
شکست کھانے سے بیوی سے بھی ہے بہتر
خرید ہی کی میں رفتار پر لگاؤں بریک
بلیک والے ہیں جس طرح متحد بھائی
اسی طرح سے ہوں ترک خرید پر سب ایک
رموزی چھوڑ دیں خود قیمتی لباس کو ہم
اور ہوٹلوں میں بھی چھوڑیں یہ بسکٹ اور کیک

کہیں سے کہیں

زمینِ لکھنؤ جو سب سے تھی زیادہ حسیں
خدا کی شان بنی وہ لکڑ بگھوں کی زمیں
یہ بخت وقت کا صدقہ ہے یا یہی کہیے
زمانہ ہی تو ہے پہنچا ہے اب کہیں سے کہیں
کہا جو بیوی سے میں نے لکھنؤ تو چلیں
خدا ہی جانے کہ کیوں اس نے کہہ دیا کہ نہیں
کمالِ خلعتِ ناہید کی نفاست سے
سنوارتے تھے جہاں شعر سے ادب کی زمیں
پڑھا اک عرصہ میں میں نے حقیقتِ لکھنؤ
اسی میں بیوی نے بھی باتیں لکھنؤ کی پڑھیں
اسی سے شامِ اودھ کی جو ہم کو یاد آئی
خدا گواہ کہ بیوی نہ آنسو روک سکیں
جدید لکھنؤ بھی شاد اور رہے آباد
نہ ہو سکے کوئی آفت کبھی بھی اس سے قریب
رموزیؔ لکھنؤ تو اب بھی ہے مگر ایسا
کہ اس کی دوسری دنیا ہے اور دوسرا دیں

لاحول ولا قوت

بیوی کی حکومت ہو، لاحول ولا قوت
شوہر کی یہ ذلت ہو ، لاحول ولا قوت
جولوگ "مبلکی" ہوں اور نفع لیں وہ زیادہ
پھر ان کی بھی عزت ہو، لاحول ولا قوت
جو ہاتھی کی قیمت تھی جو اونٹ کی قیمت تھی
اب بھینس کی وہ قیمت ہے، لاحول ولا قوت
یہ کل کا گھسیٹا تک رشوت کے ذرائع سے
اب صاحب ثروت ہو، لاحول ولا قوت
فرقوں کو لڑا کر لیں کچھ ووٹ تو پبلک کی
اس طرح سے خدمت ہو، لاحول ولا قوت
لیڈر کو فقط اپنے کچھ ووٹ کی خاطر ہی
پبلک سے محبت ہو، لاحول ولا قوت
اس طرح ملے جیسے مصری کبھی ملتی تھی
گڑ تک کی یہ صورت ہو، لاحول ولا قوت
پٹواری کی صورت کے کچھ لیڈر اایڈیٹر ہوں
یہ قوم کی نوبت ہو، لاحول ولا قوت
فرقے کی حمایت میں انسان کو انساں سے
بے وجہ کے نفرت ہو، لاحول ولا قوت
مزدور ہی اچھا ہے اس عہد کے منشی سے
تعلیم کی یہ گت ہو، لاحول ولا قوت
کیا کہہ دے رموزی جب عاشق ہو نیاز آگیں
محبوبہ میں نخوت ہو، لاحول ولا قوت

نصیب عمدہ دے اولاد سب اناڑی دے

نصیب چاہے تو ریشم کی اس کو ساڑی دے
مجھے شکار کی خاطر فقط کلہاڑی دے
جہاں سے بیٹھ کے میں ظلم کے ستارے پڑھوں
مکان بنانے کو ایسی کوئی پہاڑی دے
طوائفوں کو دیا روپیہ امیروں نے
نصیب دے سے نہ مجھے کچھ تو بیل گاڑی دے
مری دعا ہے مسلمانوں کو نوکری نہ ملے
نصیب کچھ بھی دے تو اس کو تو کھیتی باڑی دے
دکن کے ایک میاں بھائی کہہ رہے تھے کہ یار
نہ دے کوئی مجھے راشن میں گیہوں، تاڑی دے
وہ جس میں تینندوے کے ڈر سے چھپ کے بیٹھ سکوں
شکار میں جو خدا دے تو ایسی جھاڑی دے
رموزی جس کی ہو شادی فلک سے وہ یہ کہے
نصیب عمدہ دے اولاد سب اناڑی دے

قوّالیاں

رہنے دیجیے بحث اور یہ گالیاں
ہونے دیجیے ڈٹ کے اب قوّالیاں
مردوں میں ہے ساز وسازندوں کا شور
عورتوں میں بج رہی ہیں تالیاں
ٹھنڈی ٹھنڈی سڑکوں کی تفریح میں
گوری گوری میموں میں کچھ کالیاں
عہد نو اور اس پر نظم بلدیہ
پھر بھی ہیضہ خیز ساری نالیاں
پان کھائے آج مرد بے وقوف
عورتوں نے تو لگالیں لالیاں
جنگِ یورپ میں ہوئی ہیں کامیاب
آپ کے نیپال کی نیپالیاں
حد سے دولت کدوں یں دیکھیے
آج خفیہ قسم کی کنگالیاں
قید خانے جانے میں لیڈر کے یہاں
فلسفے کی دیکھ قیل و قالیاں
نفع اندوزوں کے گھر قیمت میں دیکھ
سبزیوں کی سبزیاں اور دالیاں
سیٹھ جی کے سود میں جو گھل گئیں
ہائے میری بیوی کی وہ بالیاں

اب تو ظالم کھجور میں نہ اٹک

عشق میں جب گرا چکا ہے فلک
اب تو ظالم کھجور میں نہ اٹک
خود ہی عاشق بڑھے تو کیسے بڑھے
یہ کہا کرتے ہیں حفیظ ملک
ختم ہو بھی چکا فسانہ مرا
جب کہ ہے اس کے دل میں میری کسک
لاکھ تنخواہ ہو گیارہ ہزار
اُف وہ دفتر کی حاضری کی کھٹک
میں نے پہرہ دیا نہ اس ڈر سے
شب میں میری جھپک گئی جو پلک
رشوتوں کی خوشی سے اتنی تک
خضر کے چہرہ پر کا دیکھ نمک
ایک میں ہوں کہ قوم کے غم سے
میرے چہرہ پہ ہے چمک نہ دمک
یاد ہے آج تک رموزی کو
اس کی ایک لغزش اور ایک لچک

انگارے

خدا کی شان جن لوگوں نے لاکھوں آدمی مارے
نظر آئے انھیں کو کوریا میں دن کو اب تارے
یہ عبرت کوریا ہی کی لڑائی سے ہوئی حاصل
کہ وہ بھی خون اگلتے ہیں اگلتے تھے جو انگارے
لڑائی ہوتی ہی جائے گی قانونِ فلک یہ ہے
کہ آبادی میں رہنے ہی نہ پائیں لوگ ناکارے
یہ انساں ہی نہیں ہیں علم الابدال کی دلیلوں سے
یہ فضلات زمیں ہیں جن کو تم کہتے ہو بے چارے
ہمارے یہاں فقط ہیں قہوہ خانے اور کچھ ہوٹل
اگر کچھ ہیں تو یورپ ہی میں ہیں حکمت کے گہوارے
کل ہی سی آئی ڈی کے ایک خواجہ خضر کہتے تھے
کہ نفع خوار لوگوں کے ہیں اب بھی خاصے پوبارے
وہ جن کے یہاں ہزاروں لاریاں غلّہ اٹھاتی تھیں
ہوئے ہیں قید جس دن سے تو لاری ہے نہ اب لارے
خبر تو یہ ہے بے شک اب نہیں بازار میں کچھ بھی
سنا ہے پھر بھی گو محفوظ ہے سارا، چنے سارے
ادیب الملک اب ملّا رموزی ہو نہیں سکتا
ہیں فلمی کمپنی میں جمع مہ پارے ادب پارے

بھاگیے اور بُزدلی ہی کی ادا سے بھاگیے !

بھاگیے اور بُزدلی ہی کی ادا سے بھاگیے
جس قدر بھی جلد ہو اپنے خدا سے بھاگیے
آپ کے گھر بار کا شاید خدا حافظ نہیں
بھاگیے بھائی مرے ایسی فضا سے بھاگیے
عقل ہو تو یہ بھی کیجیے جب مرض ہو آپ کو
ڈاکٹر سے نسخہ لیجیے اور دوا سے بھاگیے
ہر جگہ اعمال بد کی تو سزا دی جائے گی!
جب میں سمجھوں اس خداوندی سزا سے بھاگیے
دوسروں کو متہم کیجیے کجیے خود کو پاک
اس طرح اللہ کے عہدِ وفا سے بھاگیے
چھوڑ کر ہر سمت مردانہ کو یہ کیجیے
ہر جفا کے ہونے سے پہلے جفا سے بھاگیے
بھاگیے بے روزگاری کے بہانے یعنی آپ
حلِ مشکل کے لیے مشکل کشا سے بھاگیے
بھاگنا بے روزگاری سے وبائے عام ہے
خاص اگر ہیں آپ تو اس وبا سے بھاگیے
بھاگیے غنڈوں کے کہنے سے غلط خبروں سے آپ
خطروں سے کیا اب وطن تک کی ہوا سے بھاگیے
واعظ و عاقل کی اک دن بھی نہ سنیے کوئی بات
چھوڑ کر گھر بار پاگل کی صدا سے بھاگیے
بات جب ہے اب نہ آئیں لوٹ کر اپنے وطن
آپ تو بس بھاگیے اور ماورا سے بھاگیے
اب نہ کیجیے گا رموزی کی دعا تک پر یقیں
یعنی ایمان و یقیں سے اور دُعا سے بھاگیے

ہٹلر نثار

چشمِ ساقی کی ادا پر طلعتِ خنجر نثار　　اور نشیلی لغزشوں پر رونقِ ساغر نثار
وہ نظر ملتے ہی ہلکی مسکراہٹ زیرِ لب　　اُس پہ حسنِ موجِ مروارید اور گوہر نثار
جو نگاہوں کی نفاست میں ہے اور ظاہر نہیں　　اس تبسم پر جمالِ شوکتِ کشور نثار
مجھ سے اس کی پردہ پردہ وردمندی کے لیے　　اپنے دل کے خون کے قطروں کے اشکِ تر نثار
عشق کی منزل بہ منزل مشکلیں اور ہمتیں　　اُن پہ ہر حسنِ جلالِ ہمتِ قیصر نثار
بے ملے اُس نے مری ہر آرزو پہچان لی　　اس کے اس احساس پر پندارِ دانشور نثار
اس کی خاطر مٹ کے بھی اب بھی ہیں جتنی ہمتیں　　اُن پہ تمکینِ فریدوں، صولتِ سنجر نثار
اس کی اس عمرِ محبت اور عمرِ حسن پر　　عنفوانِ گل کا ہر ایک غمزۂ بہتر نثار
مجھ سے باتیں ہو رہی ہیں جیسے ہوتی ہی نہیں　　اس کے اس انداز پر حکمت کے سو دفتر نثار
دیکھ لیجیے گا کہ اس کے میرے حسن و عشق پر　　رہتی دنیا تک رہے گی شہرتِ خاور نثار
جو سپاہی آگ پر گرتا ہے جوشِ جنگ سے　　اُس پہ توقیرِ وطن اور صولتِ لشکر نثار
جو گرجتا ہے صفوفِ جنگ میں مردانہ وار　　اُس پہ حسنِ فتح مندی، عظمتِ صفدر نثار
ڈٹ کے لندن کو بچانے والے استقلال پر　　رستم و چنگیز کا مردانہ کرّ و فرّ نثار
بھانپ آئے جو ذخائرِ جرمنی کی جنگ کے　　اُن ہوا بازوں پہ رمزِ دانشِ ہٹلر[1] نثار

عورتیں لندن کی آئیں جنگ کرنے کے لیے
ان کی اس غیرت پہ جوشِ غیرتِ ہٹلر نثار

1۔ ہٹلر وزیرِ خفایائے جرمنی

چانڈونوش اور جنگ جرمنی

چانڈو کا دم لگا کے کبھی گنگناتے ہیں ... پھر اوندھی سیدھی جنگ کی خبریں سناتے ہیں
جب نشہ کی ترنگ جوانی کے ہو قریب ... ہوٹل میں چائے پینے کو تشریف لاتے ہیں
ہر شہر کے غریب سے ہوٹل میں رات دن ... یہ چینیوں کے ماموں بہت پائے جاتے ہیں
بیٹھے ہوں یہ چٹائی پہ یا کرسیوں پہ ہوں ... نشہ کے بیش و کم سے یہ کچھ ڈگمگاتے ہیں
گردن جھکائے بیٹھے ہوں جو اور چانڈو نوش ... اُن سے نظر ملاتے ہیں اور رچ مچاتے ہیں
جلسہ ہو مکھیوں کا پیالی پہ چائے کی ... تو جنگ کی خبر پہ یہ کچھ بھنبھناتے ہیں
گڑھ گڑھ کے کچھ سناتے ہیں اور اونگھ اونگھ کر ... اخبار لکھنے والوں کو جھوٹا بناتے ہیں
وہ کہتے ہیں جو آئے سمجھ میں نہ عمر بھر ... اور اس پہ کھانس کھانس کے خود مسکراتے ہیں
اس مسکرانے کے ہیں یہ معنی کہ آج کل ... خبریں جو بھیجتے ہیں، وہ سب گھاس کھاتے ہیں
برطانیہ سے لے کے بہ اقلیم روم و شام ... سارے مدبّروں کو یہ جاہل بتاتے ہیں
جو غرق کردے بیڑہ وہ دیتے ہیں رائے یہ ... اور ایسے ہی احمقی کی دلیلیں بھی لاتے ہیں
ہر چانڈو نوش جیسے ہی خود ایک ریڈیو ... اور رائٹر کو تو یہی اِملا لکھاتے ہیں
اک آسماں کی ہے تو آدھی زمین کی ... یوں ہوٹلوں میں بیٹھ کر یہ سنسناتے ہیں
یہ بحث جنگ و قتل پہ چانڈو کے زور سے ... اک اک پیالی رکھتے ہیں اک اک اٹھاتے ہیں
ہیں ان میں بعض قطب تو ہیں بعض اولیا ... یوں جرمنی میں جاتے ہیں اور لوٹ آتے ہیں
ہوتے ہیں بعض صدر مقامات علم بھی ... جو اول فول جنگ کی خبریں سناتے ہیں

جس کا نبی نہیں، یہ اُس اُمت کے لوگ ہیں
ہندوستاں میں چین کی قسمت کے لوگ ہیں

مصوّر

یہ عشق شاعروں کا بھی کتنا عجیب ہے
لٹھ بند ہر غزل میں اک ان کا رقیب ہے
معنی یہی ہوئے کہ غزل کا ہر ایک عشق
اب بے حیا کے ساتھ ہی بے حد غریب ہے
یہ ہے کمال غیرتِ شاعر کہ اس کے یہاں
دروازہ پر رقیب ہے گھر میں حبیب ہے
یادِ حبیب آتی ہے عاشق کو نزع میں
یعنی کہ وہ بھی دہلی کا کوئی طبیب ہے
یہ شاعری عوام کی ہے جن کا ذہن عام
بازاری حال وقال سے بے حد قریب ہے
اصلاح شعر و ذوق لطافت کے واسطے
شعر بلند تر کا ''مصور'' نقیب ہے
اور نثر میں نگارشِ عالی کے باب میں
ممتاز تر رئیس قلم اور خطیب ہے
پھر معنوی جمال ''مصور'' بھی ہے بلند
صدر ادارہ اس کا جو مرزا ادیب ہے

پتلون جس کی پہنی وہ انگریز اب کہاں؟

پتلون جس کی پہنی وہ انگریز اب کہاں
وہ نخرہ والی کرسیاں وہ میز اب کہاں
گھوڑے پہ جس سے ہوتے تھے تم تنکے شاندار
وہ جگمگاتے برچھے وہ مہمیز اب کہاں
جاتے تھے جس پشت پہ بجلی کی طرح تم
گھر میں عرب کا اصل وہ شبدیز اب کہاں
جس سے کہ آبرو کسی بے بس کی بچ سکے
ایسی دروغ مصلحت آمیز اب کہاں
بے بس مسافروں کو گراتا ہے ریل سے
اور میں سمجھ رہا تھا کہ چنگیز اب کہاں
وہ جس سے شانِ مسلم فاتح بڑھی رہی
وہ قرطبہ وہ صولت کرغیز اب کہاں
واشنگٹن اور ماسکو مرکز ہیں علم کے
بغداد و مرو مشہد و تبریز اب کہاں

جس کے ادب میں ساری چمن بندیاں ہوئیں
گلشن میں وہ شگوفۂ نوخیز اب کہاں
تلواریں چلتی رہتی تھیں جس پر زمانے میں
اس حسن میں وہ غمزۂ خوں ریز اب کہاں
بوڑھے ہوئے ہیں جب سے ظفر اور جوش بھی
اردو زباں میں خامۂ گلریز اب کہاں
بازار تک کی رہ گئی اردو زمانے میں
اس میں علوِ خسرو و پرویز اب کہاں
آزادی اور ترقی کے الفاظ اوڑھ کر
بے شرم ہو کے رہنے سے پرہیز اب کہاں
جس پر کیا تھا میں یہ شعر و ادب نثار
اس حسن میں وفائے دل آویز اب کہاں

فتح مقامات

ایک وہ ہیں جنھیں چاہیے ہے فتح مقامات
بیوی کو مری چاہیے ہیں جمعہ، جمعرات
ماموں کا عقیدہ ہے کہ کافی ہے مناجات
خالو کے لیے کافی ہیں پیروں کی کرامات
روزانہ کبھی نو، کبھی دس گیارہ بجے دن
بستر سے ہیں بھائی کے نکلنے کے یہ اوقات
بیٹے کی یہ خواہش ہے کہ دن بھر ہو سنیما
بہنوں کے لیے ریڈیو ہو تو وہ سنیں بات
میں سب ہی کا باوا ہوں مجھے چاہیے ہے لیمن
لکھنے کے لیے حسن جواں غمزوں کی بہتات
اب وہ جو رہیں صنعت و سائنس و تجارت
مولانا نے فرمایا کہ یہ سب ہیں خرافات
دن رات رموزی کی نظر میں ہیں یہ کرتوت
اس حال پہ اللہ سے ہیں شکوے شکایات

جشنِ آزادی پر

جشنِ آزادی پہ حسنِ طلعت گوہر نثار
اور آزادی پہ سارے دشمنوں کے سر نثار
آج تک کسٹوڈین نے جو کیے ہیں ضبط وقرق
وہ دُکانیں وہ زمینیں وہ سارے گھر نثار
جو خریدا ہے چھپاکر آج انکم ٹیکس سے
ایسے سرکاری خطا کاروں کا سیم و زر نثار
رشوتیں جو لے رہے ہیں جو مظالم ڈھاتے ہیں
جشنِ آزادی پہ ایسے حاکم و افسر نثار
لٹھ دھرے ہیں ووٹ کے بل پر ہوئے ہیں منتخب
ہر منسپلٹی کے ایسے کُل کے کُل ممبر نثار
جو بنائے ہیں بلیکی نفع اور رشوت سے آج
ایسے محلوں کوٹھیوں کے اونچے بام و در نثار
جس میں مظلوموں کی فریادیں دبائی جاتی ہیں
ایسے دفتر کے ملازم اور خود افسر نثار
قتل کرکے ڈاکے میں، ہوجاتے ہیں جن میں فرار
اس طرح کی موٹریں اور ان کے سب شوفر نثار
جو فقط عہدوں کی خاطر کررہے ہیں نوکری
جشن ہذا پر رموزی ایسے سب افسر نثار

ہیں مُرشدِ فطرت کی کرامات ابھی اور!

باقی ہیں محبت پہ سوالات ابھی اور
دینا ہیں ان سب کے جوابات ابھی اور
صرف اک نگہ حسن کی تفصیل پہ مجھ کو
لکھنے بھی لکھنا ہے مقالات ابھی اور
دیکھا تھا بڑی یاس سے اس نے مگر ایسے
جیسے کہ کہیں ہوگی ملاقات ابھی اور
احرار سے ہوں یا ہوں وہ کچھ لیگ سے لیکن
بدلیں گے مسلماں کے خیالات ابھی اور
جو پھونک کے رکھ دیں گے ہر اک نرم و غلط کو
اٹھیں گے زمیں سے وہ بخارات ابھی اور
باقی ہیں اگر ملک میں فاسد اثر انسان
ہوتے ہی رہیں گے یہ فسادات ابھی اور
مظلوم کے ظالم کے لیے خانقاہوں میں
ہیں مرشدِ فطرت کی کرامات ابھی اور
مشکوک مسلماں نہ ہوں نہرو سے ذرا بھی
ہو جائیں اگر چند نزاعات ابھی اور
مزدور وزارت پہ پہنچ کر بھی کہے گا
سرکار سے لینا ہے مراعات ابھی اور
کرتا ہوں میں ہر روز شکایات خدا سے
اس پر بھی ہیں بیتاب شکایات ابھی اور

غضب کہ آج پریشان یورپی اقوام!

غضب کہ آج پریشان یورپی اقوام
بلند تر ہے انھی کی فراستوں کا مقام
انھی میں فکر فلک رس انھی میں ذہن و رسا
انھی کی جدتِ تحقیق کا زمانہ غلام
انھی کے پاس قوانین سلطنت کے رموز
انھی کی عقل کا طے کردہ سلطنت کا نظام
انھی کی بھیک کے ٹکڑوں سے افریقہ زندہ
انھی کی نقل سے دنیا میں ایشیا کا قیام
انھی میں ہمتِ مردانہ وہ بھی اس حد تک
فلک غلام ہو جب ان کی تیغ ہو بے نیام
انھی کے قبضہ میں ہیں بحر و بر کی تقدیریں
انھی کے علم میں قطبین کا قیام و دوام
انھی کے پاس جواہر کی ثروتیں سب جمع
انھی کے گھر میں پرستاں کا حسن گوہر فام

یہ سب ہیں ان میں مگر لوگ پھر بھی کہتے ہیں
یہ جس کے ہوں اسے حاصل نہ ہو کبھی آرام
تمام افریقہ و ایشیا خلاف ان کے
اب ان علاقوں میں ہیں بند ان کے اکثر کام
سبب یہ ہے کہ یہ سب مادّے کے قائل ہیں
یہ جانتے نہیں گویا خدائے خلق کا نام
یہ نسل و مرتبے کے فرق کے علمبردار
اسی سے آج پریشان اور بے آرام
ہے کامیابی رموزی تو عدل و احساں سے
اور اس کو پیش اگر کرسکا تو اک اسلام

ماہ گل افروز

میں صبح کے تاروں کے تبسم میں ہوں بیدار
تو ریشمی بستر پہ نہ بیدار نہ ہوشیار

میں مطلعِ برجیس ہوں تو ماہ دو ہفتہ
اس پر بھی ترے حال ہیں افسردہ سے آثار

اک میں ہوں کہ طوفان کے منہ پھیر رہا ہوں
اک تو ہے کہ گھر تک سے نکلنے سے ہے بیزار

اس ماہ گل افروز میں آ دیکھ مرے ساتھ
جنت کی جوانی کا تماشہ سر کہسار

آ دیکھ مرے دیکھنے کی آنکھ سے ظالم
بارش سے پہاڑوں پہ جو پرجوش ہیں گلزار

بھیگی ہوئی شاخوں کے تموج سے ہے پیدا
دلہن سی لجائی ہوئی اک شوکتِ رفتار

پھولوں سے ڈھلکتی ہوئی بوندوں میں ہے اب تک
وہ تیرے پسینے سے تری طلعتِ رخسار

چٹکی ہوئی کلیوں میں وہ اک موجِ تبسم
جو پہلی نظر میں تری شرمائی تھی اک بار

جس طرح تری زلفیں ہیں بکھری ہوئی ظالم
ان کالی گھٹاؤں میں انھیں کا تو ہے کردار

ابھرے ہوئے غنچوں کے تکبر سے ہیں ظاہر
وہ تن کے ترے چلنے کے اور باتوں کے اطوار

ویسی ہی چٹانوں پہ پھسلنے کی ہی ترکیب
اٹھلانے میں جیسی تھی تری لغزشِ رفتار

وہ چور سا احساس بھی غنچوں میں ہے بے تاب
جو تیرے خیالات میں رہتا ہے نگوں سار

کچھ اور میں کہنے کو تھا تجھ سے از راہِ شوق
یعنی میں وفادار ہوں یا تو ہے وفادار

وہ بات مگر کان میں اک غنچے نے کہہ دی
قربان مری نظم، مری ثروتِ افکار

مجموعۂ کلام

از

مُلّا رموزی

فہرست

- مقدمہ (از مولوی سید لیاقت حسین صاحب ایم۔اے، مولوی فاضل، پونہ) 77
- مناجات 85
- محبوبہ 86
- تمہیدِ محبت 67
- ملاقات 88
- محفلِ شبانہ 89
- بمبئی دے دے 90
- پیامِ دل 91
- مرا کمالِ بیاں اس کی داستاں ہوگی 92
- کتابِ محبت 93
- راجکماری 94
- ملاقات 95
- پھر بھی تم محکوم ہو اور حکمراں انگریز ہیں 96

- پورب سے آرہی ہیں یہ روشن خیالیاں 97
- گھسیٹا کر کر ڈز کھار ہے ہیں 98
- مسماۃ اختری 99
- 1940 کا ایک واعظ 100
- حسن سے 101
- انتظار ترا 102
- ریاست میخانہ 103
- کھیل کود کی عزت 104
- ایڈوانس گھرانہ میں غنڈوں کی حکومت 105
- ساون والے 106
- عید کا دن منانے والو 107
- ہجر و فراق 108
- ہجر و فراق 109
- ہجر و فراق 110
- ہجر و فراق 111
- مہ پارے 112
- عشق اور حسن 113
- دہقان زادی 114
- غریب زادی 115
- جوان ہے آج حسن صبح کوثر 116
- نذرانہ 117
- مذاقِ عشق میں اُس کے مذاق شاعرانہ ہے 118
- مری محبت نے حسن کو آج عشق ساماں بنا دیا ہے 119

- اک اتنی رنگین لگن لگی ہے کہ دل پری خانہ ہوگیا ہے 120
- حسن جوان 121
- شعر لطیف 122
- تری ادا کو بہار کہہ دوں، نگاہ کو نو بہار کہہ دوں 123
- بنا ہوا ہے رموزی رئیسِ میخانہ 124
- غمزۂ جوان 125
- ساون سے 126
- ساون 128
- کہوں کیا کس قدر شاداب میرے دل کی دنیا تھی 130
- بہار کی پیشوائیوں سے جلوسِ جانانہ آرہا ہے 131
- سلام عالی وقار ساون سلام اے تاجدار ساون 132
- اب دیکھوں کیا نگاہ گل افشاں جواب دے؟ 134
- ستارۂ سحر دیکھ جگمگا کے رہا 136
- اک حسن آوارہ میری نظروں میں جیسے اک حسن رہگذر ہے 137
- تذکرہ ہے مرا ہر روز پری خانوں میں 138
- ہجر و وصال 139
- نگاہوں میں ہوں میخانے اداؤں میں پری خانے 140
- مثال اپنی نہیں پاتا ہوں میں عشرت مآلوں میں 141
- جوان چاند کے جلوے نکھار ہا ہوں میں 142
- خدا مجھ کو جمالِ شعر دان اور شعر خوان دیدے 143
- اگر دیکھے نگاہ حسن شرمائی ہوئی سی ہے 144
- یہ بے رخی تری اور مجھ سے قدر دان کے لیے 145
- شب تاب 146

- عشق کی بات 147
- احسان بمبئی 149
- یعنی کہ اب ہونے کو ہے درگت سما کی 150
- پرچے آتے تھے قدیرا کے لیے پانوں میں 151
- وہ جن پہ مر رہا ہوں کوئی پانچ سال سے 152
- خوش اخلاق لوگ 153
- اُس سے ملنے کے طریقے 154
- تری سڑک سے اندھیرا مرے مکان تک ہے 155
- ملا رموزی 156

مقدمہ

(از مولوی سید لیاقت حسین صاحب ایم۔اے، مولوی فاضل، پونہ)

گلابی اردو کی ایجاد نے ملا رموزی کو ہندستان کے گوشہ گوشہ میں جتنی جلد مقبول بنا دیا وہ ادبیات ہند میں ان کی شہرت اور قیمت کو تادیر باقی رکھنے کے لیے کافی تھا، مگر ملا رموزی کا جو وصف ان کو ان کے معاصرین سے بلند کرتا ہے وہ یہ کہ انھوں نے ظرافت کو کبھی ظرافت کی حد تک استعمال نہ کیا بلکہ ان کے پیش نظر انسانوں کی خدمت واصلاح کا جذبہ رہا۔ اسی لیے فطرت نے بھی وسعتِ نظر کی لاجواب دولت ان کو چھپر پھاڑ کر دی۔ چنانچہ انھوں نے اس قابلیت سے نہ فقط ہندستان بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے کام کیا۔ ان کی کتاب ''عورت ذات'' بتاتی ہے کہ وہ ہندستان کے ہر مذہب اور ہر طبقے کے انسانوں کی زندگی سے کس درجہ واقف اور ان کے کتنے خیر سگال ہیں۔

جزیرۃ العرب کی تحریر میں وہ عربوں کے مطالبات کے جس درجہ حامی رہے اس کے لیے اخبار ''خلافت'' بمبئی اور اخبار ''زمیندار'' لاہور کے ذخائر تحریری گواہ ہیں۔

ترکی کی جدید تشکیل میں انھوں نے ہندستان میں مصطفیٰ کمال کی تحریک کا جو پروپیگنڈہ کیا اور ترکی مشاہیر اور ترکی جذبات کی ترجمانی میں جو مضامین لکھے اس کے اعتراف کے طور پر

ہندستان کے مایۂ ناز مشاہیر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اور حضرت غفراں مکان مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب نے ملا رموزی کی خاصی امداد فرمائی جس کا تذکرہ ملا رموزی کی کتاب ''خواتین انگورہ'' میں موجود ہے۔ یہ چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ عام انسانوں کے افکار و حوادث سے نہ صرف کماحقہٗ واقف ہیں بلکہ وہ ایک غضب کا دردمند دل اپنے پہلو میں رکھتے ہیں۔ کائنات عالم کے کسی تاریک سے تاریک گوشہ میں بھی انسان پر ظلم ہو ملا رموزی اس کی اطلاع سے تڑپ جاتے ہیں اور اپنی تحریر کی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ ان کی امداد و ہمدردی کے لیے انتہائی پامردی کے ساتھ تیار ہو جاتے ہیں اور اسی جگہ سے وہ ظریف ہونے پر بھی کمال درجہ کے متین اور حقائق نگار ادیب بن جاتے ہیں۔ گویا وہ ظرافت کے تابع نہیں بلکہ حالات کی رفتار کے ساتھ ساتھ اپنے قلم کی متانت پر بھی کافی زور دیتے ہیں۔ چنانچہ بجز مولانا ظفر علی خاں صاحب مالک اخبار ''زمیندار'' کے اس کمال میں ملا رموزی کا کوئی دوسرا مقابل نہیں کہ انھوں نے عمر بھر نثر نگاری کے کمالات دکھاتے ہوئے اچانک نظم کو بھی ذریعۂ اظہار خیال قرار دیا اور ایک قلیل عرصہ میں انھوں نے ایک چھوڑ دو جدید طرز کے دیوان مکمل کر دیے۔ یہ مجموعہ ان کے ظریف کلام کا مجموعہ ہے جو ندرت بیان کے اعتبار سے ان کی ان تمام خصوصیات کو لیے ہوئے ہے جو اس سے پہلے ان کی نثر کی اچھوتی خصوصیات تسلیم کی جاتی رہی ہیں۔

اس مجموعہ کے دو حصے ہیں جن کو ''افکار داخلی'' اور ''افکار خارجی'' کہہ سکتے ہیں یعنی جنگ فرنگ کے تاثر سے جو نظمیں کہی گئی ہیں ان میں پہلی چیز تو وہی ہے جس کو اوپر بیان کر چکا ہوں یعنی ملا رموزی قوم کے سچے خیر خواہ ہیں اور نوجوان ہندستان کی تخلیق و تعمیر میں ان کے دماغی افکار عالیہ کو بے حد ممتاز درجہ حاصل ہے۔ پس ان کا شعر کہنا بھی محض قومی ادب و زبان اور ملک و قوم کی اصلاح کی خاطر ہے، اس لیے انھوں نے اپنی غزل کے اصول وضع کر کے تمام قومی اخباروں اور ملکی رسالوں میں مشتہر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر ان کے اصول سے کسی کو علمی اختلاف ہو تو وہ ذریعۂ اخبارات بحث و تردید کے لیے تیار ہیں، مگر ان کے اصول کی بنیاد چونکہ خالص عقلی، فطری اور علمی دلائل پر ہے اس لیے ان کے اس مقابلہ میں ایک مضمون بھی شائع نہ ہوا جس کو خالص علمی اختلاف کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اس کے مقابل ان کے شعری کمال کے لیے ہندستان کے دارالحکومت

دہلی کی ایک باوقعت اور نہایت درجہ ممتاز علمی مجلس ''ندوۃ المصنفین دہلی'' کے تحقیقی رسالے ''برہان'' نے اعلان کیا کہ:

''ملا رموزی صاحب جو اپنی ادبی خدمات کی وجہ سے ہندستان کے اردو خواں طبقہ میں کافی شہرت رکھتے ہیں اب چند برسوں سے آپ نے تغزل کے میدان میں قدم رکھا ہے اور اس میں بھی آپ کی طبع ندرت پسند نے قسم قسم کی جدت طرازیاں کی ہیں وغیرہ۔''

زبانِ اردو میں اہلِ قلم حضرات کے ہاتھوں جو بات سب سے زیادہ قابلِ اعتراض پائی جاتی ہے وہ ان حضرات کی غیر محققانہ حیثیت ہے۔ یعنی بجز چند کے بیشتر حضرات ہیں جنھوں نے اردو میں غیر محققانہ ذخیرہ کے انبار لگا دیے ہیں۔ یہی حال اردو کی غزل کا ہے جو یا تو ایرانی غزل گوئی کی ایک لایعنی تقلید و نقل ہے یا پھر اس میں عقل و فطرت کے خلاف ہفوات و خرافات کو نظم کر دیا گیا ہے۔ ایسی شاعری کی مثال میں اردو کی وہ غزلیات پیش کی جا سکتی ہیں جن میں محبوب کی کمر کو بال سے باریک باندھا گیا ہے۔

عہدِ حاضر میں ایک دو اشخاص کے سوا اردو کی غزل کو لفظاً ترقی ضرور ہوئی ہے لیکن معناً وہ اب بھی خلافِ مزاج و فطرت ذخیرہ کی حامل ہے جس کی شرح خود ملا رموزی نے اپنے مقدمہ میں کر دی ہے۔ مثلاً آج کی غزل میں عاشق کا یکسر غلامانہ کردار و متابعت، محبوب کا یکسر بے وفا اور ظالم ہونا گویا آج کی غزل میں بھی صحیح اور ضروری ہے۔

اس لیے ضروری تھا کہ قوم کی ذہنی ترقی اور بیدار تر شعور کے پیشِ نظر ایک ایسی غزل کا آغاز ہو جو فطری حسن و عشق اور ایسے جذبات کی حامل ہو جو عین عقل و فطرت ہوں اور ساتھ ہی ان افکار و قرأت سماعت سے قوم میں یاس و قنوط کے عوض صحیح جوش و مستی اور واقعی اثرات پیدا ہوں۔ پس ان خالص علمی اور محققانہ اصول کے ساتھ ملا رموزی نے جس اجتہاد سے کام لیا وہ کامیاب ہے۔

چنانچہ انھوں سب سے پہلے عاشق کے کردار کو اس عہد کے اعلیٰ تعلیم یافتہ خوددار اور ہوشمند انسان کے کردار میں ڈھال دیا اور اس صحیح اور فطری کلیۂ فطرت پر پہنچ گئے کہ جماعت کے لیے

ایسے عشق کی ضرورت نہیں جو اچھے بھلے انسانوں کو عشق کے نام پر آبادیوں سے نکال کر دشت وصحرا اور بیابانوں میں بھیج دے بلکہ ملا رموزی کا نظریہ یہ ہے کہ محبت ایک فطری ملکہ ہے اور غایت درجہ معتدل اس لیے اس کا پیدا ہونا تو ضروری ہے لیکن بجز چند خاص حالات کے ضروری نہیں ہے کہ ہر عاشق عشق ہوتے ہی گریبان چاک کر کے بیابان میں چلا جائے اور ضروری نہیں ہے کہ ہر محبوب عشق کی پذیرائی کے عوض عاشق کے حق میں ظالم درندہ بن جائے۔

چنانچہ ان کا عاشق اس عہد کا صحیح العقل انسان ہے۔ وہ اپنے فطری ملکۂ محبت کے تحت ایک جوان دوشیزہ سے عشق کرتا ہے، خود با حواس رہتا ہے اور عقلاً بھی رہ سکتا ہے۔ وہ اپنے جذبات کے ساتھ ساتھ جب خوددار، باحیا، غیور اور مردانہ سر بلندیوں کے ساتھ اظہار عشق کرتا ہے تو نسائی فطرت ایسے عشق کو فطری مسرت اور طبعی جوش احترام سے قبول کرتی ہے جو فطرت کا صحیح منشا ہے، اس لیے ان کا عاشق نہ بھری محفل سے ذلیل کر کے نکالا جاتا ہے نہ ان کا حسن ظالم اور خونخوار رہتا ہے۔ کتنا صحیح اور فطری کردار ہے ایک ہوشمند عاشق کا جو ملا رموزی نے تحقیق کیا ہے۔

یہی نمونہ ان کے حسن کے کردار میں ملتا ہے، یعنی ان کا حسن اپنے جمالیاتی مرتبہ میں شاہانہ سربلندیاں، وقار، حجاب، فطری معصومیت اور عشق کرنے والے کے لیے ایثار و قربانی، نوازش و جانثاری کے وہ تمام فطری ملکات لیے ہوئے ہے جو ایک جلیل القدر دوشیزہ عشق کے مقابل اپنی تمام دنیوی سربلندیوں کو ٹھوکر لگا کر اپنے احترام کرنے والے کے لیے وقف کر سکتی ہے۔

ان فطری کرداروں کے بعد اب سوال تھا ان دونوں کے طبعی افکار و حالات، جذبات و حسیات اور واقعات و شعر کی صورت دینے کا۔ چنانچہ اس اہم ترین منزل سے ملا رموزی جس کمال قابلیت سے گزر گئے ہیں وہ ان کی نظمیں اور غزلیں خود بتائیں گی۔ البتہ مجھے جن مخصوص چیزوں کا تعارف کرانا ہے وہ یہ کہ ملا رموزی کی غزلوں کا معیار جس درجہ بلند ہے غضب یہ ہے کہ اتنے ہی بلند معیار کا ادب بھی انھوں نے پیش کر دیا اور اس میں ان کی مسلمہ ادبی فضیلت نے بڑا کام کیا۔ البتہ حیرت خیز بات یہ ہے کہ ملا رموزی اردو کے موجودہ مشاہیر میں نمبر اول کے فصیح البیان اہلِ قلم مانے گئے ہیں اور ان کے مضامین و مطبوعات کی زبان بے حد سلیس، شگفتہ، روزمرہ اور عام فہم ہوتی ہے، لیکن نظم و شعر میں انھوں نے جس درجہ دلکش، شیریں، رنگین اور بلند پایہ زبان، تشبیہات،

استعارات اور نادر تراکیب استعمال کی ہیں وہ ان کی لاجواب ادبی قابلیت کا ایک لائق احترام ثبوت ہے اور جس انشاء سے انھوں نے شعر میں کام لیا ہے وہ زبانِ اردو میں زورِ کلام، حسنِ لفظی اور جمالِ خطابت کے ایک نادر باب کا اضافہ کرتا ہے اور اردو سے یاسیات یا افسردہ اور قنوطی ذخیرۂ ادب کو تباہ کر دینے کے لیے ایک رنگین سلیقے کو پیش کرتا ہے۔ خصوصاً جدید تراکیب کا حسن اور پرانی غزلی اصطلاحات کی پامالی اور بے مزہ حیثیت میں ایک نئی جوانی پیدا کرنے کا محرک ہے۔ مثلاً عمر گزری کہ اردو میں پیر میخانہ، شیخ میخانہ، پیرِ مغاں کے مرتبہ کے لیے کوئی دوسرا لفظ نہ سنا تھا جو اس منصب کو ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو، لیکن ملا رموزی نے ایجاد کی جرأت کی اور اس جگہ صدر میخانہ اور رئیس میکدہ باندھ کر اردو کے اس منصب اور مرتبہ کو جگمگا دیا۔ محبوبہ کی نظر کی طلعت و حشمت کے اظہار کے لیے "نظر تاجدار" کہہ کر غزل کے الفاظ میں جو پُرشکوہ اضافہ کیا وہ ثابت کرتا ہے کہ ایسا ادبی ذخیرہ ہی کسی سربلند قوم کا ذخیرۂ خیال و مزاج ہے اور ایسا ہی جلالت اندوز ذخیرۂ کلام ہو سکتا ہے جو پڑھنے والوں کے مزاج و دماغ اور ان کے عزائم میں بلندی اور وقار پیدا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا تمام تر ذخیرۂ نظم و شعر ایسی بے شمار جدید تراکیب سے منور ہے جو اردو کے شاندار ذخیرۂ لفظی کو جگمگا دیتا ہے۔ اب رہا حسن و عشق کے افکار و تاثرات، کیفیات و واردات کا بیان سو اس کے لیے ملا رموزی کے اس کمالِ قابلیت کا تمام ہندستان معترف ہے کہ وہ جزئیات نگاری کے امام اور فلسفۂ فطرت کے بے مثل ماہر ہیں ان کو نفسیاتِ انسانی پر جو خداساز عبور و ملکہ حاصل ہے اس کے زور سے ناممکن ہے کہ ملا رموزی کسی اہم اور مشکل مسئلہ پر قلم اٹھائیں اور اس کا کوئی عقلی اور واقعی خبر ان کے قلم سے رہ جائے۔ پھر اس سے بھی اونچی ایک اور چیز ہے اور وہ ان کی اصلیت نگاری جس کے متعلق مصنف کتاب "مصنفینِ اردو" نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

> "ملا رموزی کی مقبولیت کا راز ان کی اصلیت نگاری میں ہے اور اسی وجہ سے ان کو ہر سچی بات کہنے والے کی طرح گو نقصان اٹھانا پڑا لیکن انھوں نے بے لاگ تنقید کا دامن کبھی نہیں چھوڑا"۔

(ملاحظہ ہو کتاب، مصنفینِ اردو، ص:197، مطبوعہ دہلی، مرتبہ سید زوّار حسین صاحب)

پس اس کمال وفضیلت کے ساتھ جب انھوں نے وارداتِ حسن وعشق پر قلم اٹھایا تو ان کی غزلیں بتائیں گی کہ انھوں نے عاشق ومعشوق کی قلبی واردات کے ان گوشوں تک رسائی حاصل کرلی جن میں احساس وجذبے کی اولین پرورش ہوتی ہے۔ وہ ایسے دو دلوں کی ان دھڑکنوں تک پہنچ گئے جن تک معمولی شعرا آج تک نہ پہنچ سکے۔ ملا رموزی کے لیے ان کے بے شمار قدر دان اصحاب یہ کہتے سنے گئے کہ کاش ملا رموزی کو یورپ کی فضا ہاتھ آتی۔ یعنی آج یورپ جن اصحاب فکرودماغ کو آسمان وآفتاب کا رتبہ دیے ہوئے ہے ان میں وہ محققین سب سے بلند اور خاص ہیں جنھوں نے اپنے اپنے موضوعات فکروتحقیق کی تحقیق وتحلیل اور صحت وتصدیق کی راہ میں اپنی قیمتی زندگی برباد کردی ہے۔ ملا رموزی میں علاوہ فطری احساس کے تحقیق کے لیے اس کمال کا ایثار د استقلال ہے کہ اگر اس سلسلہ سے ان کی محنت، جدوجہد اور تلاش وتجسس کی زحمتوں تفصیلات معلوم کرلی جائیں تو وہ یورپ کے بڑے سے بڑے محقق کے ہم پایہ نظر آئیں گے مگر آہ کہ ہندستانیوں کی مسلمہ حقیقت اور برادرکش ذہنیت کے پیش نظر انھوں نے ایسی تفصیلات کو کبھی ظاہر بھی نہ کیا۔ البتہ ان کی شعری کاوش بتاتی ہے کہ انھوں نے حسن وعشق کے ملکات کی جانچ اور مشاہدہ کی خاطر ایک طویل عمر گزاری ہے، جس کے بعد ہر فطری ملکہ کو اس درجہ حقیقت اور صحت کے ساتھ بیان کردیا کہ حرف اعتراض کی گنجائش نہیں۔ مثلاً ایک نوجوان دوشیزہ کی ایک فطرت بیان کرتے ہیں کہ:

اک بار جو تو نے دیکھا ہے بس روک لے تو اب اپنی نظر
ایسا نہ ہو ہوجائے یہ اک بار کہیں سو بار کہیں

اب معلوم کرلیجیے یہ ایک فطرت صحیحہ ہے کہ جب کوئی دوشیزہ محسوس کرتی ہے کہ فلاں شخص مجھ کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو پھر وہ بھی اس کے دیکھنے پر حریص رہتی ہے چاہے بظاہر وہ اس سے کتنا ہی اعتراض کرتی رہے۔ یہ وہ نازک جذبہ ہے عورت کی عشق پسند فطرت کا جس کا معلوم کرلینا ایک شاعر کا کام نہیں بلکہ ایک بلند نظر محقق ہی کا کام ہے۔ چنانچہ اس حیثیت سے ملا رموزی کی غزلیات کا ایک ایک مصرعہ واقعات وحقائق کی وہ شاعری ہے جو اردو کی غزلی کائنات کو اس درجہ ترتیب و اہتمام سے سب سے پہلے صرف ملا رموزی کے ذریعہ حاصل ہوئی اور اسی لیے ان کا ایک شعر ایسا نہیں جس کو کسی نہ کسی حقیقت کا حامل نہ کہا جائے۔ ملا رموزی میں کام کے لیے مسلسل محنت،

فولادی عزم اورارادہ کی تکمیل کے لیے پہاڑوں تک سے ٹکرا جانے کی جوفقید المثال قوت ہے اس کی تفصیل تو میں ان کے مجموعۂ آرا بنام "ملا رموزی" میں دکھا چکا ہوں لیکن یہاں اس قوت کے اظہار کے لیے اس حیرت خیز امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ملا رموزی نے نثر میں مضامین اور کتابوں کے جو انبار لگا دیے ہیں ان کے بعد شعر پر متوجہ ہوئے تو آن کی آن میں ایک چھوڑ دو دیوان تیار کر دیے یعنی اس متین دیوان کے ساتھ ہی موصوف نے اکبر مرحوم کے رنگ کا ایک ظریف دیوان بھی تیار کر لیا جس کا مطالعہ بے حد دلفریب اور مفید ہے۔

اس درجہ قلیل وقفہ میں غزل اردو کے لیے ایک نادر سلیقۂ بیان دے دینا ملا رموزی کے اس فاضلانہ تبحر کا صدقہ ہے جو ناہموار و ناساعد حالات اور شدید ترین مصائب و مشکلات میں ان کی خداداد موافقت کرتا ہے۔ غضب کہ ان کے پاس کوئی رنگین دنیا نہیں مگر وہ رنگین تر افکار سے قومی ادب سجاتے ہیں۔ ان کی موافقت میں کوئی نہیں مگر وہ اپنی کوہ شکن استقامت، اپنی سیرت کی فولادی موافقت، اپنے مردانہ حوصلے کی بلندی سے ان تمام فطری اور انسانی مخالفتوں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے قومی ادبیات میں ایک چھوڑ دو جدید تر اسالیب نظم و نثر کے نمونے پیش کرتے ہیں۔

اب میں حضرت ملا رموزی کو اس امر کی داد دیتا ہوں کہ آخر کار انھوں نے محض اپنی مردانہ وار ہمت اور بہادری سے شدید ترین مشکلات کو فتح کر کے تاریخ اردو میں اپنے لیے ایک عظیم الشان اور زندہ جاوید عزت و شہرت حاصل کر لی۔ والسلام

لیاقت حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناجات

خطا معاف ہو پروردگار دے دیجیے　　شراب خانۂ و روئے نگار دے دیجیے
جو مسکراتی ہے لیکن خموش رہتی ہے　　مجھے وہی نگۂ رازدار دے دیجیے
شفق کے بادۂ گلرنگ سے جو چھنتا ہے　　وہ اس کی آنکھوں کا رنگین خمار دے دیجیے
وہ جس شباب میں موجِ شراب لرزاں ہے　　وہی شباب مجھے ایک بار دے دیجیے
جو اس کے دل میں رسیلی کھنک ہے پوشیدہ　　وہی کھنک مجھے اب آشکار دے دیجیے
جو شوخیوں کو سکھاتا ہو احتیاط کے ڈھنگ　　مجھے وہ غمزۂ پرہیز گار دے دیجیے
وہ جس نظر نے مجھے کردیا بلند نظر　　مجھے وہی نظرِ تاجدار دے دیجیے
مرے بغیر کسی کل سکون پا نہ سکے　　اسے کچھ ایسا دلِ بے قرار دے دیجیے
مجھے تو یاد نہیں عیش بھی دیا ہو مجھے　　اگر دیا ہے تو اب بے شمار دے دیجیے
مرے مکان کا ہر گوشہ صحنِ جنت ہو　　بہار دیجیے تو ایسی بہار دے دیجیے
مکان کیا ہو پری خانہ و پرستان ہو　　اور اس میں مطرب طلعت نگار دے دیجیے
دیجیے جو نہ فرعون کو دیا ہو کبھی　　مگر مزاج کچھ ایمان دار دے دیجیے
وہ تلخ و تند پیوں میں کہ ہوش پریشاں ہوں　　مگر دماغ ذرا ہوشیار دے دیجیے
اُسے بٹھا کے مرے سامنے زراہِ کرم　　رباب و چنگ سرِ جوئبار دے دیجیے
وہ میرے ساتھ رہے اور صبح و شام نہ ہوں　　فراغتوں کے یہ لیل و نہار دے دیجیے

ہزار صحت و اقبال سے رموزی کو
جو مانگتا ہے یہ سب بار بار دے دیجیے

محبوبہ

وہ حسن و عشق میں پھولوں کی اک شاداب وادی ہے
میں جس پر جان دیتا ہوں وہ اک گلزارزادی ہے
وہ میرے گھر میں آئے یہ خدا کی شان ورنہ وہ
پرستانوں میں رہتی ہے پرستانوں کی عادی ہے
بظاہر میرے اس کے کوئی رشتہ ہی نہیں ممکن
مگر پیرِ مغاں نے مست ہوکر یہ دعا دی ہے
بساطِ موجِ گل پر سایۂ ابرِ بہاری میں
ہجومِ نغمۂ بلبل میں تیری اس کی شادی ہے

تمہیدِ محبت

کیا کرگئی حالت میرے دل اور جگر کی
وہ ایک ہی شرمیلی جھجک تیری نظر کی
انداز یہ تھا تیری جھجکتی سی نظر کا
شبنم میں ہو انگڑائی سی موج گُلِ تر کی
پیغام محبت تھا جھجک تھی نہ نظر تھی
اک شعر میں تفصیل ہو کیا اس کے اثر کی
وہ دن ہے کہ یہ دن ہے کہ تیری ہی طلب نے
کایا ہی پلٹ دی ہے مرے شام و سحر کی
تجھ تک تو رسائی مری ممکن ہی نہیں تھی
ایسی ہی بلندی ہے ترے بام کی در کی
قاصد کی خوشامد ہی خوشامد میں کہوں کیا
کس طرح سے اک عمرِ گراں مایہ بسر کی
گو لاکھ پریشاں ہیں ترے شوق میں لیکن
قاصد نے ترے خوف سے تجھ کو نہ خبر کی
تو آکے اگر دیکھے تو میں تجھ کو دکھاؤں
وہ خاک جو چھانی ہے تری راہ گزر کی
القصہ رموزی نے ہر اک ایسی اذیت
برداشت جو ہوتی بھی نہ تھی اس نے مگر کی
آغوش میں اب تیرے اگر پھول سا دل ہے
بس اس کو قسم رحم و کرم لطفِ نظر کی

ملاقات

جنت سی تھی وہ صبح درخشانِ ملاقات　　جب مجھ کو ملا تھا ترا فرمانِ ملاقات
پہنچا تو بہت سادہ ادائیں نظر آئیں　　پھر بھی تھا پرستاں ترا ایوانِ ملاقات
اللہ یہ رنگ نگہِ حسن جوانی　　رنگین تھا نظارۂ لرزانِ ملاقات
باتوں کے عوض اُس پہ وہ رنگین حیا تھی　　گویا کہ حیا بھی تھی نگہبانِ ملاقات
مجھ پر یہ اثر تھا کہ میں یہ دیکھ رہا تھا　　ہر جذبۂ گویائی ہے حیرانِ ملاقات
گو اٹھنے نہ دیتی تھی نظر اٹھتی جوانی　　تھا اس میں مگر جوش فراوانِ ملاقات
محسوس ہوا مجھ کو جو یہ جذبۂ رنگیں　　شاداب ہوا میرا گلستانِ ملاقات
نظروں میں تبسم کی وہ جنبش نظر آئی　　گویا کہ ہے لنڈا ہوا طوفانِ ملاقات
کی میں نے پہل بات کی اس جانِ حیا سے　　لیکن فقط اتنی جو تھی شایانِ ملاقات
لرزش سی نظر آئی جوانی میں حیا کی　　شرمانے لگا سہم کے وجدانِ ملاقات
تھی دل میں مرے ایک رسیلی سی لطافت　　اور باتوں میں اس کی شکرستانِ ملاقات
نیچی سی نگاہوں میں وہ بے تاب سی لرزش　　یا رقص میں اک جادوئے مژگانِ ملاقات
گفتار کہ بس کوثر و تسنیم کی موجیں　　نظریں کہ چھلکتے تھے خمستانِ ملاقات
بیمار سی نظریں جو کبھی پڑتی تھیں مجھ پر　　تھرآنے لگا تھا مرا ایمانِ ملاقات
دھڑکن مرے دل کی تھی جو باتوں میں نہاں تھی　　پنہاں تھا اسی میں کہیں ارمانِ ملاقات
احساس تھا یا حسن کی اک فطرتِ بیدار　　پہچان لی اس نے نگہ جانِ ملاقات

نظروں کی کرامت تھی کہ بے بات کیے بھی
طے ہوگیا ہم دونوں میں پیمانِ ملاقات

محفلِ شبانہ

جو بے نیاز ادا و غمزہ ہے میرا اندازِ عاشقانہ
تو خود ہی اب مسکرا رہا ہے مرے لیے حسن خسروانہ

مری غلامی میں نکہت گل ہے اور خوشبوئے عنبری ہے
بکھرتے رہتے ہیں میرے شانوں پہ جب سے وہ گیسوئے شہانہ

یہاں ابھی تک مری جبینِ نیاز ہے مائلِ تکبر
وہاں خوش اقبالیاں لیے ہے مرے لیے اس کا آستانہ

غلام ساقی و میکدہ میرے ساتھ اک رات دیکھ تو لے
جو ریگزاروں میں چاندنی سے دمک رہا ہے شراب خانہ

وہ حسن نوخیز و دولت گل مرے لیے یوں ہوئی مقدر
کہ عین عہدِ گلاب میں ہے شباب جانانہ کا زمانہ

جمال موج بہار ہی سے سنو کبھی اس کی نزہتوں کو
کہا گیا ہے حسین فضاؤں میں میری الفت کا جو فسانہ

شب منور میں دیکھتا تھا کہ وادیاں وجد کر رہی تھیں
جو بال بکھرا کے عشق کا اس نے گنگنایا تھا اک ترانہ

دلہن سی رنگین وادیاں ہیں، جمالِ مہتاب جلوہ گر ہے
وہ جانِ جاں ہے خنک ہوا ہے یہ ہے میری محفل شبانہ

کرامت حسنِ جان جاناں ہے جو میں اردو کی شاعری میں
بلندیوں سے بدل رہا ہوں غزل انداز عامیانہ

جو بجھ رہی ہے قدم قدم پر مرے لیے رات دن رموزی
غرور سلطاں سے پوچھیے اس نظر کا اندازِ خسروانہ

بمبئی دے دے

یہ سب ہندستان لے لے بہارِ بمبئی دے دے
نگارستانِ چینی کیا نگارِ بمبئی دے دے
گزر ہے جس سے اس جانِ نگارستان بمبئی کا
کرم ہوگا مجھے وہ رہ گزارِ بمبئی دے دے
چھچھورے اور کم ظرفے تو اب دیکھے نہیں جاتے
مجھے ان کے عوض حسنِ وقارِ بمبئی دے دے
قسم ان ساڑیوں کی جن سے موجِ لالہ پیدا ہے
کنارِ بحر کا یہ لالہ زارِ بمبئی دے دے
وہ جس کے دامنوں میں موجِ دریا موجِ گوہر ہے
شبِ مہتاب میں وہ کوہسارِ بمبئی دے دے
مجھے حسنِ قمر اور انجم شب تاب کی محفل
خمارِ بادۂ روشن، کنارِ بمبئی دے دے
وہ جس کی اک نظر کی جنبشِ رنگیں میں سب کچھ ہے
مجھے بس اک وہی پروردگارِ بمبئی دے دے
وہ جس میں شعر وانشا کی رموزی قدر دانی ہے
مجھے اب وہ فضائے ہوش دارِ بمبئی دے دے

پیامِ دل

مقابل آ کے تیرے دل میں جو ارماں لرزتے ہیں
یہ ارماں ہیں کہ کچھ اُمڈے ہوئے طوفاں لرزتے ہیں

رُخِ روشن پہ ہلکی سرخیاں یہ جھلملاتی ہیں
کہ موجِ لالہ کے کچھ شبنمی داماں لرزتے ہیں

تری شاہانہ آنکھوں کے نشیلے پن میں دیکھا ہے
مری توبہ کے کچھ ٹوٹے ہوئے پیماں لرزتے ہیں

مجھے تو روٹھ کر بھی ساغر و کوثر ہی دیتے ہیں
ترے وہ چند آنسو جو سرِ مژگاں لرزتے ہیں

شرابِ سرخ کی موجیں ہیں یا تیری جوانی ہے
کہ جس کی اک ادا سے دل تو کیا ایماں لرزتے ہیں

پیامِ دل تجھے پہنچا تو دوں لیکن یہ مشکل ہے
مرا قاصد کہاں تجھ سے ترے درباں لرزتے ہیں

رموزیؔ اس کا حسنِ جلوہ در جلوہ یہ دیکھا ہے
رخِ تاباں میں جیسے کچھ مہِ تاباں لرزتے ہیں

مرا کمالِ بیاں اس کی داستاں ہوگی

بیانِ عشق میں وہ رفعتِ بیاں ہوگی
کہ شانِ عشق میں اک شانِ آسماں ہوگی
چلو سنو تو ذرا محفلِ جمال میں آج
مرا کمالِ بیاں اس کی داستاں ہوگی
لرز رہا ہے کہیں نظمِ تاجداری تک
کہ اک حسین نظر اس پہ حکمراں ہوگی
تو دیکھ لے تو تری ثروتِ نظر کی قسم
خزانہ بخش تری خاکِ آستاں ہوگی
مری غزل میں جو کچھ آئی ہے شبیہ تری
وہ تیرے حال کی اک روز ترجماں ہوگی
پناہ تیری نظر کی یہ شہر آشوبی
اور اس پہ یہ کہ ابھی اور بھی جواں ہوگی
مجھے ضرورت اظہارِ عشق ہی کیوں ہو!
نگاہ حسن اگر ہے تو رازداں ہوگی
جمالِ شعرِ رموزی پہ اک بہار ہی کیا
نثار عقدِ ثریا و کہکشاں ہوگی

کتابِ محبت

یہاں میرا اک خط کتابِ محبت
وہاں اک تبسم جوابِ محبت
جن آنکھوں میں تھی تاجدارانہ نخوت
انہی میں ہے لرزاں حجابِ محبت
شکوہ شہانہ سے کیا دب سکیں گے
خدائے خودی ہیں خرابِ محبت
ہے اک مرکزِ نور و حکمت مرا دل
میں جب سے ہوا بہرہ یابِ محبت
شرابِ نظر تاب شرما رہی تھی
پلائی جو اس نے شرابِ محبت
اک ایوان شاہانہ سے آج مجھ تک
لے آیا اُسے اضطرابِ محبت
سلیقہ ہی تھا جب تو شہزادیوں میں
میں بن کر رہا آفتابِ محبت
پرستاں بھی وجد سا پا رہا تھا
میں جس دن ہوا بار یابِ محبت

راجکماری

اک ثروت حسنِ گلِ تر راجکماری
اک تابِ قمر، موجِ گہر، راجکماری
زرّیں قبا میں رخِ دوشیزہ کی طلعت
یا صبح کا اک مطلعِ زر راجکماری
پروردہ بصد حشمتِ ایوانِ شہانہ
سرمایۂ اقبال و ظفر راجکماری
وہ جوشِ شراب اس کی جوانی میں ہے جیسے
میخانہ و ساغر کی خبر راجکماری
ماحول ہے بیگانۂ آفاتِ زمانہ
پھر اس پہ بھی آشفتہ نظر راجکماری
پوچھے تو کوئی اس سے کہ کیوں آئی ہے مجھ تک
تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر راجکماری

ملاقات

مجھ کو خدائے دوجہاں جنت مستقر ملی
یعنی ترے کرم سے وہ شوکتِ تاجور ملی

رونقِ بزم طوس تک قدموں میں میرے آگئی
ملتے ہوئے گلے سے جب اس کی مری نظر ملی

مجھ کو یقین تھا کہ ہے میری ہی چشمِ خوں فشاں
مجھے ملی تو کیا کہوں اس کی بھی چشمِ تر ملی

خوف و خطر کی دھڑکنیں مجھ سے نہ جا سکیں کبھی
اور وہ دولتِ جواں خطرہ میں بے خطر ملی

اور دھڑک رہا تھا دل جھوٹ سمجھ رہا تھا میں
جب مجھے اس کے آنے کی پہلے پہل خبر ملی

شام کی نکہتوں کے ساتھ چشمۂ دلکشا پہ آج
اس کی جواں نظر ملی روشنی قمر ملی

لرزہ فیض و مرحمت طائرِ پر بریدہ کو
پھر سے چمن کے واسطے طاقتِ بال و پر ملی

پھر بھی تم محکوم ہو اور حکمراں انگریز ہیں

جب یہ چاہو تم کہ اس سے دل لگانا چاہیے
اس سے پہلے ریڈیو سے گھر سجانا چاہیے
نیم عریاں بلکہ عریاں جن میں تصویریں ہی ہوں
ایسے انگریزی رسالے بھی منگانا چاہیے
غم نہ کیجیے ایسی تصویریں ہیں صحت کے لیے
اور صحت تو ہر انساں کو بڑھانا چاہیے
ان سے شرمائیں اگر ہندوستاں کی لڑکیاں
تو ''السٹرڈ ویکلی'' ان کو دکھانا چاہیے
ہرج کیا ہے قوم ورزش میں جو ننگی ہوگئی
ایسی باتوں کا تمھیں اب غم نہ کھانا چاہیے
تم تو ہو اب دوسروں کی نقل کرنے کے لیے
ہے یہ صحت صرف اب ذلت سے مرنے کے لیے
یہ ضوابط گو ترقی خیز و صحت خیز ہیں
پھر بھی تم محکوم ہو اور حکمراں انگریز ہیں

پورب سے آرہی ہیں یہ روشن خیالیاں

چوٹی کے بدلے سر پہ ہیں ریشم کی جالیاں
کالے لبوں پہ خونِ تمنا کی لالیاں
چوٹی کٹا کے ہیٹ ہے لیلیٰ کے سر پہ آج
مجنوں کی دیکھیے تو ذرا انفعالیاں
ہیں اینگلو انڈین سے بھی رتبہ میں کمتریں
ان گوریوں میں لاکھ ملیں اپنی کالیاں
مسٹر لنگوٹ بند ہیں پاجامہ پھینک کر
مس نے اُتار پھینکی ہیں کانوں سے بالیاں
بے پردہ ہو کے آئیں کریمن کی والدہ
مسٹر بجا رہے ہیں کھڑے ہو کے تالیاں
آوارگی کے داموں سے فیشن ہے برقرار
اک شاہ دش جمال کی یہ خستہ حالیاں
امراض لارہی ہیں وہ ہندستان میں
پورب کی گندگی کی جو آئیں ہیں نالیاں
چہرہ ہے زرد قرض ہے بائیسکوپ کا
شادابیوں کے عہد میں یہ خشک سالیاں
مردوں کو کوستی ہیں کہ پردہ میں کیوں رکھا
مس صاحبہ کی سنیے تو آتش مقالیاں
بے پردہ ہو کے رہ گئیں بے مقصد و عمل
ستار خاں کی ساری مڈل پاس سالیاں
اسلام اور ہند کی تہذیب سے نہیں
پورب سے آرہی ہیں یہ روشن خیالیاں
تاریکِ ذوق کہہ کے رموزی کی نظم کو
اردو میں دے رہی ہیں وہ انگلش کی گالیاں

گھسیٹا اکڑ کر ڈنر کھا رہے ہیں

اچانک ڈنر پر جو اب جا رہے ہیں
گھسیٹا پریشاں ہیں گھبرا رہے ہیں
غلط بخش فطرت کی بخشش تو دیکھو
گھسیٹا اکڑ کر ڈنر کھا رہے ہیں
سیہ سوٹ میں ہیں سیہ فام خود ہیں
ڈنر کی صفائی کو شرما رہے ہیں
مصیبت تو یہ ہے کہ افسر بھی ہیں وہ
اسی خیال سے اور اِترا رہے ہیں
کلکٹر کے خط پر ہوئے ہیں وہ افسر
سفارش کی تنخواہ وہ پا رہے ہیں
وہ انگلش میں بس دستخط کر رہے ہیں
مسل خواں مسل ان کو سمجھا رہے ہیں
بڑے کروفر سے بڑے دبدبے سے
وہ دفتر سے موٹر میں گھر آ رہے ہیں
وہ تحریکِ قومی کے ہیں دل سے دشمن
وہ گاندھی پہ بھی غصہ فرما رہے ہیں
غریبوں کے جذبات سے بے خبر ہیں
اسی واسطے آپ گرما رہے ہیں
غریبوں کے ملنے سے بیزار ہیں وہ
امیروں کے آگے جھکے جا رہے ہیں

مسماۃ اختری

گنجے کو دی گئی ہے یہ ناخن کی برتری
جس کی سفارشوں پہ ہو ڈپٹی کلکٹری
تنخواہ کے حساب سے میں بھی ہوں مانتا
جولائی و اگست سے بہتر ہے فروری
اصحابِ علم وفضل کی بدبختیاں نہ پوچھ
اربابِ مقدرت کی وہ کرتے ہیں چاکری
جو اونچے درجے کی کبھی اردو نہ پڑھ سکے
کیا خاک اُس سے پاؤں گا دادِ سخنوری
انگلش میں آپ لاکھ کلکٹر سہی مگر
قدرِ ہنر کے واسطے ہو علمِ جوہری
میونسپلٹیوں کے مقدموں میں دیکھیے
ہندستانیوں کی کبھی عدل گستری
میں فیڈرلی جمالِ جہاں تاب پا تو لوں
پھر دیکھیے گا آپ مری بھی گورنری
اب اونٹ اور محافہ کا جھگڑا نہیں رہا
لیلیٰ جو موٹری ہے تو مجنوں بھی موٹری
افسوس میرے پاس ہے اک ٹوٹی سائیکل
اب کیسے ہاتھ آئے وہ اُڑتی ہوئی پری
اب مس بنی ہوئی ہیں وہ بائیسکوپ میں
یعنی وہ اپنے ہاں کی مسماۃِ اختری

1940 کا ایک واعظ

بظاہر واعظِ رنگین میں ذوقِ مصلحانہ ہے
اور اس پر وضع بھی ساری کی ساری قاضیانہ ہے
لبیں ترشیدہ چشمِ سرمہ سا زلفِ حنا بستہ
قبائے زہد پر ڈاڑھی بھی اس کی مفتیانہ ہے
حکایاتِ محبت وعظ میں اس طرح کہتا ہے
کہ جیسے عشقِ حق ہے اور مذاقِ عارفانہ ہے
مزے لے لے کے قصے شوہر و زوجہ کے کہتا ہے
اُدھر جھک کر جدھر مجلس میں ایک درجہ زنانہ ہے
حقوقِ زوجہ کو فائق بتاتا ہے یہ شوہر پر
کہ شرعِ یورپی میں یہ مساواتی زمانہ ہے
یہ اس کے وعظ میں مردوں سے زیادہ عورتیں کیوں ہیں
مرے نزدیک تو یہ اک کمالِ واعظانہ ہے
گھماتا ہے بحالِ وعظ جب بھی سُرمگیں آنکھیں
یہی اس اک واعظانہ طرز اس کا قاتلانہ ہے
بڑی پاکیزہ صورت ہے بڑی شائستہ باتیں ہیں
ملاقاتوں میں اس کی احتیاط صوفیانہ ہے
غرض مشہور ہے یہ عورتوں میں اولیاء اللہ
نظر تک میں اسی باعث جمالِ زاہدانہ ہے
مگر سی آئی ڈی والے رموزی سے یہ کہتے ہیں
کہ اس کے وعظ میں ہلکا سا رنگِ عاشقانہ ہے

حسن سے

ہند کے حسنِ مضمحل، آ تجھے اک شباب دوں
یعنی میں ایک معتدل طلعتِ ماہتاب دوں
تیرا فسردہ رنگ د رُخ پھر سے ہو مایہ دارِ حسن
جوشِ نگاہ برق دوں رنگِ رگِ گلاب دوں
وہ جو زمانے کے لیے عقدہ کشائے عقل ہو
زلفِ گرہ گیر کا وہ آ تجھے پیچ د تاب دوں
وادیٔ گل میں لے چلوں سایۂ ابر میں تجھے
چشمۂ آبِ صاف پر شوق ہزار باب دوں
عشق کی اک ترنگ دوں حسن کی ایک امنگ دوں
دونوں کے امتزاج سے آ تجھے اک شراب دوں
اتنی جواں فضا میں پھر تیری ہر ایک امنگ کو
فطرت نوبہار کا غمزۂ بے حجاب دوں
یعنی میں تیرے حسن پر آج اس اہتمام سے
حور کا دل تڑپ اٹھے تجھ کو وہ اک کتاب دوں
قدرِ جمال کے لیے عشق ہی ایک چیز ہے
آ، کہ میں تجھ کو عشق دوں، عشق بھی انتخاب دوں
دیکھ قصیدہ نظر چاند کو دے رہا ہے دشت
تیری نگاہ کی قسم کہہ تو اسے جواب دوں
پھولوں کی شاہزادیاں تیری غلاموں میں ہوں
اور کمالِ عشق سے عشرت کامیاب دوں
آ یہ حجاب چھوڑ دے بندشِ رسم توڑ دے
آ کہ ترے جمال کو شہرتِ آفتاب دوں

انتظار ترا

مرے لیے ہے جو اک طرز ساز گار ترا
غضب ہے میرے لے اس پہ انتظار ترا
سہی کہ ہیں تو رموزِ نگاہ و حسنِ نظر
مگر سمجھ تو سکے ان کو بے قرار ترا
اُدھر ارادہ ہی ہوتا رہے ترا لیکن
اِدھر تباہ نہ ہوجائے اشک بار ترا
جو دیکھ لے تجھے دلہن بنا ہوا اک دن
وہ آپ چاہے گا دیدار بار بار ترا
تری فراست و ہمت ترے کرم کی قسم
ترے بغیر ہے برباد رازدار ترا
غضب کہ عشق و محبت میں احتیاطِ نظر
مجھے تو چاہیے ہے لطفِ آشکار ترا
شبابِ حسنِ ثریا تری نظر پہ نثار
جمالِ صبح بھی ہے اک ادب گزار ترا
پناہ اُٹھتی جوانی پہ یہ بہارِ نظر
اور ان پہ طرفہ غضب حسن ے گسار ترا
فسانہ ہائے کمالِ وفائے لیلیٰ کو
مٹا سکے گا فقط مجھ پہ اعتبار ترا
اٹھ اور عشق کو پھر ایک روشنی دے دے
تجھے بہار بنادوں وہ زندگی دے دے

ریاست میخانہ

ہمراز، آ لطافتِ صبحِ شراب دیکھ
یعنی شبابِ یار میں رنگِ گلاب دیکھ

مری نظر سے جو ہے اب آمادۂ وفا
وہ با حجاب سی نگہِ مستجاب دیکھ

جو راہ ڈھونڈتا ہے پیام و کلام کی
آ اور نگاہِ حسن کا وہ اضطراب دیکھ

جو مسکراہٹیں سی لیے ہے مرے لیے
وہ اس کی مجھ سے تمکنتِ لاجواب دیکھ

یوں دیکھتی ہے جیسے مجھے دیکھتی نہیں
اس کی نظر کا مجھ سے یہ اک اجتناب دیکھ

تجھ کو اگر ریاستِ میخانہ چاہیے
اُس جانِ میکدہ کی ادائے شباب دیکھ

جس کے حجاب پر ہے فدا عصمتِ نجم
آ اور مری نگاہ کا وہ انتخاب دیکھ

آخر کو مسکرا ہی دیا حسنِ تاجور
میرے کمالِ عشق سے یہ انقلاب دیکھ

جس کی غلامیوں میں ہے اب چاندنی کا جوش
خوابیدہ میرے گھر میں وہ اک ماہتاب دیکھ

جس کی نظر سے شوکتِ پرویز ہے جواں
اس سے مرے کلام کا یہ انتساب دیکھ

کھیل کود کی عزت

سہی کہ علم کے دریا بہا رہا ہوں میں — دماغ و عقل کو جنت بنا رہا ہوں میں
مگر یہ غم ہے کہ ہندستان میں رہ کر — کمالِ علم کی قیمت گھٹا رہا ہوں میں
یہاں تو شوق ہے ہاکی کا کرکٹ کا — میں بے وقوف کہ حکمت سکھا رہا ہوں میں
بس اس سبب سے میں مضموں نگار رہ نہ سکا — اور آج قوم کو ہاکی کھلا رہا ہوں میں
میں علم و شعر سے کشمیر تک بھی جا نہ سکا — غریب خانے ہی میں دکھ اُٹھا رہا ہوں میں
مگر میں ہاکی جو کھیلا تو دھیان چند کے ساتھ — یہ دیکھ لیجے کہ یورپ کو جا رہا ہوں میں
وہاں سے بن کے میں آیا ہوں جب سے اولمپک — بسوں کے ساتھ بھی اب لنچ کھا رہا ہوں میں
بجا رہے ہیں کھڑے تالیاں کلکٹر تک — جوان کے ہاتھ سے کپ لے کے آ رہا ہوں میں
تمام جلسہ نے کب پہلے وقت یہ دیکھا! — کہ ڈٹ کے ہاتھ بھی ان سے ملا رہا ہوں میں
بتاؤ قوم کی عزت سے یہ عروج کہاں — جو کھیل کود سے تم کو دکھا رہا ہوں میں
مگر عجب کہ زمانہ کا چمپئن ہوکر — دھیان چند کو نوکر ہی پا رہا ہوں میں
وہ گھر میں بیٹھ کے آرام و عیش کر نہ سکا — جو سن رہا ہوں تمھیں بھی سنا رہا ہوں میں
تمام قوم میں اہلِ کمال کی یہ گت — جو دیکھ لی ہے تو لندن کو جا رہا ہوں میں

وہاں پہنچ کے رسوزی میں اک غزل پڑھ کر
بسوں کے ساتھ ہوں، دھسکی اُڑا رہا ہوں میں

ایڈوانس گھرانہ میں غنڈوں کی حکومت

صاحب کے گھرانے میں ہے غنڈوں کی حکومت
محنت سے وفاداری سے کرتا ہے وہ خدمت
مُسٹنڈے بشیرا پہ ہے صاحب کو بھروسہ
اولاد سے زیادہ ہے بشیرا پہ عنایت
اشراف کو صاحب سے یہ ملنے نہیں دیتا
صاحب ہی نے دے رکھی ہے اب اس کو یہ قدرت
اک روز کہا میں نے یہ صاحب سے کہ بھائی
اک غنڈے کو اور آپ کے گھر میں یہ فراغت
چاہے جسے جو کہہ دے جسے چاہے ملا دے
کیوں دی ہے اسے آپ نے یوں گھر میں ریاست
فرمایا ذرا ہنس کے یہ انگریزی ادا سے
نانا کا یہ پروردہ ہے اور اہلِ دیانت
پھر بھی یہ کہا میں نے کہ پبلک ہی کی خاطر
اس گھر میں بظاہر ہی ہو کچھ عزت و غیرت
سگریٹ جلاتے ہوئے آہستہ سے بولے
1938 یورپ زدہ طبقات میں اور عزت و غیرت

ساون والے

چلے ہیں ساون کی سیر کو آج مجھ سے نظریں چرانے والے
بہار کی موج رنگ و بو میں نظر سے جادو جگانے والے
شراب کا دھیان کس کو تھا رُک گئے تھے میخانے جانے والے
کچھ اس ادا سے گزر رہے تھے شباب سے لڑکھڑانے والے
خیال کی رو میں مستیوں کے شراب خانے بہانے والے
صبا کی موج جواں کے مانند جوش سے سنسنانے والے
وہ اپنے اٹھتے شباب ہی سے چھلکنے والے، لجانے والے
محبتوں کی نظر سے دل پر رنگیلی بجلی گرانے والے
وہ عشق کی دُھن میں رہنے والے اسی کے اشعار گانے والے
رنگیلے ارماں سے انگلیوں پر رسیلی مہندی لگانے والے
وہ آبشاروں کے پاس مستانہ وار ساون منانے والے
وہ دھیمے دھیمے سُروں میں کچھ گنگنانے والے، نہانے والے
عذابِ غم سے بچانے والے تمام فکریں بھلانے والے
مرے شبستانِ غم میں آسودگی کی شمعیں جلانے والے
اُدھر تو یہ حکمت کہ خود کو نگاہ تک سے بچانے والے
ادھر مرے نام ہی پہ اپنی تمام دنیا لٹانے والے
ہزار آفات سے بچا کر یہی ہیں نظمیں لکھانے والے
یہی ہیں ساون کی چاندنی میں مجھے شرابیں پلانے والے
بہار پروردہ ہیں رموزی کے آج کل ناز اٹھانے والے
جمالِ شعر و سخن کو اس کے محبتوں سے سجانے والے

عید کا دن منانے والو

اٹھو کہ صبح شراب آئی اگر ہو پینے پلانے والو
سنور تو جاؤ بطرز رندانہ عید کا دن منانے والو

اٹھو کہ ہے خندۂ سحر میں جمالِ جنت کی مسکراہٹ
یہ بستروں ہی میں بے سبب آج قہقہے سے لگانے والو

ستارۂ صبح کے جلو میں افق پہ شرمیلی روشنی ہے
جوان انگڑائیوں کے سینہ شکن اثر سے لجانے والو

افق کی نم خوردہ طلعتوں میں جواں کرن مسکرا رہی ہے
اٹھو تو بستر میں مسکرا مسکرا کے منہ کو چھپانے والو

شفق کی شبنم فروز سرخی میں میکدے وجد کر رہے ہیں
خمارِ شب کی نگاہ سے ان کی رونقوں کو بڑھانے والو

مسہریوں میں یہ کروٹیں ہیں کہ جامِ مے کی یہ لرزشیں ہیں
کبھی کبھی اپنی زلفِ برہم سے اپنا چہرہ چھپانے والو

اٹھو کہ یہ صبح نور ہے، صبح عید ہے اور صبح ارماں
اٹھو اٹھو عید کے لیے رات بھر سے مہندی رچانے والو

نسیمِ گلریز احتراماً تمھارے قدموں کو چومتی ہے
اٹھو اٹھو روح عطر و عنبر سے آج کے دن نہانے والو

یہ بات کیا ہے کہ عید کے دن بھی دل ہی دل میں اداس ہو تم
کہو تو نظریں چرانے والو کسی سے دل کو لگانے والو

یہ عید کا دن ہے سچ کہو تم کو کیا کوئی یاد آ رہا ہے
کہو تو اٹھتی جوانیوں کی تڑپ کو ہنس کر دبانے والے

بہر نظر کچھ بھی ہو مجھے کیا کہ میں رموزی ہوں یعنی شاعر
مری طرف سے تمھیں مبارک ہو عید کا دن منانے والو

ہجر و فراق

آیا ہے بہاروں کا گلستاں کا زمانہ
یعنی ترے اقرار کا پیاں کا زمانہ
وہ میرے لیے اک شبِ ہجراں کا زمانہ
اور اس کے لیے گریۂ پنہاں کا زمانہ
ملنے کے اشارے تو ہیں گو مل نہیں سکتے
رنگین ہے یوں صبر گریزاں کا زمانہ
مسحور و مسخر ہے دوعالم کی جلالت
اللہ ترے جادوئے مژگاں کا زمانہ
کیا کہیے کہ رہتا ہے وہاں وقتِ شکایت
آنکھوں میں اک اُمڈے ہوئے طوفاں کا زمانہ
اللہ جوانی بھی ہے بیمار غضب ہے!
اک حسن پہ اور گردشِ گرداں کا زمانہ
طوفانِ جوانی ہے وہاں اور شرابیں
خطرہ سے قریں ہے مرے ایماں کا زمانہ
ارمان کی طاقت سے خبردار ہو واعظ
تہذیب کی قیدوں میں اور ارماں کا زمانہ
یہ کس کو خبر ہے کہ مرے گھر میں کٹا ہے
اس عشق میں اک طلعتِ سلطاں کا زمانہ
یہ اس کی اُداسی تو نہ تھی آج رموزی
گلزار میں دیکھا ہے بیاباں کا زمانہ

ہجر و فراق

یہ دن بھی آیا کہ ہجر میں تیری یاد اس طرح آ رہی ہے
کہ جیسے شادابیوں میں بھی اک خزاں بہاروں پہ چھا رہی ہے
تری جدائی دماغ و دل کی لطافتیں یوں مٹا رہی ہے
کہ جیسے دوزخ کی آگ جھنجھلا کے جنتوں کو جلا رہی ہے
رخِ نگاریں پہ تیرے ہر لحظہ کاکلوں کی جو برہمی تھی
اسی کی اک یاد ہے جو دل میں ہزار طوفاں اٹھا رہی ہے
وہ تیرا مدہوش سا مرے پاس آ کے بے وجہ مسکرانا
اسی کی اک یاد ہے جو مجھ کو مٹا رہی ہے رُلا رہی ہے
وہ آخری دن تری طرف سے مرے لیے جو نوازشیں تھیں
نہیں ہیں اب وہ تو جیسے اُن کے لیے مری جان جا رہی ہے
یہ وہم ہے یا تری ہی تصویر یوں کھڑی ہے سکوتِ شب میں
کہ جیسے مجھ کو دبی زباں سے وہ رازِ دل اب سنا رہی ہے
یہ ہجر ہے قرب تو نہیں ہے مگر یہ کیا بات ہے کہ پھر بھی
تجھی سے باتیں میں کر رہا ہوں تری ہی آواز آ رہی ہے
یہ اس کی ملنے کی فال ہے جو اسے رموزی مری نظر میں
ہزار پردوں سے کھینچتی ہے ہزار پردوں سے لا رہی ہے

ہجر و فراق

آج کہتا ہوں ترے حسنِ فروزاں کی قسم
تیرے رنگین مگر غمزۂ ناداں کی قسم
میں نے دوزخ کی بھی وہ آگ نہ کبھی ہوگی
جو ترے ہجر میں ہے صدمۂ ہجراں کی قسم
ہاں مگر حسن کی فطرت ہے جو خود عشق سرشت
تجھ میں بھی عشق ہے اُس عشقِ فراواں کی قسم
فرق یہ ہے کہ میں بے خود ہوں مگر تو صابر
صبر ہے تو مگر اس صبرِ گریزاں کی قسم
میں تو آزاد ہوں جذبات کے اظہار میں بھی
اُف مگر تیرے ہر اک گریۂ پنہاں کی قسم
اک ہی وقت میں ہم تم ہیں پریشانِ فراق
حسن اور عشق کے اس حالِ پریشاں کی قسم
یہ تو کہتا نہیں تو راہ نکالے کیسے
اک رسیلی سی مگر جرأتِ جولاں کی قسم

تیرے افسانوں کو اس طرح بیاں کرتا ہوں
حسن کھائے گا رموزی سے غزل خواں کی قسم

ہجر وفراق

میں کیا کہوں آج مجھ سے کتنی جوانیاں عشق کر رہی ہیں
خلافِ فطرت رسوم کی بندشوں سے لیکن وہ ڈر رہی ہیں

مری نظر ہو تو دیکھ لیجیے کہ جذبۂ عشق و عاشقی سے
اسی جہانِ خراب میں آج کتنی حوریں سنور رہی ہیں

نصیب جاگے تو غور سے ان کے مست شانوں پہ دیکھ لیجے
جوانیاں ہیں جو زلف بن کر مچل رہی ہیں بکھر رہی ہیں

جوانیاں آج تک جو محرومِ عشق و الفت رکھی گئی ہیں
تو اپنی بربادیوں کا الزام گھر کے بوڑھوں پہ دھر رہی ہے

وہ دیکھتی ہی رہیں کہاں تک جوانیوں کی جواں امنگیں
جو ایک مدت سے اُن کی نظروں سے خواب بن کر گزر رہی ہیں

اُدھر تو یہ بندشیں ہیں گھر پہ اِدھر مرے ہاں محبتیں ہیں
یہی ہے وہ رمزِ عاشقانہ جو وہ رموزی پہ مر رہی ہیں

مہ پارے

آج دیکھا فلم کے دوشیزہ مہ پاروں کا رنگ
جوش پر آیا ہوا ہو جیسے گلزاروں کا رنگ
غمزۂ مخمور میں جوشِ جمالِ میکدہ
اور بہاروں کی لطافت، ان کے رخساروں کا رنگ
ان کے سینہ کا شبابِ مست و عریاں دیکھ کر
لڑکھڑا جانے پہ تھا مجبور میخواروں کا رنگ
ہر نظر پاکیزہ و آزاد لیکن کیا کہوں
مسکراتا تھا اسی میں نو گرفتاروں کا رنگ
اس طرح اسٹیج پر آئیں یہ گلشن زادیاں
اُڑ گیا بے ساختہ چہرہ سے خود داروں کا رنگ
گاتے گاتے مسکرائیں جب یہ کچھ منہ پھیر کر
دید کے قابل تھا اب مجھ سے گنہگاروں کا رنگ
ناچنے میں ایک جادو تھا وہ ان کا پیچ و خم
جگمگا جاتا تھا جب پوشاک کے تاروں کا رنگ
مسکراہٹ ان کی سب کے واسطے تھی اور نہ تھی
یعنی اقراروں میں خنداں ان کے انکاروں کا رنگ
اُف تماشائی تو سب ہندوستاں کے فاقہ کش
اور اُن کے سامنے یورپ کے شہ پاروں کا رنگ
آہ لیکن آج تک خط بھی نہ آیا ایک کا
دیکھیے اب ہم غریبوں اور بے چاروں کا رنگ

عشق اور حسن

اِدھر ہر شام امیدوں کی طاقت کو گھٹاتی ہے   اُدھر ہر صبح امیدوں کی طاقت کو بڑھاتی ہے
اِدھر دل کی ہر اک دھڑکن پیامِ یاس لاتی ہے   اُدھر اک مطمئن امید سی کچھ گنگناتی ہے
اِدھر جو لو بھی اٹھتی ہے وہ خاکستر بناتی ہے   اُدھر سے جو لپٹ آتی ہے وہ کلیاں کھلاتی ہے
اِدھر اک روٹھ جانے کی ادا دل ڈگمگاتی ہے   اُدھر سے پردہ پردہ مسکراہٹ پھر مناتی ہے
اِدھر افسردگی عمرِ گراں مایہ گھٹاتی ہے   اُدھر سے خضر کی عمرِ جواں جادو جگاتی ہے
اِدھر بوڑھی سی تاریکی دماغ و دل پہ چھاتی ہے   اُدھر مہتاب کی دوشیزگی شمعیں جلاتی ہے
اِدھر برسوں کی کوشش اور ناکامی تھکاتی ہے   اُدھر ساقی کی فیاضی شرابِ سرخ لاتی ہے
اِدھر مجلس کی مجلس حوصلہ جب پست پاتی ہے   اُدھر اک مست لے آتی ہے اور کچھ چھیڑ جاتی ہے
اِدھر جب استقامت مجھ سے کچھ نظریں چراتی ہے   اُدھر محجوب سی امید پھر مژدہ سناتی ہے
اِدھر بے ہمتی راہِ سکوں مجھ کو دکھاتی ہے   اُدھر سے جرأتِ اسکندر و دارا ہنساتی ہے
اِدھر تدبیر عقلی رنگِ نقشِ دل مٹاتی ہے   اُدھر تقدیر رنگا رنگ اس کو پھر سجاتی ہے
اِدھر اک مضطرب سی آنکھ جب آنسو بہاتی ہے   اُدھر بھی اک تڑپتی سی ادا کچھ لڑکھڑاتی ہے
اِدھر لکھتا ہوں جب افسانۂ تاریک تر اپنا   اُدھر ناہید کی رنگین فطرت جگمگاتی ہے
اِدھر عالی نگاہی جب مری ہمت بندھاتی ہے   اُدھر قدموں پہ میرے کہکشاں جلوے لٹاتی ہے
اِدھر جب رات میرے حوصلوں سے منہ چھپاتی ہے   اُدھر میرے لیے صبحِ سعادت مسکراتی ہے

اِدھر میری لطافت شعر گوہر پایہ لاتی ہے
اُدھر اک قدر و کیفیت ہے جو آنکھیں بچھاتی ہے

دہقان زادی

دیہات میں آ دیکھ یہاں حسنِ بیاباں   ویران فضاؤں میں گلستاں پہ گلستاں
سنورے ہوئے فطرت کے جمالوں سے یہاں ہیں   شرمیلی جوانی کے پرستاں پہ پرستاں
بدبخت ذرا دیکھ تو لے عمر میں اپنی   جنگل میں ندی پر کی کبھی صبحِ درخشاں
تو شوکتِ شاہانہ اگر بھول نہ جائے   آ دیکھ تو لے ایک جواں غمزۂ دہقاں
پریوں کا اکھاڑہ ہے ندی کا ہے کنارا   پریاں ہیں کہ حوریں ہیں کہ طاؤس ہیں رقصاں
اُڑتی سی شرابیں ہیں نگاہیں تو نہیں ہیں   اور ان میں تبسم کا ہے اک غمزۂ لرزاں
آنچل سے ہے اٹھتے ہوئے سینہ کی بغاوت   پنڈلی سے اُڑے جاتے ہیں لٹکے ہوئے داماں
جھاڑی میں ابھی چھپ کے ذرا بیٹھے تو رہیے   زندہ ہیں تو ہوجائے گا کفارۂ ایماں

دہقان کی بیٹی ہے حکومت ہے نہ دولت   ہے اس کی غلامی میں مگر سطوتِ سلطاں
موٹر ہے سواری میں نہ خدّام جلو میں   اس پر بھی وہ چاہے تو ملائک بھی ہو قرباں
اک حور اتر آئی ہے جنگل کی زمیں پر   اک خلد بریں اُس کی ہر اک جنبشِ مژگاں
اک جنبشِ سادہ ہی سے شاہوں کو جھکا لے   اس چاند سے مکھڑے پہ ہے وہ کاکلِ پیچاں
پاؤڈر ہے، لونڈر ہے، نہ لالی ہے لبوں پر   لیکن رخِ رنگیں کہ شہِ شہر پریشاں
تمکین شہانہ ہے نہ نخرہ نہ تکبر   معصوم جوانی ہے کہ اک موجِ بہاراں
گھر ہے تو مگر وہ کہ نہ پہرا ہے نہ چوکی   قاصد ہے کوئی اس کا نہ درباں نہ نگہباں
آزاد فضاؤں میں ہے آزاد جوانی   محتاط مگر ایسی کہ قربان ہو ایماں
لیکن وہ جو کہتے ہیں جوانی ہے دِوانی   اِس واسطے پیوست ہے دل میں کوئی پیکاں

درکار ہے اب اُس کو محبت کا پجاری
یعنی وہ رموزی سا غزل سنج و غزل خواں

غریب زادی

غریب زادی مگر فروغِ جمالِ جنت غریب زادی
نگاہ میں تمکنت مگر اک شریف سیرت غریب زادی
عجب کہ عسرت کی گود میں پل کے لعلِ تابندہ ہوگئی ہے
حسین جام شراب کی اک لطیف صورت غریب زادی
شفق کے گہوارۂ لطافت میں صبح شاداب سو رہی ہے
نہیں وہی مستِ خواب ہے یعنی صبح ثروت غریب زادی
پناہ اٹھی غریب زادی کہ مطلع صبح جگمگایا
وہ سو کے اٹھی ہے یا ہے گھر کی نقیب عشرت غریب زادی
افق کے دھندلے غبار میں جیسے صبح زریں دمک رہی ہے
لباسِ کہنہ میں ویسی ہی ہے یہ جانِ طلعت غریب زادی
شراب شرمائے جن سے وہ مسکراہٹیں دیکھیے لبوں پر
مگر نظر خود بچائے جس کی وہ رشک غیرت غریب زادی
لطیف شبنم کی بارشوں میں گلاب کا پھول کھل رہا ہے
بس ایسی رنگیں شباب ہے یہ لطیف فطرت غریب زادی
غضب کہ اس عمر میں بھی اس کو نہ کوئی خواہش نہ کوئی ارماں
ہزار ہا شوخیوں پہ بھی باوقار و عظمت غریب زادی
جواں اور ایسی جواں کہ پریوں کو رشک ہے اس کے بانکپن پر
مگر ہے صبر و سکوں کی ایک پُر جلال صورت غریب زادی
وہ حسنِ اخلاق کو سمجھتی ہے حسنِ تہذیب نو پہ فائق
بتا رہی ہے اک اصل عورت کی اصل قسمت غریب زادی
یہی ہے وہ باوفا جو اک دن لجا کے مجھ سے یہ کہہ رہی تھی
ہے شام راحت غریب زادی ہے صبح دولت غریب زادی
یہی نہیں بلکہ میں نے اس سے بصد ادب یہ کہا رموزی
ہے سارے مشرق کی آبرو ایک پاک طینت غریب زادی

جوان ہے آج حسنِ صبح کوثر

اجازت سے ہوں میخانے کے اندر
کہاں پہنچا ہوں میں اللہ اکبر
یہاں ہیں رنگ رنگ ساغر پہ ساغر
وہاں اک خم بہ خم زلفِ معطر
فضائے شرق میں اک صبحِ انور
مرے بستر میں اک روئے منور
ابھی لے لیں گے تاجِ ہفت کشور
ترے مغموم سے دوشیزہ تیور
جبینِ حسن کے رنگین عرق میں
جواں ہے آج حسنِ صبحِ کوثر
اِدھر بے تاب سی کچھ کروٹیں ہیں
اُدھر معصوم سی اک آہ شب بھر
فریدوں قدر ، دارا منزلت ہیں
حریم جانِ جانانہ کے چاکر
کہاں تک اُس میں سچائی ہے دیکھوں
گیا ہے کوئی پھر اک قول دے کر

نذرانہ

آ یوں بھی پلا جس سے پیمانہ سنور جائے
پیمانہ تو پیمانہ میخانہ سنور جائے
اک حسنِ نظر ایسا اے ندرتِ جانانہ
فرزانہ تو فرزانہ دیوانہ سنور جائے
ہوتا ہے یہ الفت میں اے حسن کہ جب تیرے
ایواں سے سوا میرا کاشانہ سنور جائے
اک لَو کبھی ایسی بھی اے شمع فروزاں دے
جس لَو سے تری اک دن پروانہ سنور جائے
اس درجہ تو رنگیں ہو انداز پرستش کا
صرف ایک ہی سجدہ سے بت خانہ سنور جائے
صحرا میں مری خاطر با زلفِ پریشاں آ
ان چاندنی راتوں میں ویرانہ سنور جائے
جس دن میں نظر بھر کر دیکھوں تو دکھا دوں میں
رنگِ رخِ جاناں کیا جانانہ سنور جائے
اُن مست نگاہوں کا قصہ جو کبھی کہہ دوں
رنگین شرابوں کا افسانہ سنور جائے
ممکن ہے کہ دنیا میں میرے ہی سلیقوں سے
اب عشق کا اقبالِ شاہانہ سنور جائے
اس حسن و جوانی پر ایسی تو نہ پی ظالم
جس سے ترا اندازِ رندانہ سنور جائے
کلیوں نے گلستاں میں نو روز منایا ہے
تو بھی ہو تو یہ جشنِ سالانہ سنور جائے
آ نذرِ محبت کا اک جذبۂ رنگیں لے
ایسے کہ رموزی کا نذرانہ سنور جائے

مذاقِ عشق میں اُس کے مذاقِ شاعرانہ ہے

سمجھ لیجیے کہ میرا ہی کمالِ عاشقانہ ہے
رفیقِ عشق یوں جو اک جمالِ خسروانہ ہے

جوابِ خط ترا گو بہت سنجیدہ ہے لیکن
ہر اک جملہ میں اک اقرار ہے اور دوستانہ ہے

متانت اور سنجیدہ مقالی تو ہی رکھ واعظ
مرے ہاں تو جنوں ہے اور جوانی کا زمانہ ہے

یہ ترتیبیں یہ تہذیبیں محبت کے فسانہ میں
محبت کا تو اک بے ربط و بیخود سا فسانہ ہے

میں اس کو اس لیے اک دولتِ جاوید کہتا ہوں
مذاقِ عشق میں اس کے مذاقِ شاعرانہ ہے

مجھے تو عرضِ الفت پر وہی مجبور کرتا ہے
نگاہوں میں تری جو اک سکوتِ عارفانہ ہے

یہ حدِ عشق ان اشعار میں مل جائے گی تم کو
مسلماں ہوں مگر انداز میرا کافرانہ ہے

غلام اقوام کی کم ظرفیاں کیسے یقیں کر لیں
کہ میری ناز برداری کو اک حسنِ شہانہ ہے

مری محبت نے حسن کو آج عشق ساماں بنادیا ہے

مری محبت نے حسن کو آج عشق ساماں بنادیا ہے
مرے خیالوں کے حسن ہی نے جمالِ جاناں بنادیا ہے
تری محبت بھری نظر کی کرامتِ رنگ رنگ یہ ہے
کہ اُس نے جب مسکرادیا ہے مجھے گلستاں بنادیا ہے
میں اس کو کہتا ہوں اصل توفیقِ عشق و ہوشِ وفا کہ جس نے
مرے لیے اس کے ہر اشارہ کو دین و ایماں بنادیا ہے
سہی کہ باغ و بہار ہوں میں مگر مجھے یاد ہے کہ تو نے
اداس نظروں سے جب بھی دیکھا ہے مجھ کو ویراں بنادیا ہے
میں کیا کہوں آج کتنی ارماں بھری نگاہیں مری طرف ہیں
یہ اس لیے ہیں کہ میں نے خود کو ترا ثنا خواں بنادیا ہے
میں کتنا برباد ہو چکا ہوں تری جدائی کی کلفتوں سے
مگر ترے وعدہ کے تصور نے پھر پرستاں بنادیا ہے
یہ احتیاطوں سے عشق کا کام بھی رموزی کہیں چلا ہے
مگر یہ جرأت کہ اس نے دشواریوں کو آساں بنادیا ہے

اک اتنی رنگیں لگن لگی ہے کہ دل پری خانہ ہوگیا ہے

عجب کہ میکش غلام ساقی غلامِ پیمانہ ہوگیا ہے
مگر مرا حسنِ میکشی خور رئیسِ میخانہ ہوگیا ہے
یہ ناز برداریوں کا میری سلیقۂ رنگ رنگ دیکھو
کہ حسن کا اب قدم قدم پر مزاج شاہانہ ہوگیا ہے
مری ہی اب کے ہو کے رہ گئی صبح گوہریں شامِ عنبریں تک
جمال مہر و قمر جو مل کر جمالِ جانانہ ہوگیا ہے
حسد کی کم ظرف آنکھ دیکھے مری محبت کا یہ کرشمہ
مرے لیے اک حسنِ شاہانہ کتنا دیوانہ ہوگیا ہے
سہی کہ پروانہ جل گیا ہے مگر ذرا غور سے یہ دیکھو
کہ عکسِ شمع جواں نثارِ وفائے پروانہ ہوگیا ہے
اب اس سے زائد کہوں میں کیسے کہ چند گلزار زادیوں سے
اک اتنی رنگیں لگن لگی ہے کہ دل پری خانہ ہوگیا ہے
مرے لیے اس کے آنے جانے سے مجھ کو یہ فخر ہے رموزی
کہ قصرِ سلطاں سے کتنا ہم رتبہ میرا کاشانہ ہوگیا ہے

حسن جواں

گل باز و گل افروز زمیں اور زماں ہے
مژدہ ہے کہ اب نامِ خدا حُسن جواں ہے
لوگوں سے سنا ہے وہ رموزی کا مکاں ہے
میخانہ جہاں اور پریخانہ جہاں ہے
کیا کہیے کہ کیا عشق ہے کیا حسنِ جواں ہے
سچ پوچھیے تو زندگیِ کون و مکاں ہے
اس طرح بھی دیکھا ہے حسینوں کی نگہ کو
ہونٹوں پہ تبسم ہے مگر دل میں فُغاں ہے
اللہ جوانی بھی ہے بیمار غضب ہے
جب یہ ہے تو پھر دُکھ سے یہاں کس کو اماں ہے

شعر لطیف

حوادث جب بھی دل کی روح کو برباد کرتے ہیں
رسیلے سے اشارے تیرے اس کو شاد کرتے ہیں

تری فرقت کے صدموں سے مرے دل کے بچانے میں
تصور میں ترے جلوے بڑے امداد کرتے ہیں

چمن والے بیاں کرتے ہیں جب روداد رنگینی
تری روداد کو سرنامۂ روداد کرتے ہیں

جمالِ عشق ہے یہ تجھ پہ مرتے ہیں بہرصورت
جلالِ عشق یہ ہے ضبط ہر بیداد کرتے ہیں

کمالِ کوہکن کیا تھا کمالِ حسنِ جاناں تھا
مگر ہم احترامِ شہرتِ فرہاد کرتے ہیں

چمن والوں میں تقریبِ گل افشاں ہونے والی ہے
قفس والوں کو دیکھیں کس طرح آزاد کرتے ہیں

قفس میں بھی اگر حسنِ ادائے نغمہ ہو باقی
خوشی سے خدمتیں بلبل کی خود صیاد کرتے ہیں

ترے رنگیں تبسم میں جو غمزے مسکراتے ہیں
جوانی میں رنگیلا بانکپن ایجاد کرتے ہیں

وہ پہلی گفتگو میں تیری شرمیلی سی رنگینی
گلستاں یاد کرتے ہیں پرستاں یاد کرتے ہیں

اشارے مست ہیں اس کے تو ہم پینے پلانے میں
رموزی پیرویٔ ہر چہ بادا باد کرتے ہیں

تری ادا کو بہار کہہ دوں، نگاہ کو نو بہار کہہ دوں

میں خود کو بے اختیار کہہ دوں کہے تو میں بار بار کہہ دوں
مگر جو تہذیبِ حسن کہہ دے تو تجھ کو بھی بے قرار کہہ دوں
میں تیری دوشیزگی کو جنت کا ایک رنگیں نکھار کہہ دوں
تری ادا کو بہار کہہ دوں، نگاہ کو نو بہار کہہ دوں
وہ دیکھ پھر مسکراہٹیں ہیں شراب سی پھر شرارتیں ہیں
اب اس پہ بھی تو کہے تو زاہد میں خود کو پرہیز گار کہہ دوں
پلا اور اس طرح پلا دے کہ کائناتیں ہوں میرے بس میں
یہ نشہ اتنا بڑھا دے اک دن کہ خود کو پروردگار کہہ دوں
کہے تو تصویر کھینچ دوں میں جو تیرے دل پر گزر رہی ہے
جو تیرے تیور چھپا رہے ہیں کہے تو وہ آشکار کہہ دوں
لے آزما لے نظر ملا کر جو دل کی دھڑکن نہ میں بتا دوں
کہے تو اٹھتی جوانیوں کا میں خود کو فطرت نگار کہہ دوں
وہ دیکھ اک حسن آ رہا ہے چھپک چھپک کر لجا لجا کر
خفا نہ ہو تو اُسے رموزی کے جذب کا شاہکار کہہ دوں

بنا ہوا ہے رموزی رئیسِ میخانہ

چلو پیو کہ ہے گردش میں آج پیمانہ
بنا ہوا ہے رموزی رئیسِ میخانہ
میں عرض کر نہیں سکتا کہ عشق و الفت میں
نگاہِ حسن کو پایا ہے کتنا فرزانہ
جوانیاں ہیں خوشامد میں رات دن پھر بھی
وہ دیکھتا بھی نہیں ہے یہ شانِ دیوانہ
جلو تو ایسے کہ پھر شمع کو بھی علم نہ ہو
اگر نگاہ میں ہے کچھ ادائے پروانہ
عبادتوں کے بہانے سنور سنور کے چلا
وہ دیکھ لیجیے بت خانہ میں پری خانہ
یہ حد تھی تری رنگینیوں کی پوجا میں
تجھی کو کہنے کو تھا میں خدائے بت خانہ
غلام قوم کی کم ظرفیاں سنیں گی کہاں
سناؤں عشقِ شہانہ کا کس کو افسانہ
تجھی کو دیکھ کے حاسد یہ دل میں کہتے ہیں
یہ حسن، اور رموزی کے گھر پہ روزانہ

غمزۂ جواں

وہ کھلکھلا کے جو بے اختیار ہوجائے
دلہن سی زینتِ فصلِ بہار ہوجائے
تو بے قرار ہو اور دیکھ لے کہ پھر وہ بھی
نہیں جو آج تو کل بے قرار ہوجائے
ہے داستان بھی اور وہ بھی داستانِ جمال
اب اس میں کیسے کوئی اختصار ہوجائے
ہے حسنِ حور نظر یعنی حسنِ خوابیدہ
اور اس پر وہ جو ذرا ہوشیار ہوجائے
تری جوانی کے ہر غمزۂ جواں کی قسم
جو مستقل ہو تو اک لالہ زار ہوجائے
جنابِ شیخ ذرا وہ نظر بھی دیکھے گا
اگر دوچار سرِ راہ گزر ہوجائے
وہاں میں عشق کو کچھ کامیاب کہتا ہوں
جہاں وہ میرے لیے اشکبار ہوجائے
کرامتیں ہیں رموزی اس عشق میں ایسی
عجب نہیں ہے جو تو تاجدار ہوجائے

ساون سے

مجھے تو ساون تری بہاریں اور ان کا رنگیں خمار دے دے
تری بہاریں تجھے مبارک مجھے تو دل کی بہار دے دے
تو اپنی شادابیوں کو تقسیم کر بیاباں کی خشکیوں کو
مرے لیے تجھے ہو سکے تو تو اسے دلِ بے قرار دے دے
وہ اس کا ایک غمزہ جس پہ پریوں کا بانکپن وجد کر رہا تھا
بہار دے یا نہ دے مجھے تو وہ غمزۂ یادگار دے دے
نیاز مندانہ عشق کو بھی جو وہ مری بندگی سمجھ لے
تو پھر مرے طرز میں بھی تھوڑا سا رنگ پروردگار دے دے
بہار کے دامنوں میں اس کے لیے مری اک دعا تو لے جا
عجب نہیں ہے کہ بارگاہِ جمال خود اس کو ہار دے دے
تری بہاروں کی مسکراہٹ پہ آج قربان یہ دین وایماں
مگر تو ان کی وفا کا مجھ کو بھی کوئی "قول و قرار" دے دے

(۲)

تو بے محل بخششوں سے شرما کے مجھ سے بالغ نظر کو ظالم
شراب پینے کی مقدرت آج تو سرِ جوئبار دے دے

شراب دینے چلا بھی ہے تو تو بدمذاقوں کو بے حسوں کو
اگر یہی ہے تو ان کو میرا سلیقۂ بادہ خوار دے دے

مگر کروں کیا تجھے سخاوت کی قدرتیں ہی غلط ملی ہیں
تو اندرائن کو پھول دے دے گلاب کو چاہے خار دے دے

تجھ ایسے ناقدرداں سے ساون تو سینکڑوں یاں برس چکے ہیں
اگر غلط ہے تو لا مجھے اک فراغتِ شہریار دے دے

رنگیلے ساون خفا نہ ہونا مذاق تھا جو بھی کہہ گیا میں
ترے رموزی کو تو تو حسنِ بہار اندر بہار دے دے

ساون

سنا ہے ساون کی کالی کالی گھٹائیں اٹھلا کے آ رہی ہیں
فضائے رنگ و شراب سے ہو کے میکدے ساتھ لا رہی ہیں
شفق کی دوشیزہ سرخیوں سے لطیف ساغر بنا رہی ہیں
امنگ کی بجلیاں ملا کر جوانیوں کو پلا رہی ہیں
گھٹائیں کیا ہیں کہ چند مشاطہ کار حوریں زمیں پہ آ کر
خزاں رسیدہ زمین کی وسعتوں کو دلہن بنا رہی ہیں
یہ دیکھیے تو کہ صبح گلشن کو جنتیں رنگ دے رہی ہیں
ہوا کی بیخود روانیوں میں جوانیاں سنسنا رہی ہیں
مشامِ نکہت کو بھر دیا ہے خنک لطافت کے بانکپن سے
نسیم کی کاکلوں میں مشک ختن کی خوشبو بسا رہی ہیں
زمیں کا بادشاہ جیسے زمین کو دیکھنے چلا ہے
اسی لیے حسن و رنگ کا فرش اس کی خاطر بچھا رہی ہیں
وہ مستیاں ہیں دماغ و دل پر لطیف بارش کے بانکپن سے
طبیعتیں وجد کر رہی ہیں طبیعتیں گنگنا رہی ہیں

یہ جوش دیوانہ گر تو دیکھو کہ شہر سے بڑھ کے جنگلوں میں
کسان زادی کو مست و بے اختیار جھولے جھلا رہی ہیں
کہیں کہیں سرخ ساڑیوں میں جوانیاں یوں ملی ہیں مجھ کو
کہ جیسے تھوڑی سی پی کے حوریں کبھی کبھی لڑکھڑا رہی ہیں
مرے برابر سے جب وہ گزریں تو مجھ کو یہ وہم ہو گیا ہے
کہ مجھ سے کچھ راز داریاں ہیں اسی لیے مسکرا رہی ہیں

فضاء میں شرمیلے قہقہے تھے گزرنے والے گزر چکے تھے
مگر عروسانہ خوشبوؤں کی ہنوز لپٹیں سی آ رہی ہیں
وہ دیکھنا جھیل کے کنارے کوئی پرستاں اُتر رہا ہے
نہیں، مگر ہاں جوان پریاں ہیں مست ہوکر نہا رہی ہیں
نہا کے مستانہ واریوں جا رہی ہیں وہ سرخ سبز پریاں
کہ جھیل کی نزہتیں ابھی تک انہی کی قسمیں سی کھا رہی ہیں

ٹھہریے، آہیں سی سن رہا ہوں جوانیوں کی جواں دلوں کی
مکان تو سب ہیں عیش والوں کے پھر یہ دکھ کیوں اٹھا رہی ہیں
سمجھ گیا میں جوانیوں پر انہی مکانوں میں بندشیں ہیں
کبھی وہ پردہ سے دکھ رہی ہیں کبھی حیا سے لجا رہی ہیں
مگر کریں کیا، شباب ہے اور مست راتیں ہیں بارشیں ہیں
یہ ان سے پوچھو کہ کون سی بدلیاں دماغوں پہ چھا رہی ہیں
وہ لاکھ تنہا ہیں پھر بھی جوشِ بہار سے اپنے بستروں پر
وہ آج پھولوں کی کتنی سیجیں مٹا رہی ہیں سجا رہی ہیں
سمجھ لیا کیا کہ سو رہی ہیں سکونِ خاطر سے بستروں میں
نہیں، اک ارماں کی آگ سے کروٹیں تک ان کو جلا رہی ہیں
غضب کی قدرت ہے، ویسے کہنے کو نوجواں ہیں سمجھ ہی کیا ہے
مگر وہ عشق و نظر کی اٹھتی بغاوتوں کو دبا رہی ہیں
خبر بھی ہے شاعروں کو ساون کے گیت گانے چلے تو ہیں وہ
کہ ان کے ساون کی ساری جھڑیاں جوانیوں کو رُلا رہی ہیں
لطیف برسات کی رموزی ڈھلی ہوئی چاندنی میں مجھ سے
کسی کی یہ مسکراہٹیں ہیں جو ایسی نظمیں لکھا رہی ہیں

کہوں کیا کس قدر شاداب میرے دل کی دنیا تھی

یہ مانا قیس ہی کی سعی بے حاصل کی دنیا تھی
مگر دیکھا بھی کتنی مضطرب محمل کی دنیا تھی

طلب کی منزلِ اوّل سے اتنا یاد ہے مجھ کو
کٹھن تو تھی مگر محبوب اس منزل کی دنیا تھی

مجھے دیکھا تھا تو نے جیسے دیکھا ہی نہ تھا تو نے
بڑی رنگیں ترے اس غمزۂ مائل کی دنیا تھی

گلستاں سی جوانی آئی تھی کیا میر دریا کو
پرستاں در پرستاں آج جو ساحل کی دنیا تھی

نظر ملتے ہی اک افسانۂ دل کہہ دیا جس نے
عجب جادو بیاں اس جذبۂ کامل کی دنیا تھی

مرے سینہ پہ سر رکھ کر تجھے جب نیند آئی تھی
کہوں کیا کس قدر شاداب میرے دل کی دنیا تھی

رموزیؔ میں نے یہ عالم بھی دیکھا ہے محبت میں
کہ جو بسمل کی دنیا تھی وہی قاتل کی دنیا تھی

بہار کی پیشوائیوں سے جلوسِ جانانہ آ رہا ہے

اِدھر تو اک عشق ساری دنیا کے غم کو دل سے مٹا رہا ہے
اُدھر جمالِ نگاہِ جاناں شراب پینا سکھا رہا ہے
جہاں یہ بے فکر مستیاں ہوں وہاں خرد مندیوں سے توبہ
یہ عقلِ بے عشق کا اثر ہی تو آج انسان کو کھا رہا ہے
چلو تماشائے حسن و غمزہ سے تمکو اک زندگی دلا دوں
بہار کی پیشوائیوں سے جلوسِ جانانہ آ رہا ہے
مرے لیے اس کے ہاں شرابوں کی یہ فراوانیاں تو دیکھو
شراب سی آنکھ کے تبسم میں میکدہ مسکرا رہا ہے
کہو تو ساون میں پینے والوں سے ظالمو سور ہے ہو اب تک
شبابِ صبحِ چمن ہزاروں شراب خانے لنڈھا رہا ہے
یہ عشق ہے اس میں شرط و پیاں کا ذکر ہی کیا ہے غور تو کر
تو آ اور آزاد ہو کے آجا کہ وقت بے کار جا رہا ہے
وہ جس میں میرے لیے سراپا محبتیں ہی محبتیں ہیں
وہ ایک غمزہ مجھے پرستاں کی تاجداری دلا رہا ہے
میں جس کے نشہ سے لکھ رہا ہوں یہ راز کیسے بتا سکوں گا
کہ کون سی وہ شراب ہے اور کون مجھ کو پلا رہا ہے
میں خالقِ غمزہ ہوں رموزی غلامِ غمزہ نہ بن سکوں گا
یہی سلیقہ بہار تک کو مرا ثنا خواں بنا رہا ہے

سلام عالی وقار ساون سلام اے تاجدار ساون

سلام اے جانے والے ساون کہ مجھ کو جنت بنا دیا تھا
تری نگاہوں کی مسکراہٹ نے سوزشوں کو مٹا دیا تھا

قدم قدم پر جمال رنگ و شراب کی نوجوانیاں تھیں
بچھڑ گیا تھا میں ان سے تو نے مگر مجھے پھر ملا دیا تھا

جوانیوں پر جوانیاں تھیں لطافتوں پر لطافتیں تھیں
یہ کچھ نہیں تھا مگر ترے حسن نے ذرا مسکرا دیا تھا

نگاہ سبزہ جو تجھ سے پہلے زمین پہ پامال ہو رہی تھی
مگر اسی کو ادائے شاداب دے کے تو نے سجا دیا تھا

ہوا کی موجوں پہ خضر کی عمر جاوداں مسکرا رہی تھی
اور آبشاروں سے کیمیائے نظر کا دریا بہا دیا تھا

وہ جب کہ خود باغباں بھی گھبرا گیا تھا لیکن تری نظر نے
خزاں رسیدہ چمن کے دل کی کلی کلی کو کھلا دیا تھا

تری گھٹائیں شراب دیتی تھیں ہوش والے شرابیوں کو
اور اتنی روشن شراب جس نے دماغ کو جگمگا دیا تھا

مزاجِ رنگ و شرابِ نو کے جمال اندر جمال نکتے
وہ جتنے پوشیدہ تھے انھیں تیری ندرتوں نے دکھا دیا تھا

یہی نہیں بلکہ حسن کی مسکراہٹوں میں جو میکدے تھے
تری ہواؤں نے مست و بے اختیار ہو کر لنڈھا دیا تھا

غضب کیا شیخ شہر کی منزلت کو تو نے بحال رکھا
نہیں تو مستی نے اس کے قدموں کو ایک دن ڈگمگا دیا تھا

ترے ضعیف الخیال ہندوستاں میں بھی جوش آ گیا تھا
اور اس کو تیری لطافتوں نے کہیں کہیں کچھ بڑھا دیا تھا

ادھر تو یہ تھا اُدھر جوانی میں بجلیاں عشق بن گئی تھیں
تری امنگوں نے ان کو جیسے پیامِ الفت سنا دیا تھا

سنور رہی تھیں نکھر رہی تھیں رسیلی آہیں سی بھر رہی تھیں
مری طلب میں تمام دنیا کو ظالموں نے بھلا دیا تھا

ہزار دشواریوں میں رہ کر بھی مجھ کو ایسے خطوط بھیجے
کہ جن کی اک اک سطر نے اور لفظ لفظ نے دل ہلا دیا تھا

سلام ہو ان پہ بھی جو میرے لیے یہاں تک تو باوفا تھیں
کہ مجھ سے جو عہد کر لیا تھا اسے نبھا کر دکھا دیا تھا

جوان ساون جواں رموزی کا یہ جواں اعتراف لے جا
کہ تو نے ہی عشق کا اسے اک جواں سلیقہ سکھا دیا تھا

وہ اب کے آئے تو دیکھ لینا مری جوانی کے ولولوں کو
وہیں ملیں گے جہاں انھیں تو نے مست و عاشق بنا دیا تھا

سلام عالی وقار ساون سلام اے تاجدار ساون
سلام رنگ و شراب ساون، سلام باغ و بہار ساون

اب دیکھوں کیا نگاہ گل افشاں جواب دے؟

اس کی نظر کا حسنِ گلستاں جواب دے
یا پھر جمالِ صبح درخشاں جواب دے
ہر گفتگو کو لرزہ براندام دیکھ جب
شرما کے اس کا جادوئے مژگاں جواب دے
ہنس دے اگر وہ جانِ جوانی تو میں کہوں
سلکِ گہر کی تابشِ لرزاں جواب دے
شرما کے جھک گئی ہے مرے عرضِ حال پر
اب دیکھوں کیا نگاہِ گل افشاں جواب دے
اس وقت دیکھ میرے سوالوں کا بانکپن
جب مجھ کو وہ نگاہ پشیماں جواب دے
بلقیس لا رہی ہے جو دوشیزہ رونقیں
کچھ ہو تو حسنِ تختِ سلیماں جواب دے
جس جوشِ عاشقانہ سے پروانہ جل گیا
کیا تاب اس کا شمعِ فروزاں جواب دے

تھیں گفتگو میں اس کی نظر میں جو شوکتیں
ان شوکتوں کا شوکتِ خاقاں جواب دے
کیوں ضبطِ عرض ہی سے ہے قدموں میں عشق کے
اب حسن کا یہ حالِ پریشاں جواب دے
صبرِ طویل کا ہے اشارہ میرے لیے
کس طرح اس کا صبرِ گریزاں جواب دے
ہندوستاں میں جیسی غزل کہہ رہا ہوں میں
ایران کا کمالِ غزل خواں جواب دے
کاشانۂ جمالِ رموزی کا آج کل
ممکن نہیں کہ شوکتِ ایواں جواب دے

ستارۂ سحر دیکھ جگمگا کے رہا

جمالِ صبح سے مطلع کو میں سجا کے رہا
طلوعِ مہر کو جانِ غزل بنا کے رہا
وہ عشق عشق تھا اظہارِ عشق بھی میرا
غرورِ حسن بھی شرما کے، سر جھکا کے رہا
کہاں کا ساقی و پیمانہ کس کا دورِ شراب
شعورِ بادہ کشی ہی مجھے پلا کے رہا
وقارِ عشق کو یہ مرتبہ دیا میں نے
جمالِ شاہ بھی اک روز گھر پہ آ کے رہا
شبِ فراق کو ہمت سے کاٹنے والے
ستارۂ سحری دیکھ جگمگا کے رہا
میں لاکھ روٹھ کے بیٹھا ہزار کی توبہ
جمالِ غمزۂ جاناں مگر منا کے رہا
وہاں نگاہ کے اک حسنِ موج موج کا رنگ
اٹھا تو ساری شرابوں پہ آج چھا کے رہا
کمالِ حسنِ نظر دیکھیے رموزی کا
بہار تک کو غلامِ نظر بنا کے رہا

اک حسن آوارہ میری نظروں میں جیسے اک حسن رہگزر ہے

مرے کمال سخن میں تیرے جمالِ رنگیں کا یہ اثر ہے
ستارۂ صبح کے جلو میں تبسم جلوۂ سحر ہے
مجھے غلط بخش فیضِ فطرت سے کام کیا اور واسطہ کیا
مرے لیے تو جہانِ عشرت کی تاجداری تری نظر ہے
مرے تو ناقص خیال میں حسن و عشق کی ساری منزلوں میں
نگاہِ محبوب سے اثر میں نگاہِ عاشق بلند تر ہے
خبر بھی ہے میری ناز بروار کتنی مہتاب زادیاں ہیں
مری محبت کے حسن کا حلقۂ اثر یعنی خود قمر ہے
اک حسنِ خوددار و باوفا کا غلام ہوں اور قدرداں ہوں
کہ حسنِ آوارہ میری نظروں میں جیسے اک حسنِ رہگزر ہے
کہیں پرستاں ہے اور کہیں حسنِ شاہ طلعت سنور رہا ہے
میں کیا کہوں میرے شعرِ نو کا کہاں کہاں آج کل گزر ہے
ترے لیے صبحِ زرفشاں کی کرن سے اک تاج لا رہا ہوں
کہ میری فکرِ فلک نظر کا کمال پروردۂ سحر ہے
میں تیری انگڑائیوں کو یہ نظم گوہریں نذر دے رہا ہوں
کہ میرا ہر شعر اصل میں اک تبسم لرزشِ گہر ہے

تذکرہ ہے مرا ہر روز پری خانوں میں

تذکرہ تھا تری آنکھوں کا جو میخانوں میں
رونقیں وجد میں تھیں آپ ہی پیمانوں میں
مرا وہ حسنِ بیاں تھا ترے افسانوں میں
تذکرہ ہے مرا ہر روز پری خانوں میں
تیری شرمیلی نگاہوں میں تھا ارمانوں کا جوش
یا شرابیں سی کچھ آئی تھیں ان ارمانوں میں
حسن کا کام جلانا تو نہیں ہے اے شمع
حسن تو یہ ہے کہ اک جوش ہو پروانوں میں
ہجر میں تیرے بھی خاموش سے آنسو تھے مگر
داستانیں تھیں ان اُمڈے ہوئے طوفانوں میں
شب مہتاب میں صحرا کی جوانی یعنی
موج موج آئی تھی گلزار کے دامانوں میں
وادیاں ہیں شب مہتاب کے جلووں سے دلہن
یا گلستاں پہ گلستاں ہیں بیابانوں میں
چاندنی راتوں میں رنگین شرابیں پینے
اُس کے ہمراہ میں ہوں دشت کے میدانوں میں
اک ترے عشق میں کچھ میرے سلیقے سن کر
میرا ہی میرا ہے ارمان پرستانوں میں

ہجر ووصال

یہ زندگی ہے جو ہجر کا درد، دل کو اک خلفشار دیدے
یہ عشق کی موت ہے جو دل کو سکون دے دے قرار دیدے

یہ عہد ہجر و فراق میں تیری اتنی مایوسیاں غضب ہیں
اٹھ اور ان کو جلالِ ہمت سے آتشیں سا وقار دیدے

یہ عشق ہے دوستی نہیں ہے سمجھ تو لے اس کی فطرتوں کو
یہ پھر ستائے گا ویسے کہنے کو صبر تو لاکھ بار دیدے

یہ کیا کہا صبر، صبر تو بزدلوں کا اک عذر بے اثر ہے
مجھے تو اک حوصلہ اور اس پر جلالِ صد شعلہ بار دیدے

وہ حوصلہ دے کہ کوہکن کی حکایتیں تک مٹا کے رکھ دوں
نہ دور ہوں پھر بھی مشکلیں تو یہ حوصلہ بار بار دیدے

سنا ہے میں نے کہ ہجر میں عشق سے سوا حسن باوفا ہے
اٹھ اور اس کی مثال دیدے مثال بھی یادگار دیدے

میں تجھ کو کس طرح مانگتا ہوں یہ پوچھ لے شب کی کروٹوں سے
اب اس پہ بھی کیا یقیں نہیں ہے کہ مجھ کو پروردگار دیدے؟

وہ وقت بھی آئے گا کہ تیری مری ملاقات کی ادا پر
بہشت اپنا جمال دیدے بہار اپنی بہار دیدے

وہ جس کو اک بار جنتوں کی جوانیاں میں نے نذر دی تھیں
یقیں ہے یہ جذب دل مجھے پھر وہ غمزۂ تاجدار دیدے

ہے یہ بھی ممکن کہ تجھ کو دے کر ترے رموزی کو دینے والا
شراب دیدے، رباب دیدے، بہار اور جوئبار دیدے

نگاہوں میں ہوں میخانے اداؤں میں پری خانے

ابھی فرزانے بن جائیں جنھیں کہتے ہیں دیوانے
تری رنگیں جوانی کے اگر سن لیں یہ افسانے
پری سے کچھ سوا کہیے جوانی جس کی ایسی ہو
نگاہوں میں ہوں میخانے اداؤں میں پری خانے
اگر تو ہو کبھی ساقی صبا تک لے کر آئے گی
پرستانوں سے میخانے گلستانوں سے پیمانے
یہی تو جان حسن وعشق ہے تجھ میں کہ دنیا سے
ادائیں تیری بے پروا ہیں غمزے ترے بیگانے
تری رنگیں جوانی کو سنورتا دیکھ لینے دے
تجھے پھولوں کی نذریں دینے آئیں گے صنم خانے
رموزی میں نے یوں دیکھا ہے شمع حسن کو جلتے
کہ جلتے تو نہیں ہاں وجد میں رہتے ہیں پروانے

مثال اپنی نہیں پاتا ہوں میں عشرت مآلوں میں

صبا کی خوش خرامی چھپ رہی تھی انفعالوں میں
کچھ ایسی میٹھی چھریاں چل رہی تھیں تیری چالوں میں

وہ پہلے دن ترے کچھ مسکرا کر بات کرنے کی
رسیلی کپکپی ہے آج تک میرے خیالوں میں

اگر حسنِ شراب اندر شراب اس کا نمایاں ہو
تو عشق انگڑائیاں لے خانقاہوں اور شوالوں میں

اُدھر تیاریاں کچھ ہو رہی ہیں سیرِ گلشن کی
اِدھر کچھ رونقیں سی بڑھ رہی ہیں خستہ حالوں میں

مری خفگی میں اور تیرے منا لینے کی قدرت میں
شکستیں دیکھ لیتا ہوں جلالوں کی جمالوں میں

تری ہر بے مثالی وقف ہے جب نام پر میرے
خدا جانے کہ پھر میں ہوں کہ تو ہے بے مثالوں میں

رموزی اس نگاہِ تر سے یوں شاداب رہتا ہوں
مثال اپنی نہیں پاتا ہوں میں عشرت مآلوں میں

جوان چاند کے جلوے لٹا رہا ہوں میں

اس اہتمام سے اس کو بلا رہا ہوں میں
گداز قلب سے شمعیں جلا رہا ہوں میں
شراب و عشق کی بے فکر زندگی کے لیے
شراب و عشق کی دنیا بنا رہا ہوں میں
کہاں کی فکر سر جوئبار از رو عشق
میں پی رہا ہوں اور اس کو پلا رہا ہوں میں
فراق میں بھی مرے سر بلند رہنے سے
اب آسمان کو قدموں میں پا رہا ہوں میں
تری نگاہ کی کشور کشائیوں کی قسم
ٹھہر کہ تخت سلیمان کو لا رہا ہوں میں
حسین دشت کی بیدار تر فضاؤں میں
جوان چاند کے جلوے لٹا رہا ہوں میں
جوانیوں پہ نشیلی امنگ طاری ہے
وہ داستانِ محبت سنا رہا ہوں میں
خدائے عشق و محبت کو اک سلیقے سے
خدائے حسن سے سجدے کرا رہا ہوں میں
عجیب حال میں ہیں ساکنانِ صدر جمال
کہ حسن کو بھی سلیقے سکھا رہا ہوں میں
ترا جمالِ محبت مرا کمالِ قلم
یہی تو ہے کہ جو دنیا پہ چھا رہا ہوں میں
کسی کے ناز اٹھاؤں مجھے کہاں فرصت
کہ اپنے حسن کے خود ناز اٹھا رہا ہوں میں
میں کیا کروں گا رموزی خوشامدیں ان کی
کہ جن کے حسن کو خود ہی سجا رہا ہوں میں

خدا مجھ کو جمالِ شعر داں اور شعر خواں دیدے

مجھے اے فطرتِ فیاض وہ بخت جواں دیدے　　محبت میں بھی جو مجھ کو نگاہِ کامراں دیدے
مری ذی ہوش الفت کی اگر قیمت ہی دینا ہے　　زمیں کی وسعتیں لا اور یہ سارا آسماں دیدے
میں جب سمجھوں کہ بس تو ہی وفادارِ محبت ہے　　جو میری داستاں سن کر جوابِ داستاں دیدے
فغاں، اک جذبۂ کم ظرف ہے عاشق کی سیرت کا　　مزا جب ہے فغاں خود طاقتِ ضبطِ فغاں دیدے
اگر سر بازیاں ہی عشق کی اک آزمائش ہے　　تو آ اس نام کے دار و رسن کا امتحاں دیدے
مجھے اُس وقت ہی زیبا ہے تیری آستاں بوسی　　کہ مجھ کو اوجِ شاہی تیری خاکِ آستاں دیدے
ٹھہر اے بیقرارِ شب تو ہے بیزار جس شب سے　　وہی شب کیا عجب جو طلعتِ صبحِ جواں دیدے
طرازِ دولتِ جاوید یعنی حسنِ جانانہ　　اگر فطرت مجھے دیدے تو عمرِ جاوداں دیدے
وہ اک رنگیں اشارہ ہی میں سب کچھ کہہ گئی مجھ سے　　جو تجھ سے ہو سکے تو وہ نگاہِ ترجماں دیدے
خنک راتوں میں جنگل کی شراب آرا فضاؤں میں　　خدا مجھ کو جمالِ شعر داں اور شعر خواں دیدے
فضائے لالہ ہو، جمالِ بادہ بادہ ہو　　مجھے اس طرح کا اک نوجواں ہندوستاں دیدے
خدائے حسن و شادابی سے اتنا مانگتا ہوں میں　　جمالِ عشوہ عشوہ اور جامِ ارغواں دیدے

رموزی کا یہ پروانہ غزل ہندوستاں تو کیا
جو ممکن ہو تو اب شیراز دیدے اصفہاں دیدے

اگر دیکھے نگاہِ حسن شرمائی ہوئی سی ہے

تری جانب نگاہِ عشق اگر آئی ہوئی سی ہے
نگاہِ حسن کو بھی دیکھ للچائی ہوئی سی ہے
زمانِ ہجر کو میں یاد کر کے یہ بھی کہتا ہوں
یہ ساون کی گھٹا تو میری برسائی ہوئی سی ہے
بڑا کم ظرف ہے حالانکہ خود ہے پیر میخانہ
مگر اس کی طبیعت اب بھی ترسائی ہوئی سی ہے
شرابیں بھر رہی ہیں اس کی رگ رگ میں جوانی کی
رگِ گل کو کہوں کیا خود وہ تھرائی ہوئی سی ہے
خمارِ عشق ہے یا قدر دانی ہی سہی اس کی
مگر اک چیز ہے جو دل پہ اب چھائی ہوئی سی ہے
یہی تو ہے جو اس کی چال تک پر جان دیتا ہوں
خود اٹھلاتی نہیں ہے پھر بھی اٹھلائی ہوئی سی ہے
سمجھ لے کامیاب عشق اب تو ہونے والا ہے
اگر دیکھے نگاہِ حسن شرمائی ہوئی سی ہے
ہزاروں حاسدوں پر بھی کوئی رنگیں اثر تو ہے
رموزی کی طبیعت یوں جو اترائی ہوئی سی ہے

یہ بے رخی تری اور مجھ سے قدر داں کے لیے

غلط کہ حسن ہے اک عشقِ نیم جاں کے لیے
ہے جو بھی کچھ وہ فقط الفتِ جواں کے لیے
دکھا تو دے تو کبھی طاقتِ جمال و نظر
اشارہ کر تو کبھی فتحِ آسماں کے لیے
سجا رہا ہوں یہاں تک تو داستاں تیری
بہار آئی ہے عنوانِ داستاں کے لیے
میں سلطنت تو نہیں دل کی نذر لایا ہوں
ترے شباب کے اک غمزۂ جواں کے لیے
لیے ہوئے ہے جمالِ جبینِ کاہکشاں
ہزار سجدے تری خاکِ آستاں کے لیے
شباب عقل فلاطوں کی بینش آرائی
ہے تیرے ہاتھ کے اک جام ارغواں کے لیے
مجھے قسم تری زلفوں کی بانکپن کی قسم
یہ جان تک ہے مری تجھ سے مہرباں کے لیے
خدا تجھے میری دنیا کی تاجداری دے دے
حکومتیں ہوں تری میرے جسم و جاں کے لیے
تفو، جمالِ شباب بہار تجھ پہ تفو
یہ بے رخی تری اور مجھ سے قدر داں کے لیے

بصد ادب، یہ رموزی کا حسن شعر و سخن
ہے نذر آج ترے حسنِ شعر خواں کے لیے

شب تاب

پھر ملتفت ہے حسن پرستاں کا بانکپن　　یعنی اُس اک نگاہ پشیماں کا بانکپن
تھی گفتگو میں اس کی جبینِ عرق عرق　　یا موجِ گل میں شبنم لرزاں کا بانکپن
عقدہ کشائے دل ہی نہیں سلطنت بھی ہے　　دوشیزگی پہ کاکلِ پیچاں کا بانکپن
طولِ شبِ فراق لیے ہے مرے لیے　　دامن میں اپنے صبحِ فروزاں کا بانکپن
دیکھا ہے میں نے عشق و جوانی کی بحث میں　　شرما رہا تھا دانشِ لقماں کا بانکپن
آ تاجدارِ مصر کی عشرت میں دیکھ لے　　کنعاں کے ایک صاحبِ ہجراں کا بانکپن
ایک صبح گوہریں میں جو میں باریاب تھا　　کیوں یاد ہے تجھے ترے ایواں کا بانکپن
بلقیس کا سلیقۂ حسنِ نگاہ تھا　　تھرا گیا جو تختِ سلیماں کا بانکپن
قدموں میں ہے فرازِ ثریا کا غلغلہ　　خدمت میں ہے جلالتِ سلطاں کا بانکپن
یعنی کمالِ عشق و جمالِ کلام ہے　　چاکر ہے میرا سطوتِ خاقاں کا بانکپن
چنگ شرابِ ناب ہے اور وہ بھی ساتھ ہے　　آ دیکھ چاندنی میں بیاباں کا بانکپن
جنگل کی چاندنی میں مرے ساتھ دیکھیے　　روئے جواں پہ زلفِ پریشاں کا بانکپن
اک چودھویں کا چاند سرِ کوہسار ہے　　یا میرے پاس اک شبِ تاباں کا بانکپن
اللہ عشق اس کو کہاں لے کے آ گیا　　جنگل اور اس میں اک شہِ خوباں کا بانکپن

یہ ہے وہ حسن جس پہ رموزی بصد ادب
قرباں کر رہا ہے گلستاں کا بانکپن

عشق کی بات

وہ ایک خسرو نگاہ دوشیزہ آج خود کو سجا رہی ہے
غضب کہ جیسے بہار کو اک بہار دلہن بنا رہی ہے
یہ رس بھری عمر اور لجائی ہوئی جوانی کے بانکپن میں
وقار سے شوخیوں کی اٹھتی بغاوتوں کو دبا رہی ہے
ہے اک جلالِ جمال طاری خموش ہیں خادمانِ عشرت
وہ خود بھی چپ ہے مگر کبھی سوچتی ہے اور گنگنا رہی ہے
سنور چکی ہے نکھر چکی ہے مگر خدا جانے کس اثر سے
شراب سی اک امنگ ہے جو دماغ پر اس کے چھا رہی ہے
وہ ڈوبتی جا رہی ہے جیسے وہ محو ہے غور کر رہی ہے
غضب کہ اس حالِ خاص میں ایک خادمہ مسکرا رہی ہے
یہ مسکراہٹ شبابِ نوخیز کے لیے تلخ تر خلش ہے
یہ مسکراہٹ کھٹک گئی ہے کھٹک اسے اب ستا رہی ہے
وہ ایک وقفہ کے بعد اس خادمہ کو تنہائی میں بلا کر
یہ پوچھتی ہے کہ سچ بتا دے تو آج کیوں مسکرا رہی ہے

غضب کی بے باک خادمہ ہے کہ ایک اصرار ہی پہ اب وہ
مری محبت کا واقعہ صاف صاف اس کو سنا رہی ہے
وہ پوچھتی ہے بتا رموزی کو کس سے الفت ہے اور کیوں ہے
یہ کافرہ سب سنا کے بس نام ہی کو اس سے چھپا رہی ہے
وہ اس نے جھنجھلا کے خادمہ کو علاحدہ کر دیا مگر خود
اب ایک الجھن میں پڑ گئی ہے کبھی کبھی خود لجا رہی ہے
وہ اس نے پھر خادمہ سے پُرشوق ہو کے پوچھا مگر ابھی تک
وہ نام ہی بس نہیں بتاتی اور اس پہ قسمیں بھی کھا رہی ہے
وہ جب نہ معلوم کر سکی نام تو وہ ہر لحظہ سوچتی ہے
کہ کون سی وہ حسیں جوانی ہے جو رموزی کو بھا رہی ہے
وہ اپنے حسن و جمال کا اعتماد کم ہو رہا ہے اس سے
وہ رات دن اس تلاش ہی میں نڈھال سی ہوتی جا رہی ہے
یہ انقلاب خیال تو دیکھیے کہ وہ اب تلاش کر کے
مرے مضامین پڑھ رہی ہے وہ میرے اشعار گا رہی ہے
مری کتابوں میں میری پنسل کے کچھ اشارات ڈھونڈتی ہے
جو یہ بھی ملتے نہیں تو جھنجھلا رہی ہے اور غم منا رہی ہے

احسان بمبئی

رموزی آج اس کے حکم سے مہمانِ بمبئی ہے
جو خود ہی شانِ بمبئی ہے جو خود ہی جانِ بمبئی ہے
شراب اور حسن عریاں، موٹریں اور ان کو آزادی
رموزی کے لیے ہر روز یہ سامانِ بمبئی ہے
ملاقاتیں اگر چاہو تو گھوڑ دوڑوں میں جا بیٹھو
یہ گھوڑ دوڑیں نہیں خاصا نگارستانِ بمبئی ہے
ہر اک صوبہ کی ریشم زادیاں اس طرح پھرتی ہیں
کہ کوئی دیکھتا بھی تو نہیں یہ شانِ بمبئی ہے
امیروں اور وزیروں کی ہوا اکھڑی ہوئی سی ہے
ابھرنے ہی نہیں دیتا ہے یہ طوفانِ بمبئی ہے
وہ اپنے اپنے شہروں میں اکڑ لیتے تھے جو کل تک
یہاں آ کر اب ان کا نخرہ خود حیرانِ بمبئی ہے
رموزی پھر رہے ہیں رولز رائس کار میں ڈٹ کر
یہ قدر شعر و انشاء اور یہ احسانِ بمبئی ہے

یعنی کہ اب ہونے کو ہے درگت سنما کی

آؤ میں بتاؤں تمھیں حالت سنما کی — اشعار میں اپنے میں حقیقت سنما کی
مسجد کا ہو ناغہ سنما کا نہ ہو ناغہ — ہے آج امیروں میں یہ رغبت سنما کی
روزانہ جو جائے سنما ہے وہی بی۔ اے — جاہل ہے جو کرتا نہیں عزت سنما کی
اسکولوں میں استادوں نے شاگردوں کو اپنے — سمجھائی بہت خاصی فضیلت سنما کی
استادوں کی اس خواہشِ رنگیں پہ ہیں قرباں — کم عمروں میں اور آئے بصیرت سنما کی
نو عمر ہیں اور سر پہ ہے طوفانِ جوانی — اس حال میں کیا سمجھیں گے حکمت سنما کی
چوری سے، بداطواری سے لیتے ہیں ٹکٹ وہ — ہاتھ آئی ہے بچوں کے یہ دولت سنما کی
شاگردوں میں استادوں کی یورپ زدگی سے — تعلیم سے زیادہ ہے لیاقت سنما کی
جب دیکھیں وہ روزانہ محبت کا تماشہ — کس طرح ہو حاصل انھیں عبرت سنما کی

(۲)

چار آنہ کے درجے میں ہیں عثمان علی خاں — خطرہ میں ہے اب آپ سے شہرت سنما کی
لٹھ بند کچھ احباب بھی ہیں آپ کے ہمراہ — یعنی کے اب ہونے کو ہے درگت سنما کی
لیجیے وہ ہوئے پردہ نشیں درجہ پہ مائل — بیٹھی ہے جہاں آ کے سعادت سنما کی
آوازہ کسا اور کبھی تاکا کبھی جھانکا — اس غنڈے سے لرزاں ہے ہر عورت سنما کی
جب دھر لیا عثمان علی خاں کو پولس نے — تب جا کے ٹلی سر سے یہ آفت سنما کی
اب کہیے وہ ایڈوانس خواتین کریں کیا — گھر چھوڑ کے ہو جن کو ضرورت سنما کی

(۳)

اک مفلس و قلاش جماعت میں رموزی — طاعون کی خالہ ہے یہ عادت سنما کی
سی آئی ڈی والے نے بتایا مجھے اک دن — قرقی ہو مکاں کی یہ ہے دولت سنما کی

پرچے آتے تھے قدیرا کے لیے پانوں میں

جو لڑائی کہ ہے اس ہند کے نادانوں میں   وہ ہے دنیا کے نہ چینوں میں جاپانوں میں

پیرِ حُر کی کی دعا سے بھی اب اک جنگ عظیم   اٹلیوں میں کبھی ہوگی کبھی بلقانوں میں

کہہ رہا ہوں جس ادا کی میں غزل ہند میں اب   وہ عراقوں میں ملے گی نہ وہ ایرانوں میں

اپنی شلوار کی مردانہ ادا کھو بیٹھے   کوٹ پتلون ہے مقبول اب افغانوں میں

لاٹ صاحب کا ڈنر اور قدیرا کا گزر   اور پھر بیٹھے بھی ہیں آپ تو مہمانوں میں

مخبری کرتے ہیں اللہ کے بندوں کی جناب   یہ شرف آپ کا حاصل ہے مسلمانوں میں

بہ حلف میں نے عدالت کی گواہی میں کہا   پرچے آتے تھے قدیرا کے لیے پانوں میں

میرے احباب سے اللہ ملائے نہ کبھی   کوتوالی میں کبھی اور کبھی تھانوں میں

محفلِ یار میں سی آئی ڈی والے بھی ہیں   لیکن اس طرح کہ جیسے ہوں وہ دیوانوں میں

کچھ نمازی سے ہیں کچھ پیر سے کچھ واعظ سے   اور کچھ ایسے کہ ہوں جیسے وہ نادانوں میں

لڑکیاں خوش ہیں کہ پڑھ لیتی ہیں وہ افسانے   دیکھیے تو کہ لکھا کیا ہے ان افسانوں میں

نصف سے زیادہ برہنہ ہیں جوانانِ وطن   بے حیا دیکھیے اب کھیل کے میدانوں میں

ماسٹر اور طلبہ ایک ہی انداز کے ہیں   فرق اب کیسے ہو دیوانوں میں فرزانوں میں

جب ڈنر کھا کے مسلمانوں نے شرابیں پی لیں
تالیاں پٹنے لگیں خوب سی شیطانوں میں

وہ جن پہ مر رہا ہوں کوئی پانچ سال سے

مجوا کی آج اکڑی ہوئی چال دیکھیے
اور سر پہ اس کے ریشمی رومال دیکھیے
کل تک وہ گال تھے کہ دسمبر کا تھا گلاب
اب پاؤڈر کے بعد بھی وہ گال دیکھیے
یورپ کے کھیل، ڈاکٹری، پھر بھی آج کل
یہ دق کی صورتیں یہ سن و سال دیکھیے
فیشن کے ہاتھوں بارشِ انوار ہی نہیں
چہرہ پہ رونقوں کا ذرا کال دیکھیے
میرے سفید بال تو محنت سے ہو گئے
اس کے مگر نہائے ہوئے بال دیکھیے
صاحب کی پیش کاری کے نخرہ سے آج کل
موٹی ہوئی ہے آپ کی جو کھال دیکھیے
سنتا ہوں میں ولایتی کتے ہیں باوفا
ہو اس میں شک تو آپ ذرا پال دیکھیے
ہونا ہو کامیاب اگر عشق میں تو آپ
تعویذ لیجیے نہ کبھی فال دیکھیے
وہ جن پہ مر رہا ہوں کوئی پانچ سال سے
گالوں پہ اپنے چھوٹے سے وہ خال دیکھیے
میں کہہ رہا ہوں فٹ وہ سمجھتی ہے دل لگی
اس قوم کے دماغ کا یہ حال دیکھیے

خوش اخلاق لوگ

گدھے ہیں جو ہلاک وعدۂ دیدار ہوتے ہیں
حسیں تو ہر جگہ کے آج کل مکار ہوتے ہیں
بچو ان سے جو خوش اخلاق ہیں اور ہنس کے ملتے ہیں
یہ در پردہ بڑے غدار اور عیار ہوتے ہیں
یہ امیدوں ہی امیدوں میں تم کو مار ڈالیں گے
شقی القلب اور بے انتہا خونخوار ہوتے ہیں
بظاہر قوم کے ہمدرد بنتے ہیں مگر دل میں
یہ قومی آدمی تک سے بڑے بیزار ہوتے ہیں
اٹک جائے جوان کی آپ سے تو آپ ہی کے ہیں
نکل جائے جوان کی پھر کہاں یہ یار ہوتے ہیں
فقط تہوار پر ملتے ہیں دس پندرہ غریبوں سے
نہیں تو ان کے حق میں جیسے تھانیدار ہوتے ہیں
کہاں کا مذہب و ایماں کہاں کا وعدۂ پیماں
کسی کے ہو کے رہتے ہی نہیں یوں خوار ہوتے ہیں
یہ عاشق کے نہ یہ معشوق ہوتے ہیں کبھی دل سے
انھیں مرغوب دولت اور موٹر کار ہوتے ہیں
یہ انگریزی میں انگریزوں سے اردو میں رموزی سے
جھجکتے ہیں تو ملتے وقت کم گفتار ہوتے ہیں
ادھر یس سر، ادھر جی ہاں سے زیادہ کہہ نہیں سکتے
بس اتنی قابلیت تک کے برخوردار ہوتے ہیں
بس اس کے ہاں غلام اور خانساماں عیش پاتے ہیں
کہ یہ خود بھی تو مارے جہل کے مردار ہوتے ہیں

اُس سے ملنے کے طریقے

لکھا پڑھا تو مرا مجھ سے سب بھلا دیجے — بنا کے ریڈیو بس اس کے ہاں لگا دیجے
مجھے رموزی کے بدلے بنایئے سگریٹ — ادب سے ہونٹوں میں اس کے مجھے دبا دیجے
مجھے بنایئے شطرنج اور کمرہ میں — اسے بلا کے مجھے وان ذرا بچھا دیجے
جو دیکھیے کہ میں کیرم کا بورڈ بن جاؤں — تو اس کو پھر مرے اوپر ذرا جھکا دیجے
میں تاش بن کے ملوں آپ کو تو از رہِ لطف — بس ایک بازی اسے برج کی کھلا دیجے
نظر میں اس کی جو ہر وقت مجھ کو رکھا ہو — تو "ویکلی" کا معمہ مجھے بنا دیجے
اگر ہے شوق معموں کے حل کا اس کو — تو ڈکشنری کے برابر مجھے سجا دیجے
غرض ہیں جتنے بھی یورپ کے کھیل اب رائج — مجھے سکھایئے اور جلد تر سکھا دیجے
اور ان کے بعد مجھے پھر بنایئے مہندی — اور اس کے ہاتھ پہ اور پاؤں پر لگا دیجے
میں کام سیکھ لوں جب خوب خانساماں کا — تو اس کے ہاں کی یہ سروس مجھے دلا دیجے
نہیں تو خادمۂ خاص ہی کی خدمت پر — ہو جیسے بھی مجھے عجلت سے واں رکھا دیجے
یہی طریقے ہیں ان سے قریب رہنے کے — مرے قلم کو تو اب آگ ہی لگا دیجے
جو اس قلم ہی کی خدمات سے ہے وہ بدظن — تو اس کو توڑ کے ٹکڑے اسے دکھا دیجے

وہ علم و عقل سے گھبرائے تو رموزی کو
بنا کے قلم اسے رات کو دکھا دیجے

تری سڑک سے اندھیرا مرے مکاں تک ہے

اک آہ میری ہوائی جہاز راں تک ہے — اب عرش دور نہیں جب وہ آسماں تک ہے
لے اب تو آ کہ میونسپل کی مہربانی سے — تری سڑک سے اندھیرا مرے مکاں تک ہے
میں کیا ڈروں کہ شبِ ہجر کی درازی تو — عشا سے لے کے فقط صبح کی اذاں تک ہے
خدا ہی خیر کرے آج کوتوالی میں — ڈرائیور ہی نہیں اس کا پاسباں تک ہے
بجائے میرے وہاں زور ہے رقیبوں کا — تو بس وفا بھی مری ان کے اک بیاں تک ہے
مجھے بلا کے سنے کوئی میری اردو میں — مری رسائی تو انگریزی ترجماں تک ہے
مگر اب ہونے کو فیڈرل گورمینٹی — اور اس میں جو بھی ہے سب مادری زباں تک ہے
وہ ڈٹ تو جائے ذرا کانگریس پہ میری — یہ دیکھنا کہ رسائی کہاں کہاں تک ہے

(۲)

سمجھ لیا مجھے فدوی کی قسم کا عاشق — غلط یہ خیال ترے وہم اور گماں تک ہے
خدا نے دی ہے مجھے آل انڈیا شہرت — وہاں وہاں ہوں کہ ہندوستاں جہاں تک ہے
وہ میری وسعتِ علم و نظر کو کیا سمجھیں — کہ جن کی عقل وخرد گھر کے سائباں تک ہے
غلام قوم کو ملتا ہی کیا ہے جز پستی — ہے جو بھی کچھ وہ فقط قوم حکمراں تک ہے
جو پاؤڈر سے سنوارا گیا ہو حسن و جمال — ہوا چلی تو وہ بس موسمِ خزاں تک ہے

فقط رقیب کے کہنے سے تو نے بات نہ کی
سمجھ گیا کہ تری عقل بس یہاں تک ہے

ملاّ رموزی

عجب کہ ناقدر داں جماعت سے لاکھ صدمے اٹھا رہا ہے
مگر وہ پھر بھی جمالِ مہر و قمر سے دنیا سجا رہا ہے
فراغتوں کے عوض مصائب کی لاکھ کم ظرفیاں ہیں پیدا
مگر وہ ان کو جلالِ ہمت سے ہر قدم پر دبا رہا ہے
غضب کہ ناقدر داں کو قدرِ ہنر کی توفیق دی گئی ہے
اسی لیے وہ جزا تو کیسی سزا کا انعام پا رہا ہے
ادھر نکاتِ علوم و حکمت ادھر جہالت کی ہر فراغت
مگر وہ پھر بھی عمل کی دنیا کو جوشِ ہمت دلا رہا ہے
قدم قدم کی مخالفت پر بھی اس میں جوشِ عمل ہے اتنا
غلام ہندستان کی افسردہ فطرتوں کو ہنسا رہا ہے
کبھی تو دیکھو کہ کتنی ویرانیاں ہیں اس کے قریب لیکن
مگر تمھیں تو حسیں مناظر ہی آج تک وہ دکھا رہا ہے
یہ حد ہے اس کی کلفتوں کی خدا کو ظالم سمجھ رہا ہے
اگرچہ اس کو خدا ہی اب تک بنا رہا ہے بڑھا رہا ہے

بفضلِ خالق انہی مصائب میں ایک حسنِ غزل غزل کو
اک عشقِ خود دار و خودنگر کا پیام رنگین سُنا رہا ہے
پیام بھی وہ کہ جس کے تیور میں خسروانہ جلالتیں ہیں
پیام بھی وہ جو حسن تک کو وقار کے گُر سکھا رہا ہے
اُسی کا حسنِ طلب کہ اب حسن تاجور تک میں دیکھ لیجے
نثار ہونے کا ایک ارماں نگاہ میں مسکرا رہا ہے
یہ احترام جمال تو دیکھیے کہ وہ چاہتا ہے جس کو
ستارۂ صبح و صبح زرّیں سے اس کو سجدے کرا رہا ہے
زبانِ اردو کو جس تغزل کا ایک بانکپن دے رہا ہے اُس پر
وہ خود ہی مستانہ وار جوشِ بہار جنت لُٹا رہا ہے
سلام اُس خاندان پہ جس کا یہ ایک عالی مزاج شاعر
تمھاری ناقدر داں خموشی پہ آج بھی مسکرا رہا ہے

☆☆

نظریاتِ غزل

از

ملّا رموزی

فہرست

- نظریاتِ غزل 155
- حسن گوہریں 169
- موجِ گلستاں 170
- صحرا کا پری خانہ 171
- ملاقات کا عکس 172
- کیا کہوں 173
- جانِ سبا 174
- سُسن کا جواب 175
- چاہیے 176
- ...ملاحظہ کے لیے 177
- منزلِ جاوید 178
- درخواست 179
- عظمتِ سلطانہ 180

- ...کی خدمت میں 181
- عاشق 182
- ترے بغیر 183
- اب تک 184
- ترا خیال 185
- امید جواں 186
- آج کل 187
- ترا خیال 188
- حجاب اب تک 189
- سلام آیا 190
- جوش ہے 191
- آفتاب ہوں میں 192
- دولت شاہانہ 193
- نظم 194
- کہیں کہیں 195
- عاشقی 196
- صورت دل خواہ 197
- حسن و عشق 198
- معاذ اللہ 199
- ساقیٔ سلطان 200
- اک گناہ 201
- آثار عشق 202
- کیا کہوں 203

- بہار ہوں میں 204
- نگاہ عشق 205
- حجاب رہ گزر 206
- حسن وعشق 207
- ریاست قلب وجگر 208
- اک دن 209
- بال سلجھا کر 210
- شتاب 211
- اک دن 213
- میں چپ ہوں اور آئے جا رہا ہوں 2:4
- غریب وامیر کا عشق 215

نظریاتِ غزل

اس موقع پر جب کہ میں اسقامِ غزل پیش کر رہا ہوں، غزل کے ان نظریوں کا سوال بھی چھیڑ دوں، جن پر غزل کے اشعار کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

پس میری نظر میں یہ نظریے بھی جماعتی زندگی کے لیے بے حد نقصان رساں اور خلافِ عقل وفطرت ہیں جو یہ ہیں۔

مثلاً انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے وہ ایک رفیق زندگی کو حاصل کرنے پر حریص ہے جس کے فطری اور خوشگوار طریق کا نام عشق ہے، لیکن غزل نے اس یکسر فطری ملکہ کو جس درجہ غیر عقلی اصول اور نظریہ کے ساتھ پیش کیا ہے وہ جماعت اور جنسی اتحاد کے لیے ایک عذاب ہے، جس کے ہولناک نقصانات سے محسوس طور پر جماعت یا افراد جماعت برباد ہو رہے ہیں۔ چنانچہ غزل میں مجنوں اور فرہاد کا عاشقانہ کردار نہایت درجہ غیر عقلی ناقابلِ برداشت اور انسانیت کے لیے مہلک ہے۔ یعنی جب عورت مرد ایک دوسرے سے محبت کرنے پر فطرتاً مجبور ہیں تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر شخص مجنوں فرہاد، لیلیٰ اور شیریں کا کردار پیش کرے، لیکن غزل کا عقیدہ یہی ہے کہ وہ عاشق ہی نہیں جو مجنوں کی طرح محبوب کے حاصل کرنے کی عوض محبوب کی محبت میں جان دے دے۔ اس لیے جب عاشق صرف بلا و آزمائش اور قربانیوں کے لیے وقف کر دیا گیا تو معلوم نہیں پھر محبوب

کس کے لیے زندہ رکھا گیا ہے۔

غزل کا ایک عقیدہ ہے، عشق حقیقی اور اس کے کردار کو عشق مجازی پر فوقیت دی گئی ہے۔ لہٰذا کوئی ذی ہوش نہیں جو عشق حقیقی کو ترک کر کے عشق مجازی کو اختیار کرے اور جب عشق مجازی کو لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے تو معلوم نہیں پھر مرد و عورت کا اتحاد کس عشق کے ذریعہ عمل میں آئے گا اور وہ محمود قرار دیا جائے گا۔

غزل کا ایک عقیدہ ہے ترک خودی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں انسانیت، تحصیل علوم، حکمرانی، خدمتِ خلق اور جماعتی فرائض کو خیرباد کہہ کر اپنے کو ایک محبت کے نام پر ختم کر دیا جائے۔ بعض نے اس سے بھی زیادہ بے ہوشی سے کام لیے ہے یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ بے وصل محبت اور ناکام محبت کی موت مبارک موت ہے۔ لہٰذا اس ضابطہ سے اگر تمام مرد ناکام محبت کی موت قبول کر لیں تو پھر قوم اور جماعت کی بقا کس طرح ممکن ہوگی۔ موجودہ عہد میں بعض [illegible] نظر نوجوانوں نے ایک جدید عشق کی ابتدا کی ہے جس کو ان کی اصطلاح میں ''روحانی عشق'' کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نوجوان مرد و عورت آپس میں شدید محبت کریں، ایک دوسرے کے لیے قربانیاں کریں۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کی آزمائش میں جان دے دیں لیکن ان قربانیوں اور محبتوں کا نہ کوئی بدل چاہیں نہ آپس میں شادی بیاہ۔ گویا عشق بغرض عشق ہو نہ کہ عشق بغرض اتحاد جنسی۔ کتنا لغو، غیر عقلی اور جاہلانہ عشق ہے جو جھوٹ سے لبریز ہے اور نوعمری کی فطری کم عقلی کا اثر۔

غزل کے ان عاشقانہ معتقدات اور نظریوں کے بعد غزل نے محبوب کے لیے بھی چند خصائص وضع فرمائے ہیں جو جماعتی اور جنسی ترقیات کے لیے بے حد نقصان رساں ہیں۔

مثلاً محبوب کو چاہیے کہ وہ عاشق کو ''بوالہوس'' کہہ کر پاس نہ آنے دے لیجیے قصہ ختم۔ اب معلوم نہیں کہ کون مرد ہے جو فطری ترغیبات کو طاق پر رکھ کر ایک بے حس انسان کی طرح عشق کے مصائب بھی برداشت کرے گا اور کسی خواہش کا اظہار بھی نہ کرے گا۔

محبوب کو بتایا گیا ہے کہ اگر تو نے عاشق کے اظہار محبت ہی پر کسی مہربانی کا اظہار کیا تو محبوب نہیں، بازاری اور بے حیا ہے، اس لیے تجھ کو چاہیے کہ عاشق کو ناز و نخرے اور ایثار و قربانی میں اس حد تک آزما کہ وہ انسانیت سے گزر کر جب اپنا سب کچھ کھو دے تو اس کو عاشق سمجھ ورنہ

بوالہوس۔ نتیجہ یہ ہے کہ دو ذی ہوش انسانوں کا فطری لگاؤ ایسی حرکات سے خطرناک خودکشی تک پہنچ جاتا ہے، مگر مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ حالانکہ محبوب فطری طور پر عشق کی ہر ادا کا قدر دان واقع ہوا ہے لیکن اس اصول کو توڑ کر اگر کوئی محبوب اپنے عاشق کو نوازتا ہے تو وہ بے حیا اور بے غیرت ہے۔ نتیجہ ایسے افکار و اصول کا ظاہر ہے ادب والفاظ کی بدنصیبی کہ وہ ایک ایسی کم نظر اور غیر محقق جماعت کے ہاتھ میں رہا جس نے اس کو ہمیشہ خلاف عقل وفطرت استعمال کیا اور یہ استعمال آج جماعت کے ضوابط کا کام کرنے لگا۔

مثلاً صحیح ہے کہ محبوب اپنے ناز وغمزے سے حسین اور بے حد دلکش ہو جاتا ہے مگر اسی حد تک جب تک کہ اس کا ناز وغمزہ فطری حدود تک رہے، لیکن غزل نے اس ناز وغمزہ کی جو قیمت ادا کی ہے وہ عام انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب کے مراتب یا اس کے حصول کے جو ذرائع غزل نے پیش کیے ہیں وہ یکسر غیر عقلی، غیر معتدل اور جماعتی اتحاد کے لیے کاملاً قابلِ اخراج ہیں۔

میری اس تنقید کے یہ معنی نہ لیجیے کہ میں ایک ایسے عشق کو رواج دینا چاہتا ہوں جو ہر نوع کی قید و بند سے آزاد ہو کر جماعت کے نظم وحجاب اور وقار کو صدمہ پہنچادے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ آپ جو کچھ کہیے وہ عین عقل وفطرت ہو اور معتدل۔

واضح ہو کہ میرا زمانہ اخبار و اطلاع کی عالمگیر وسعت کا زمانہ ہے اس لیے اخباری اطلاعات بتاتی ہیں کہ ایسی لغو ومہمل اور غیر فطری قیود اور نقصان رساں بندشوں سے جماعت میں خودکشی ایسی وبا بے حد آسان ہو چکی ہے جو نہ فقط قوم کے اخلاقی وقار کو رسوا کرنے والی ہے بلکہ خود افراد و قوم اور گھریلو زندگی کی مسرتوں کو تباہ کرنے والی ہے۔ اس لیے غزل کے مذکورہ عقائد کو شدت سے تباہ کر دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم ایک صحیح الصحت جماعت کے حسن وعشق کی اصل فطرتوں کو غزل کے نام سے پیش کرنے کے قابل ہو گئے۔ البتہ سوال یہ ہے کہ غزل کن اشعار کو کہا جائے سو اس کے لیے قدما کی بحث میں نہ جائیے بلکہ اپنے عہد و زمانے اور اپنے فطری مطلوبات کے فطری رجحان سے خود ہی غزل کے نظریات وضع کیجیے۔

پس عقلاً اور فطرتاً ثابت ہے کہ حسن وعشق کے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جس پر حسن وعشق کے

اثرات ہوں گے۔ گویا مرد و عورت کے عہدِ شباب و جمال اور ان دونوں کے فطری اتحاد کا ایک خوشگوار وقفہ ہوتا ہے جو غزل کے رنگ میں صفحۂ قرطاس اور زبان پر آتا ہے۔ لہٰذا غزل نام ہوا صرف حسن و عشق کے تاثرات، واردات، کیفیات اور واقعات کا۔ اس لیے دو انسانوں کے ان فطری ملکات کو فطری انداز سے بیان کر دینا ہی اصل غزل ہے باقی خرافات۔ اس لیے اس کے جدید نظریات وضع کرنے کے عوض صرف اتنا اہتمام ہی کافی ہوگا کہ آپ نے غزل میں صرف اتنے ہی واقعات بیان کیجیے جو محسوسات، یقینیات، مشاہدات اور عقلیات کے تابع ہوں۔ باقی مسائل کو حصۂ نظم کے لیے چھوڑ دیجیے کہ اس صنف شعر کا میدان بے حد وسیع ہے۔ اس میں جیسے چاہیں فلسفے اور منطقیں پیدا کی جائیں۔ اب رہی غزل سو اس میں سامع پر بھی قدرتاً ایک ہی تسلسل اور ترتیب لیے ہوئے کلام اثر ڈال سکتا ہے اور یہ کہیں کی اینٹ کہیں کا پتھر تو کسی طرح بھی نہ موثر نہ مفید۔

رموزی

حسن گوہریں

جوش پر طوفان گلزار و گل افشاں الاماں ——— مشرقی سطوت کا اک شاہانہ ایواں الاماں
اُس میں اک جانِ شباب و جانِ ارماں الاماں ——— یا شرابِ ناب کی اک موجِ رخشاں الاماں
اس پہ حسن و رنگ کا اک مست طوفاں الاماں ——— حسنِ بے قید و نہایت، حسنِ ناداں الاماں
نے عذابِ فکرِ دنیا، نے خیالِ حسن و عشق ——— بس مسلسل اک شبابِ عیش ساماں الاماں
اُف وہ الھڑ نوجوانی یا وہ جادوئے جواں ——— اور جادو میں بھی اک جادوئے مژگاں الاماں
ایک بے قابو سا جوشِ نوجوانی رات دن ——— ہر گھڑی چہرہ پہ وہ زلفِ پریشاں الاماں
کپکپا جائے تخیل، دل لرز جائے جہاں ——— اُس مقامِ حسن کی چشمِ غزل خواں الاماں
مسکرا دینے میں جان و دل کی لاکھوں بخششیں ——— روٹھ جانے کی نظر میں زورِ خاقاں الاماں
سینۂ نوخیز میں بیتابیوں کی شدتیں ——— یا شگوفوں پر بہارِ گل بداماں الاماں
جسمِ دوشیزہ پہ سیم و زر سی ہلکی تابشیں ——— یا شفق سی سرخیوں میں صبحِ تاباں الاماں
سر سے پاؤں تک جوانی ہی جوانی کی پھبن ——— طاقتِ باراں سے یا جوشِ گلستاں الاماں
ہر نظر اک شوکتِ شاہانہ کی دنیا لیے ——— ہر ادا بیتاب کر دینے کا عنواں الاماں
اک مسہری پر تھکا ماندہ سا حسن گوہریں ——— اور اُس پر جلوۂ صبحِ فروزاں الاماں
سو کے اٹھنے سے نگاہوں میں شرابوں کی قسم ——— اور اضمحلال میں بھی شانِ سلطاں الاماں
بس اسی عالم میں اب میرا گزر اس کے قریں ——— اور اب اس کا سکوتِ نیم خنداں الاماں
باریابی کے سپاس و شکر کے انداز سے ——— اس سے کچھ کہنے کا مجھ میں جوشِ جولاں الاماں
میرے شکر آمیز جملوں سے لجا جانا غضب ——— اس لجانے پر مرا شوقِ فراواں الاماں

اب اِدھر حدِ ادب کی مجھ میں سو مایوسیاں
اور اُدھر ملنے کا اک پُرشوق امکاں الاماں

موجِ گلستاں

اِدھر بے شبہ میں خود ہی ہلاکِ شامِ ہجراں ہوں
مگر پھر بھی نقیبِ مطلعِ صبحِ فروزاں ہوں
لرز جاتا ہوں اپنی اس سیہ کاری کے کہنے سے
کہ میخانہ میں جاتا تو ہوں لیکن پاک دامن ہوں
میں عاشق ہوں مگر اس طرزِ کیفیت کو کیا کہہ دوں
کہ عاشق ہو کے بھی جیسے غرورِ جانِ جاناں ہوں
جلا ڈالے دلوں کی کائناتیں تک جو کھل جائے
کسی ارماں بھری دوشیزہ کا وہ رازِ پنہاں ہوں
میں کیا ہوں اور کہہ دوں، یعنی اک شرمیلے چہرہ پر
جولائی جاتی ہے اٹھلا کے وہ زلفِ پریشاں ہوں
تری شاداب نظروں کا اثر اس طرح پاتا ہوں
کہ جیسے میں ہی خود سرتا بہ پا موجِ گلستاں ہوں
جمالِ وادیٔ گل ہے، شبِ مہتاب ہے وہ ہے
اگر کہیے تو کہہ دوں آج تو صدر پرستاں ہوں
کسی دوشیزہ کی خاموش نظروں میں جو رہتا ہے
وہ عاشق سے گلے ملنے کا اک بیتاب ارماں ہوں
عجب کیا ہے جو وہ بلقیس رفعت خود ہی آ جائے
محبت میں امانت دارِ تمکینِ سلیماں ہوں
مجھے جیسے شکوہِ خسرو پرویز حاصل ہے
جو میں اس جانِ شادابی کا اک رنگیں غزل خواں ہوں

صحرا کا پری خانہ

گلستاں تک نظر آئے گا پھر ویران ویرانہ — کبھی خود دیکھ لیجیے گا جو صحرا کا پریخانہ
فضائے وادیٔ گلریز و موجِ چشمۂ روشن — جمالِ انجم و مہتاب و حسنِ جانِ جانانہ
یہیں بکھری ہوئی زلفوں کی عنبر بیز لپٹیں ہیں — یہیں ہے جانِ موسیقی یہیں ہے روحِ مخانہ
یہیں تو سینۂ نوخیز میں مستی مچلتی ہے — یہیں فرزانہ عاشق بھی نظر آتا ہے دیوانہ
یہیں طوفان اٹھتے ہیں جوانی کی امنگوں میں — یہیں کچھ مسکراتے ہیں حجاباتِ عروسانہ
یہیں دوشیزگی دلہن بنی جاتی ہے شرما کر — یہیں عاشق ہوا جاتا ہے پروانہ پہ پروانہ
یہیں ہیں وادیٔ گلرنگ کی شہزادیاں شاداں — یہیں ہے غمزۂ ترکانہ و نازِ ملوکانہ
یہیں حسنِ شبابِ ماہتاب و کہکشاں بڑھ کر — ادب سے پیش کرتا ہے جواہر تاب نذرانہ
یہیں کی بانسری کی لے پہ قدسی وجد کرتے ہیں — یہیں سجدہ کو خود مجبور ہے پندارِ بت خانہ
یہیں اس جانِ عشق و حسنِ دوشیزہ کے تیور ہیں — نظر آتا ہے اطمینان و استغنائے شاہانہ
یہیں آنسو نظر آتے ہیں حوروں کی نگاہوں میں — جو عہدِ ہجر کے صدمات کا سنتے ہیں افسانہ
یہیں تو اصل شعر و نظم کی رنگیں شرابیں ہیں — یہیں تو ناز اٹھاتی ہے مری تخئیل سلطانہ

رموزی میں جب ان رنگینیوں پر بھی رہا غالب
تو فطرت نے دیا مجھ کو مزاجِ تاجدارانہ

ملاقات کا عکس

سہا تو ہے بہت کچھ صدمہ دل کی ہر خرابی کا
مگر مظہر ہوں پھر بھی عاشقانہ لاجوابی کا
جمالِ ثروتِ میخانہ بھی اپنا سمجھتا ہوں
تجسم پالیا ہے جب سے اُس چشمِ شرابی کا
نظر تک اس کی دلہن بن گئی تھی وہ تجسم تھا
یہ اک خاکہ ہے اس ایواں میں میری باریابی کا
غضب کی تھی ادب افروز میری گفتگو اُس سے
مگر پھر بھی اثر تھا اس کے حسنِ ماہتابی کا
جوابِ عشق اس نے عشق ہوکر ہی دیا مجھ کو
رموزِ عشق ہی ضامن تھا ایسی کامیابی کا

کیا کہوں

عشق کا اپنے بہار آرا فسانہ کیا کہوں
اور اُس کا آپ سے حسنِ شہانہ کیا کہوں
رہتی ہیں بیتاب اٹھنے کو مری جانب مگر
اُن نگاہوں کا حجابِ خسروانہ کیا کہوں
حاصلِ حکمت وہی تھا حاصلِ الفت وہی
یعنی مجھ سے اس کے ملنے کا بہانہ کیا کہوں
دیکھنے میں تو نگاہِ حسن کچھ مغرور سی
دل میں لیکن ایک جوشِ عاشقانہ کیا کہوں
مسکرائی تھی کہ تابِ ہوش سی جاتی رہی
اب میں اس کی وہ نگاہِ ساحرانہ کیا کہوں
ہے جو حاصل مجھ کو از راہِ محبت آج کل
ایک شہزادی دوشیزہ کا زمانہ کیا کہوں
اُس کی نظروں سے رموزی اور اپنے ذوق سے
آج میں اپنا کمالِ شاعرانہ کیا کہوں

جانِ سبا

خزاں میں بات ہی کیا ہے جو اک موجِ فنا آئے
مزا جب ہے خزاں ہی میں چمن پرور ہوا آئے

میں فرقت کی کٹھن منزل میں اس نکتہ پہ جیتا ہوں
کہ ممکن ہے فنا کے ساتھ سامانِ بقا آئے

کمالِ بادہ خواری کے سلیقے جب مجھی تک ہیں
تو پھر مجھ کو منانے بھی جمالِ میکدہ آئے

مری اس ضد پہ اب حیراں ہے میخانہ کی کم ظرفی
کہ مجھ کو جام دینے بھی شرابوں کا خدا آئے

شبِ فرقت جو میں نے کاٹ لی درد و اذیت سے
تو اب اس میں دھرا کیا ہے کہ صبحِ دلکشا آئے

فراغت کی طرف خود حسن جائے تو عجب کیا ہے
میں جب سمجھوں کہ وہ بہرِ گدائے بے نوا آئے

تڑپ اٹھی تھی قدرِ عاشقی جب اس کی محفل میں
خود عاشق ہی گدا بن کر برائے التجا آئے

کمالِ حسن یہ تھا عشق کی خاطر وفا ہوتی
جفا کے بعد کیا آئے جو پیغامِ وفا آئے

رموزی میں اگر اب حسنِ تمکینِ سلیماں ہے
تو اک دن دیکھ لیجے گا کہ وہ جانِ سبا آئے

حسن کا جواب

آ اے حکیمِ عصر خود عشق کا انقلاب دیکھ
یعنی فقیر کے لیے شاہ کا اضطراب دیکھ
میری اک آہ سرد سے ایک حریمِ شاہ میں
جانِ حریم شاہ کا دیدۂ آب آب دیکھ
از رہ ضابطہ جہاں جا نہ سکا میں آج تک
آج وہیں بفضلِ عشق آ مجھے باریاب دیکھ
جس کا قدم قدم بنے عقد کشائے فلسفہ
اس کا دلہن بنا ہوا مجھ سے وہ اک حجاب دیکھ
نشہ سے جس کے مل سکے فکر فلک کشا مجھے
وہ جو پلائے شوق سے آ وہ مری شراب دیکھ
دل ترا جگمگا اٹھے چاہیے ہے اگر تجھے
اُس کے لیے تبسم حسنِ تہ نقاب دیکھ
فقر کے گھر میں آ گیا حسنِ شہانہ آپ ہی
عشقِ فقیر کا ذرا جذبۂ مستجاب دیکھ
عشق جو جاں نثار تھا اس نے بھی عشق کے لیے
تاجوری کو تج دیا حسن کا یہ جواب دیکھ
وحدتِ ذوق ہی ہے عشق دونوں میں فرق کچھ نہیں
تو جو غلام علم ہے جا تو کوئی کتاب دیکھ

چاہیے

مجھ کو نگاہ الفت جانانہ چاہیے یعنی اک حسنِ عاقل و فرزانہ چاہیے
عاشق کے نام تک پہ جو ہو خود فریفتہ ایسا جمالِ عاشق و دیوانہ چاہیے
میرے نکاتِ عشق پہ جو غور کر سکے اتنا بلند حسنِ فقیہانہ چاہیے
تفصیلِ شوقِ حسن سرِ راہ کہہ سکے نظروں کا وہ اشارۂ بیگانہ چاہیے
جو کھینچ لے کبھی مرے زورِ غرور کو ایسا جمالِ نرگسِ مستانہ چاہیے
مانا کہ شوخ تر ہے شبابِ گلاب تاب! اُس میں بھی اک وقارِ حکیمانہ چاہیے
جس پر نثار ہو کے رہیں شاہزادیاں ایسا جمالِ عشقِ فقیرانہ چاہیے
کم ظرفیاں ہیں حسن کی یہ حسنِ عام تو مجھ کو تو حسنِ صدر پری خانہ چاہیے
سب کچھ لٹا چکی ہو جو عشقِ فقیر پر ایسی رئیس زادی کا افسانہ چاہیے
جو حسن خود غلام ہو اعزاز و جاہ کا اس کا تو نام بھی کبھی لینا نہ چاہیے
اک بار مسکرائی ہے ایسی بھی اک نگاہ جس کے جلو میں شوکتِ شاہانہ چاہیے
لو دے رہی ہے عشق کو دوشیزگی کی آنچ اب مجھ کو بھی جلالتِ پروانہ چاہیے

یعنی وہ آ رہی ہے رموزی کے واسطے
جس کے لیے بہار کا نذرانہ چاہیے

...ملاحظہ کے لیے

مجھے بے ساقی و ساغر خمار آئے تو کیا آئے
شرابِ سرخ ویسے لاکھ بار آئے تو کیا آئے

ترے ملنے سے مجھ کو جو قرار آئے وہ رنگیں ہو
شبِ ہجراں میں تھک تھک کر قرار آئے تو کیا آئے

بڑی ہی دردمندی سے چمن زادے یہ کہتے تھے
بہار آئے نہیں یادو بہار آئے تو کیا آئے

شبِ صحرا کی فرصت ہو نہ تو ہو اور نہ بادہ ہو
تو اس پر اک ہوائے جوئبار آئے تو کیا آئے

رئیسِ میکدہ بے جوش ہے اور میکدہ خالی
اب ایسے میں اگر کچھ بادہ خوار آئے تو کیا آئے

نہ تھا ممکن ترے در پر ز راہِ عشق ہم آتے
اب اُس در پر زراہِ انکسار آئے تو کیا آئے

بھڑک اٹھی ہو جب شمع منور، صبح ہوتی ہو
تو سو پروانے اب پروانہ وار آئے تو کیا آئے

سنورتے وقت مجھ سے دور رہ کر تیرے چہرہ پر
اگر زلفِ پریشاں بار بار آئے تو کیا آئے

وہ جس کو عشق سے خود اک غنائے قلب حاصل ہو
اگر اُس کو عطائے تاجدار آئے تو کیا آئے

منزلِ جاوید

اگر یہ عشق فرقت میں ذرا خوددار ہوجائے
جمالِ عشق پر قرباں جمالِ یار ہوجائے
غضب کی ہمتیں آجائیں تجھ میں بات ہی کیا ہے
جو پہلے وار سے تو رازدارِ دار ہوجائے
میں اس سرمایۂ گلزار کے دوشیزہ ہاتھوں سے
اگر پی لوں تو دل تک مظہرِ انوار ہوجائے
سنور کر سیر کو نکلے تو خود صدرِ پری خانہ
نثارِ مقدمِ جانانہ سو سو بار ہوجائے
گلے ملنے کی بیتابی میں دونوں چاہتے یہ ہیں
کسی کا اک اشارہ ہی فقط اک بار ہوجائے
حیاتِ عشق میں اک منزلِ جاوید یہ بھی ہے
کہ اُس کے منہ سے ملنے کے لیے انکار ہوجائے
مزاجِ حسن کی فطرت ہی عاشق کے لیے یہ ہے
کہ ہر انکار اُس کا ایک دن اقرار ہوجائے
رموزی کا مذاقِ شعر ہی گلزار آرا ہو
اور اس پر پھر عطا وہ دولتِ بیدار ہوجائے

درخواست

مجھے ناہید کی طلعت کا پیمانہ بنا دیجے
خدا ہیں آپ تو کوثر کو میخانہ بنا دیجے
مری ناچیز سی خواہش ہے یعنی آپ اس دل کو
جو الفت سے ہو بیگانہ تو ویرانہ بنا دیجے
نہ کیجیے کچھ تو یہ کیجیے کہ مجھ خود دار بندہ کا
غرورِ حسن شاہانہ کو دیوانہ بنا دیجے
جہاں بھی آپ کی الفت کی اک دو خانقاہیں ہوں
انہی کے بیچ میں میرا پری خانہ بنا دیجے
مرے ذوقِ شرابی اور حیاتِ عاشقانہ کو
جو فرزانہ بنا دے ایسا افسانہ بنا دیجے
محبت کے لیے دولت نہ دیجے آپ اگر چاہیں
مگر اتنا تو کیجیے دل تو شاہانہ بنا دیجے
غلام غمزہ ہوتا ہی نہیں ہوں تو یہی کیجے
مجھی کو ایک دن محبوب جانانہ بنا دیجے
جنوں کے بدلے حسن عقل سمجھیں آپ کے بندے
مرے اس عشق کو ایسا حکیمانہ بنا دیجے
جمال و غمزہ کی مغرور تر دنیا میں اب میری
نظر تک کی ادا کو تاجدارانہ بنا دیجے
فقط اک حسن ہے اس حسن کو کچھ عقل بھی دیجے
اور اس کے بعد اس کا مجھ کو پروانہ بنا دیجے

عظمتِ سلطانہ

بادۂ رنگیں ہے وہ ہے، شوکتِ پیمانہ ہے
اتنا شاہانہ مرا سرمایۂ میخانہ ہے
ایسی منزل میں ہیں ہم دونوں کہ کہہ سکتے نہیں
کون کس کی کس ادا پر آج کل دیوانہ ہے
شمع پروانے پہ اپنے ایسے عکس انداز ہے
شمع جیسے خود ہی اب پروانۂ پروانہ ہے
جان جانے کو ہے لیکن التجا بنتی نہیں
منصبِ عشق و وفا اس درجہ خود درانہ ہے
پوچھ لیجے ہر صنم خانے میں میری یاد ہے
اتنا کچھ مقبول مرے عشق کا افسانہ ہے
جس پہ قرباں احتشامِ خسرو پرویز ہو
اس کا وہ میرے لیے اک غمزۂ بیگانہ ہے
میری بیتابی کو سب کچھ کہہ کے یہ بھی دیکھیے
اُس کا بھی اک اک اشارہ کتنا بیتابانہ ہے
شعرِ ہندوستاں میں ہے ہجر و گدائی جانِ عشق
یاں نثارِ عشق خود اک عظمتِ سلطانہ ہے

...کی خدمت میں

اگر یہ جذبِ دل اس طرح کام آیا تو کیا آیا
کہ اس کا مجھ کو اب تک اک سلام آیا تو کیا آیا
گئی، عمرِ جواں جب خدمتِ میخانہ میں میری
تو اب میرے لیے گردش میں جام آیا تو کیا آیا
کمالِ قدر یہ تھا، ابتدا ہی لطف سے ہوتی
ترا لطفِ نظر آخر میں کام آیا تو کیا آیا
جلا ڈالی خزاں نے جب چمن کی روحِ شادابی
تو اب اس کو بہاروں کا پیام آیا تو کیا آیا
طبیعت ہی مری میخانہ سے جب پڑ گئی پھیکی
تو اب جوشِ شرابِ لالہ فام آیا تو کیا آیا
تماشائی کھڑے تھے جب تو گھر ہی میں رہا سب کچھ
جلوس اب با ہزاراں احتشام آیا تو کیا آیا
نظر ہی پھیر لی جب باغباں نے سروِ گلشن سے
تو اب اس سرو کا وقتِ خرام آیا تو کیا آیا
نظامِ دل ہی برہم ہو گیا فرقت سے جب تیری
تو اب تجھ میں کمالِ انتظام آیا تو کیا آیا
مرے قاصد سے اب تک بات بھی تو نے نہ کی میری
تری باتوں میں اب حسنِ کلام آیا تو کیا آیا
دماغ و دل دکھا کر شاعرِ رنگیں کی خدمت میں
چمن کا پیش کردہ احترام آیا تو کیا آیا

عاشق

گدازِ ہجر سے گو بے قرار ہے عاشق
مگر غضب ہے کہ پھر باوقار ہے عاشق
منازلِ رہِ الفت میں جب غلط ہی نہیں
تو بے خبر ہے کہ پھر ہوشیار ہے عاشق
کمالِ حسن سمجھتا ہے جب تو مرتا ہے
جنوں میں عقل کا سرمایہ دار ہے عاشق
یہ حد ہے کہ سرِ دار بھی تو کچھ نہ کہا
جمالِ یار پہ اتنا نثار ہے عاشق
اگر جمال فدائے کمالِ عشق ہوا
تو اس اثر کا بھی پروردگار ہے عاشق
غضب کہ اس سے کبھی ہٹ کے اور کچھ نہ ہوا
کہ اضطراب ہے یا انتظار ہے عاشق

ترے بغیر

یہ ماہتاب سی سب آفتاب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
یہ ماہتاب ہے یا ماہتاب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
جمالِ شبنم و جوشِ گلاب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
کنارِ چشمۂ روشن شراب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
شراب کے لیے بے احتساب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
ملیں نہ عمر میں وہ انتخاب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
سرودِ نغمہ و چنگ و رباب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
حدیثِ حسن کی رنگیں کتاب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
یہ اک سکوں ہے کہ خود محوِ خواب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
جوانیوں کے لیے اضطراب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
دماغ کے لیے اک انقلاب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
عبادتوں سے بڑی باثواب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
نیازِ سجدہ سے قدسی جناب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں
میں مانتا ہوں کہ سب کامیاب ہیں راتیں　　ترے بغیر مگر سب عذاب ہیں راتیں

کنارِ چشمہ رموزی کے پاس تو بھی ہو
تو پھر کہوں کہ یہ سب لاجواب ہیں راتیں

اب تک

عجب کہ ہوں تو میں محروم لطف یار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
رہا تو ہوں میں خراب رہ گزار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
رہ جمال میں ہیں مشکلیں ہزار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
قریب ہو نہ سکا اس سے ایک بار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
مٹا رہا ہے مجھے اس کا انتظار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
نہ اقتدار ہے اس پر نہ اختیار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
ہوئی نہ ایک بھی امید کامگار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
میں اس کی یاد سے ہوں لاکھ بے قرار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
غرور حسن کا ہوتا رہا شکار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک
میں بے رخی سے بھی ہوں اس کی اشکبار اب تک
مگر یہ کیا ہے کہ ہوں پھر بھی اک بہار اب تک

ہے اک نگاہ رموزی جو سازگار اب تک
تو یہ وہ راز ہے جو ہوں میں اک بہار اب تک

ترا خیال

کسی کے حسن کا قصہ کوئی سناتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
جو شعر ہجر کہیں کوئی گنگناتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
سکوتِ شب میں اگر کوئی گیت گاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
نظر ملاتے ہی جب کوئی مسکراتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
جو خط شوق کسی کا کوئی دکھاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
جو روٹھنے پہ کسی کو کوئی مناتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
لجا لجا کے قدم جب کوئی اٹھاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
کسی کو کوئی گلے سے اگر لگاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
جو گفتگو میں جھجکتا اور لجاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
رسیلی بانسری جب بھی کوئی بجاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
جو اپنی آنکھ کے آنسو کوئی چھپاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے
جو نیچی نظروں سے جادو کوئی جگاتا ہے   ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے

وہ جب ستارۂ ناہید جگمگاتا ہے
ترا خیال مجھے اور بھی ستاتا ہے

امیدِ جواں

ملے وہ مجھ کو یہ تقدیر ہی کہاں میری
مگر یہ کیا کہ ہے امید پھر جواں میری
سنا سکا نہ کوئی اس کو داستاں میری
مگر یہ کیا کہ ہے امید پھر جواں میری
ہوئی نہ ایک بھی تدبیر کامراں میری
مگر یہ کیا کہ ہے امید پھر جواں میری
رسائی ہو نہ سکی آج تک وہاں میری
مگر یہ کیا کہ ہے امید پھر جواں میری
اثر سے دور ہے جیسے کہ ہر فغاں میری
مگر یہ کیا کہ ہے امید پھر جواں میری
وفا ہے آج بھی مشروط امتحاں میری
مگر یہ کیا کہ ہے امید پھر جواں میری
ادائے عشق ہے خود دار بے گماں میری
مگر یہ کیا کہ ہے امید پھر جواں میری
سنی نہ اس نے کبھی نظم شائیگاں میری
مگر یہ کیا ہے کہ امید پھر جواں میری

نگاہِ حسن ہے در پردہ قدرداں میری
یہی تو ہے کہ جو امید ہے جواں میری

آج کل

عہدِ گلاب و جوشِ گلستاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
ہر رات چاندنی سے پرستاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
جب موج موج حسن کا طوفاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
گلشن کا پتہ پتہ گل افشاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
جب موجِ لالہ تا بہ گریباں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
ہر سمت مست سنبل و ریحاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
ہر ریگزار اک مہِ تاباں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
پیمانے میں شرابِ درخشاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
نظروں میں اس کی شوکتِ سلطاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
اس کی غلام سطوتِ خاقاں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
جب عمرِ عشق و جوشِ غزل خواں ہے آج کل
پھر بات کیا ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل
احساس ہو گیا ہے رموزی کے عشق کا
اس کا اثر ہے جو وہ پریشاں ہے آج کل

ترا خیال

امید وبیم سے دل ڈگمگائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
ترے نہ ملنے کا اندیشہ کھائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
زمانہ ہجر کی مدت بڑھائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
جوان عمر کو کوئی گھٹائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
نصیب یہ ہے کہ مجھ کو مٹائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
دماغ ہجر کے صدمے اٹھائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
نظر میں یاس کا نقشہ سمائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
ترا حجاب تو نظریں چرائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
فلک کمال ظرافت دکھائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
ترا غرور نظر مسکرائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے
پیام یاس ہی قاصد تو لائے جاتا ہے
ترا خیال مگر پھر بھی آئے جاتا ہے

تری نظر میں رموزی سے جو لگاوٹ ہے
ترا خیال اسی سے تو آئے جاتا ہے

حجاب اب تک

جواں ہے شیشہ و ساغر میں اک شراب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
میں اس کی یاد سے ہوں زار اور خراب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
سکوتِ شب میں منور ہے ماہتاب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
ہے جوشِ شبنمِ شاداب اور گلاب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
ہے منتظر نگہِ نغمہ و رباب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
ہے انتظار کا بے تاب پیچ و تاب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
قدم قدم پہ ہے مجھ کو تو اضطراب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
مری نظر میں وہی ہے اک انتخاب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
مرا کمالِ محبت ہے لاجواب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک
میں دیکھ رہا ہوں اسی کے خواب اب تک
مگر غضب ہے کہ اس کو ہے اک حجاب اب تک

سلام آیا

مقام قدس میں گردش میں جیسے جام آیا
جو اس جلالت سلطانہ کا سلام آیا
سلام یعنی محبت کا اک پیام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا
قرار پر کہیں اب عشق کا نظام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا
زہے نصیب کہ مدت میں یہ مقام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا
جواب عشق میں یہ اُس کا احترام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا
سکوں پہ آج کہیں نظمِ صبح و شام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا
یہ جیسے شوق بھرا خط میرے نام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا
کوئی حسین بصد ناز و اہتمام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا
وہ اک اشارہ سا قاصد کا آج کام آیا
جو اُس جلالتِ سلطانہ کا سلام آیا

جوش ہے

اُس کے بغیر سر بھی مجھے بار دوش ہے
یہ کیا کہ پھر وہ جانِ محبت خموش ہے
میرا دماغ اس کے لیے سخت کوش ہے
یہ کیا کہ پھر وہ جانِ محبت خموش ہے
ہر رات پردہ دار ہے اور جرم پوش ہے
یہ کیا کہ پھر وہ جانِ محبت خموش ہے
دوشیزہ بہار چمن گلفروش ہے
یہ کیا کہ پھر وہ جانِ محبت خموش ہے
ہر لحظہ اس کی یاد کا جوش و خروش ہے
یہ کیا کہ پھر وہ جانِ محبت خموش ہے
عہدِ شباب و آرزوئے ناؤ نوش ہے
یہ کیا کہ پھر وہ جانِ محبت خموش ہے
خود اُس کی ہر نظر میں محبت کا جوش ہے
یہ کیا کہ پھر وہ جانِ محبت خموش ہے
غالب ابھی حجاب محبت کا ہوش ہے
یہ ہے کہ جو وہ جانِ محبت خموش ہے

آفتاب ہوں میں

جہاں حسن کا خود ایک آفتاب ہوں میں
جو آفتاب بنادے وہ ماہتاب ہوں میں
وہ کوئی سطوت سلطانہ جیسے از رہِ عشق
منا منا کے پلائے وہ اک شراب ہوں میں
جو چھیڑ دے کوئی ہجراں نصیب دوشیزہ
کسی کی یاد کا وہ نغمۂ رباب ہوں میں
غرور حسن و شہانہ کی ہر نظر کے لیے
وقارِ عشق لیے ہوں تو کامیاب ہوں میں
طویل ہجر کے سوز و گداز کے بدلے
کسی کی پہلی ملاقات کا حجاب ہوں میں
کمال شوق و نظر ہے کمال ضبطِ اثر
جو رازدار جمال تہ نقاب ہوں میں
کمال ظرف ونظر ہو تو میں بتاؤں تمھیں
ز راہِ عشق جہاں آج باریاب ہوں میں
کسی کے دل میں کسی کی نظر سے پہلے پہل
جو انقلاب ہو پیدا وہ انقلاب ہوں میں
مثال دیجیے گا اردو میں میری جدت کی
اب اور کیا کہوں اتنا تو لاجواب ہوں میں

دولتِ شاہانہ

ہے جوش پر جو رحمتِ میخانہ اِن دنوں
دیکھے تو کوئی شوکتِ پیمانہ اِن دنوں
احساسِ عشق ہوتے ہی اللہ رے حجاب
اُس کی نگاہ مجھ سے ہے بیگانہ اِن دنوں
اس پر بھی جو گزرتی رہی ہے میرے لیے
سننے کا ہے یہی تو اک افسانہ اِن دنوں
منہ تک رہے ہیں محتسب و شیخ میکدہ
ساقی کا اُف یہ فیضِ رئیسانہ اِن دنوں
میری وفا کے بدلے مرے نام تک کے ساتھ
دیکھے کوئی محبتِ جانانہ اِن دنوں
اللہ رے شباب کہ اس جانِ عشق کا
کشور کشا ہے غمزۂ ترکانہ اِن دنوں
کس درجہ با وفا ہے رموزی زراہِ عشق
میرے لیے وہ دولتِ شاہانہ اِن دنوں

نظم

اس نظم کو منظوم سے انکار کہیے
یا نزہتِ رنگینیٔ اشعار کہیے
مجھ کو جو سمجھنا ہو تو اک نکتہ بتادوں
دیوانہ کہیے کبھی ہشیار کہیے
چاہو کہ ہو معلوم مرا مسلک و مشرب
دوشیزہ نگاہوں کا پرستانہ کہیے
قومیتِ ہندی کی ہو تعمیر کہ تخریب
مجھ کو تو خرابِ نگہٗ یار کہیے
روزانہ سنورنے کے لیے میرے ہی دل کو
آئینۂ صد طرۂ طرار کہیے
اک شوکتِ سلطانہ و ترکانہ کو میرا
ہو ظرف تو دلدادہ خریدار کہیے
طاؤس کی آواز سے اک وادیٔ گل میں
ہم دونوں کو کچھ مست کچھ ہشیار کہیے
مہتاب سے اک چشمۂ شیریں کے کنارے
باور ہو تو ہم دونوں کو مے خوار کہیے
اک چاند پہاڑوں کی سہانی سی چٹانیں
اور پہلو میں اک دولتِ بیدار کہیے
جم مرتبہ اک حسنِ جواں اور رموزی
اللہ کی قدرت کا اک اظہار کہیے

کہیں کہیں

روٹھی ہوئی جو اُس کی ادا تھی کہیں کہیں
میرے لیے وہ جیسے خدا تھی کہیں کہیں
گو جان کر تو اس نے نہ دیکھا میری طرف
پھر بھی نگاہ ہوشربا تھی کہیں کہیں
دیکھا ہے یوں بھی اس رُخِ مہتاب تاب کو
بکھری ہوئی سی زلف و وفا تھی کہیں کہیں
بیگانہ وار اس نے گزارا قریب سے
پھر بھی حیا سے لغزشِ پا تھی کہیں کہیں
سلجھا رہا تھا جب میں محبت کی الجھنیں
اس کی نظر بھی عقدہ کشا تھی کہیں کہیں
میں جانتا ہوں اُس نظر رہ گزر کو بھی
میں جس پہ اور جو مجھ پہ فدا تھی کہیں کہیں
دیکھا ہے اس کے ایک تبسم کی موج میں
دنیا کے ساتھ ساتھ تھی عقبیٰ کہیں کہیں
اللہ رے وہ اس کی چھلکتی ہوئی نظر
سیلِ فنا میں موجِ بقا تھی کہیں کہیں

عاشقی

الاماں، اس درجہ بھی ویراں جہانِ عاشقی
جیسے سنتا ہی نہیں کوئی فغانِ عاشقی
محفلِ جانانہ میں اذنِ بیاں دیتے نہیں
اب سنایا جائے گا کیسے بیانِ عاشقی
جبر سا تھا جبر جب نکلا جلوسِ جانِ جاں
دور سے دیکھا کیے واماندگانِ عاشقی
اور کیا دیتے تہی دستانِ راہِ آرزو
دین وایماں، جان ودل تھے ارمغانِ عاشقی
اک زباں تک تو نہیں ہے عاشقی کا تذکرہ
دل کی ساری دھڑکنیں ہیں ہم زبانِ عاشقی
یوں بھی دیکھی ہے نگاہِ حسنِ جانانہ کبھی
جیسے واقف ہی نہیں مجھ سے وہ جانِ عاشقی
اک کتابِ درد مندی، اک کتابِ ابتلا
مجھ سے سنیے آج ایسی داستانِ عاشقی

صورتِ دل خواہ

دوشیزگی کی صورتِ دل خواہ کیا کہوں
اُس کی نظر کی شوکتِ ذیجاہ کیا کہوں
ملنے کی قید و بند سے اس جانِ حسن کی
نظروں کے یاس میں تھی جواک آہ کیا کہوں
اس کی نگاہ یاس و پریشاں کو دیکھ کر
گزری ہے میرے دل پہ جو اللہ کیا کہوں
دوشیزگی کی ایک نظر ہی کے واسطے
میں آج تم سے مرحمت شاہ کیا کہوں
دیکھی ہے میں نے تمکنتِ شاہ بھی مگر
اس کی نظر کا حسنِ خود آگاہ کیا کہوں
صرف اس کے انتظارِ نوازش کی راہ پر
میں اپنے دل کی ہمتِ جانکاہ کیا کہوں
اللہ اس زمانۂ ہجر و فراق میں
پھیلی ہے جوشِ گل کی جو افواہ کیا کہوں
وہ جس سے دور دور رہا مدتوں ہی میں
اللہ آج اُسی کے میں ہمراہ کیا کہوں

حسن و عشق

عشق خود دار و خود آرا چاہیے
قدر دانِ حسنِ یکتا چاہیے
ہر جوانی حسن ہو سکتی نہیں
حسن کو بھی اک سلیقا چاہیے
حسن بے مایہ ہے یعنی اُس کو بھی
ایک موزوں تر سراپا چاہیے
عشق کی فکر و نظر رنگین ہو
حسن میں تخئیل علیا چاہیے
عشق جب ایثار و قربانی کرے
حسن بھی پھر لطف فرما چاہیے
حسن بے پروا سے بے پروا رہو
اُس کے جلوہ تک سے پردا چاہیے

معاذاللہ

وہ اک نظر سرِ راہ گزر معاذاللہ
مرے دماغ پہ اس کا اثر معاذاللہ
وفورِ شکوہ سے بیتاب تر مری جانب
وہ ایک روٹھی ہوئی سی نظر معاذاللہ
کسی کی یاد میں مجبوریوں کی شدت سے
وہ کچھ اداس سی اک چشمِ تر معاذاللہ
طویل یاس کے عالم میں مجھ سے ملنے کو
وہ اُس کے آنے کی پہلی خبر معاذاللہ
نظر میں حسنِ ثریا شکوہ کیا کہنا
ہنسی میں اس کی وہ موجِ گہر معاذاللہ
وہ ایک چشمۂ شیریں کی موج روشن میں
جمالِ انجم و حسنِ قمر معاذاللہ
وفورِ عشق و محبت کے جبرِ پیہم سے
غلام ہے نگہِ تاجور معاذاللہ

ساقیٔ سلطان

خرید لی ہے زمانے سے دشمنی میں نے
جو کی ہے ساقیٔ سلطاں سے دوستی میں نے
بجائے نشہ کے اُس کی شرابِ روشن کے
ہر ایک جرعہ میں پائی ہے زندگی میں نے
دمک اٹھا تھا مزاج شراب و رنگِ شراب
ادائے ساقی میں پائی وہ روشنی میں نے
اسی سے ساقیٔ فیاض بھی پلائے گیا
نہ دی جو ہاتھ سے تہذیبِ میکشی میں نے
وہ جس نے نشہ میں بھی ہوش دے دیے مجھ کو
وہ پائی ساقی میں شرمیلی بیخودی میں نے
نظر کے لڑتے ہی ترتیب تھی نہ نظمِ نظر
نگاہِ یار میں دیکھی یہ برہمی میں نے
تری نگاہ کے اک التفات پر ظالم
میں کیا کہوں کہ جو مدت گزار دی میں نے
کسے خبر ہے کہ عاشق سے بھی سوا پایا
نگاہِ حسن میں اک ذوقِ عاشقی میں نے

اک گناہ

ویسا مزا نہ پا سکا شہرت و عز و جاہ میں
وہ جو عطا ہوا مجھے عشق کے اک گناہ میں

عشق کا شکوۂ جفا شورش آہ و واہ میں
حسن کا شکوۂ وفا ویسی سی ایک آہ میں

میری نگاہ سادہ پر اس کی نگاہ جم گئی
یعنی اک عشق ہوگیا صرف اک اشتباہ میں

مجھ سے نگاہ ملتے ہی برق سی اس پہ گر گئی
اُس کے حجاب کی قسم اب نہ ملوں گا راہ میں

دل کو جلا کے آئی تھی کیسی وہ ایک آگ تھی
وقتِ وداع حسن کی سرد سی اک نگاہ تھی

آثارِ عشق

مانا کہ بظاہر پاتا ہوں الفت سے مری انکار ترا
کیا کہیے کہ پھر بھی ملتا ہے انکار میں اک اقرار ترا
جب ترکِ محبت کا جذبہ بڑھتا ہے مرے دل میں تو عجب
اُس وقت نمایاں ہوتا ہے نظروں سے تری اصرار ترا
اس عشق کی خاطر تیری نظر مایوس نظر آتی ہے مگر
چہرہ کی لطافت میں ہے جواں اک حوصلۂ دشوار ترا
اک صرف تصور ہی سے ترے شاداب و جواں ہے فکر مری
پردہ سے ہے یہ تاثیر تو پھر اللہ غنی دیدار ترا
ہے پاسِ ادب ورنہ میں کہوں اس عشق رموزی سے ظالم
غمزہ تو ترا شاداب سہی ہے دل تو مگر بیمار ترا

کیا کہوں

ہجر اور فراقِ یار کے دن رات کیا کہوں
اور اُن کے بعد اس سے ملاقات کیا کہوں
ساقی کے خاص خاص اشارات کیا کہوں
یعنی میں تم سے رازِ خرابات کیا کہوں
ساقی سے جو شرابِ منور ملی مجھے
میں اُس کی روشنی کے مقامات کیا کہوں
جو مسکرا کے کہتی گئی رہ گزار سے
شرمیلی سی نگاہ کی وہ بات کیا کہوں
بات اتنی تھی کہ اس کو میں اک بار دیکھ لوں
لیکن میں اس پہ اس کے حجابات کیا کہوں
میں تو سمجھ رہا تھا کہ شکوے مجھی کو ہیں
لیکن وہ اس کی مجھ سے شکایات کیا کہوں
میں جن کو ممکنات سمجھتا رہا کبھی
اُس کی نظر میں سب تھے محالات کیا کہوں
خفگی کے تیوروں میں بھی اس جانِ عشق کے
میرے لیے حسین خیالات کیا کہوں
ملنے سے قبل جیسے رموزی سے بیر تھا
ملنے کے بعد اس کی مدارات کیا کہوں

بہار ہوں میں

سہی کہ تیرے لیے آج بے قرار ہوں میں
مگر یہ دیکھ کہ کس درجہ باوقار ہوں میں
مذاقِ عشق یہاں تک تو ہے بلند مرا
کہ اپنے حسنِ تصور کا خود شکار ہوں میں
فراق میں مری ہمت کو یوں سمجھ لیجے
خزاں کی گود میں پروردۂ بہار ہوں میں
وہ جس سے طلعت ناہید رونقیں پائے
غضب کہ ایسی تجلی کا پردہ دار ہوں میں
وہ جس پہ نزہتِ جوشِ گلاب ہو قرباں
پناہ، ایسی جوانی کا راز دار ہوں میں
گناہِ حسن کو دل چاہیے تھا یوں اب تک
غلامِ ہمتِ جوشِ گنہگار ہوں میں
شراب خوار تو کیا، ہاں مگر یہ کہتا ہوں
کہ رازدارِ جمالِ شراب خوار ہوں میں
جو بجلیاں ہیں مرے سامنے معاذاللہ
مرا ہی دل ہے جواں کا بھی جلوہ دار ہوں میں
اُدھر تو اس شہ میخانہ کا جواب نہیں
اِدھر غضب ہے کہ خود دار میگسار ہوں میں

نگاہ عشق

پہنچا میں آج ایک تمنا لیے ہوئے یعنی پیامِ عشق کا سودا لیے ہوئے
ایوانِ خسروانہ و رنگیں کے بام پر آئی وہ ٹھوکروں میں تماشا لیے ہوئے
اک مست بانکپن کی اداؤں سے کھیلتی جادوگری کے شوق کی دنیا لیے ہوئے
موجِ شراب یعنی نگاہوں کی تابشیں آنکھیں ادائے نرگسِ شہلا لیے ہوئے
چہرہ کا رنگ جیسے کہ اک مطلعِ سحر حسنِ جبیں جمالِ ثریا لیے ہوئے
شانوں کے ساتھ ساتھ تھا گردن کا پیچ و خم دیوانہ وار زلف چلیپا لیے ہوئے
معصوم سے جمالِ تبسم کے ساتھ ہی موجِ نظر خدائی کا دعوا لیے ہوئے
اک مست سے خیال و ادا کی جوانیاں پاکیزگی میں عظمتِ کعبا لیے ہوئے
گفتار میں بہار کا طوفان موج موج رفتار میں تلاطمِ دریا لیے ہوئے
شہزادگی کے حسن میں دوشیزہ رنگ تھا حورِ جناں کا اصل سراپا لیے ہوئے
بیگانہ وار مجھ پہ نظر ڈالنے کے بعد ٹھہری وہ وہم و شک کا سہارا لیے ہوئے
تھی شوقِ انتظار سے اس کی ہر اک ادا کہنے کا مجھ سے خاص سا ایما لیے ہوئے
کہتا میں کیا کہ اب یہ مرا حال ہوگیا گویا کھڑا ہوں کوئی معما لیے ہوئے
کچھ کہہ سکا نہ میں تو اک افسردگی کے ساتھ اتری وہ بام سے مرا سودا لیے ہوئے

دوشیزگی کے واسطے صرف اک نگاہِ عشق
ہوتی ہے جیسے طاقتِ گویا لیے ہوئے

حجابِ رہ گزر

جو دل ہلاکِ شرابِ خراب ہو کے رہا
وہی تو صاحبِ حسنِ شراب ہو کے رہا
وہ آج اس کا سرِ رہ گزر حجابِ نظر
کسی غریب کے حق میں عذاب ہو کے رہا
وہ ابتدا میں ترا صرفِ التفاتِ نظر
اک حسن و عشق کی رنگیں کتاب ہو کے رہا
خدا کی شان کہ اک عشقِ خسروانہ سے آج
فقیرِ شہرِ معلّے جناب ہو کے رہا
دمک رہا تھا جو اٹھتے ہوئے شباب کا رنگ
وہ آج طلعتِ حسنِ گلاب ہو کے رہا
جو اک تبسمِ زیرِ نقاب دیکھ لیا
فقیرِ وقت ہلاکِ نقاب ہو کے رہا

حسن و عشق

نہ فلسفہ ہے، نہ منطق ہے اور نہ حکمت ہے
تاثرات کی رغبت کا نام الفت ہے
یہ حسن کیا ہے، جسے عشق خود پسند کرے
اور عشق کیا ہے، لطافت کی ایک رغبت ہے
یہ ہجر اور جفائے جمال کچھ بھی نہیں
یہ نظم عام کے اک ضابطے کی ایک شدت ہے
اب اس کے بعد بھی محبوب میں اگر ہے جفا
تو وہ جفا تو نہیں ہاں حجابِ الفت ہے
یہ ناز و غمزہ و حسنِ حجاب ہی وہ ہے
کہ جس سے عشق میں پیدا طلب کی فطرت ہے
غرض کہ دونوں میں ذوقِ موانست ہے کہ یہ
نظام فطرت اجسام کی ضرورت ہے
اب حسن چاہے تو اسبابِ قرب پیدا کر
کہ قرب ہی میں محبت کی اصل قوت ہے
یہ آہ و نالہ و لفظ کشش تو کچھ بھی نہیں
کہ قرب ہو تو نہ فرقت ہے پھر نہ نفرت ہے
رکاوٹیں ہیں فقط دور ہو کے رہتے ہیں
غرض خلاصۂ عشق و جمالِ قربت، ہے
جو قرب ہو تو امیر و فقیر کچھ بھی نہیں
کہ قرب عاشق و معشوق ہی محبت ہے
اک اور نکتہ ہے یعنی کہ عاشقوں کے لیے
حصولِ حسن میں جرأت کی بھی ضرورت ہے

ریاست قلب وجگر

اُس حسن کی نظر کو میں تنہا نظر کہوں
یا طاقت ریاستِ قلب و جگر کہوں

اس عشق کو میں اس کی نظر دیکھنے کے بعد
اپنا اثر کہوں کہ میں اس کا اثر کہوں

جو کہہ گئی نگاہ کی اک شاہزادگی
وہ دار پہ کہوں کہ سرِ رہ گزر کہوں

کہیے تو آج حسن کی قربانیوں کو میں
دوشیزگی کی فطرتِ معصوم تر کہوں

آفاتِ عشق و ہجر میں اس کی وفا نہ پوچھ
دنیا نثار ہو کے رہے میں اگر کہوں

میں اس کے اک اشارۂ روشن کا بانکپن
بس ہو تو موجِ نور میں پیشِ قمر کہوں

اس نے اداس ہو کے جو دیکھا مری طرف
اس کی اُس اک نگاہ کا کیا کرّ و فر کہوں

اک دن

سنورتا دیکھ لینے دے ترا حسنِ جواں اک دن
نثار حسن ہو جائے گا حسنِ کہکشاں اک دن

پرستاں شوق میں ہے اور گلستاں سننے والا ہے
تری دوشیزگی کے حسن پر میرا بیان اک دن

میں جس رنگیں ادا سے کہہ رہا ہوں داستاں تیری
مثالوں میں بیاں ہوگا یہ طرزِ داستاں اک دن

شباب آتا رہا یوں ہی اگر میرے خیالوں میں
بدل دوں گا میں اسلوبِ جمالِ بوستاں اک دن

رہا میں عشق میں بھی باوقار و محترم ایسا
غرورِ حسن کو ہونا پڑا پھر مہرباں اک دن

خدارا کچھ تو کم کر شوکتِ حسنِ نظر اپنی
تڑپ جائے نہ روحِ شوکتِ صاحب قراں اک دن

عجب کیا حافظ شیراز خود بھیجیں سنورنے کو
مرے ہاں حسنِ شیراز و جمالِ اصفہاں اک دن

کنارِ آب جو شب میں تری رنگین میخواری
عجب کیا رشک سے دیکھے نگاہِ آسماں اک دن

بال سلجھا کر

وہ جانِ نوجوانی مجھ سے یوں نظریں ملاتی ہے
کہ جیسے عشق کی رنگیں شرابیں خود پلاتی ہے
طرازِ دولتِ پرویز یعنی اک نظر اُس کی
جمالِ صبح کی نزہت میں سو جادو جگاتی ہے
یہ اُس کا ضبط ہے ورنہ نظر میں آج کل اس کی
گلے ملنے کی اک بیتاب دنیا مسکراتی ہے
محبت میں غضب ہوتی ہے مجبوری نہ ملنے کی
یہی وہ چیز ہوتی ہے جو دونوں کو رُلاتی ہے
کبھی دوشیزگی مغموم ہوکر بال الجھا کر
غضب ڈھاتی ہے جب اشعارِ فرقت گنگناتی ہے
گراتی ہے نظر سے تاج کے کاؤس کی حشمت
جو اس کی اک نظر میں موجِ ثروت جگمگاتی ہے
پیامِ وجد دیتی ہے سنور کر شب نشینوں کو
وہ اس کی اک نظر جو مسکراتی ہے، لجاتی ہے
سلیقہ چاہیے پھر دیکھ لیجیے حسن کی فطرت
محبت آپ اگر کیجیے تو وہ بھی ناز اٹھاتی ہے
سلامِ شوق میرا زلف سلجھاتے ہوئے لینا
تڑپ جاتا ہوں اس انداز کی جب یاد آتی ہے
وہ جانِ عشق و جانِ حسن و جانِ شعر و میخانہ
رموزی کے لیے اب دیکھیے کس طرح آتی ہے

شتاب

کسے خبر تھی کہ جن دنوں جوشِ حسن عہدِ گلاب ہوگا
انہی دنوں اس پہ سو شرابوں کے رنگ کا اک شباب ہوگا
نظر اٹھائی نہ جا سکے گی نظر ملائی نہ جا سکے گی
یہ اُس پہ زورِ شباب ہوگا یہ اس کو مجھ سے حجاب ہوگا
وہ جس سے میخوار محفلوں کو وقارِ میخوار مل سکے گا
شباب ہی سے نگاہ میں اس کی وہ شکوۂ شراب ہوگا
شراب کی جیسے موجِ روشن گلاب کا عکس پا رہی ہے
مجھے کہاں ہوش تھا کہ اس کا شباب یوں لاجواب ہوگا
وہ اس کی اک سرد آہ کی سی نظر جو میری طرف اٹھی تھی
تو اب یقیں ہے کہ روبہ صحت مرا یہ حالِ خراب ہوگا
وہ اجنبی سی نگاہ اس کی قریب تر مجھ سے لا رہی ہے
بس ایسے ہی بے ارادہ اس کا حجاب بھی بے حجاب ہوگا
وہ اس کی نظروں میں آج میرے لیے بظاہر جو نخوتیں ہیں
لگاوٹیں پاؤ گے انھیں، جب معاملہ بے نقاب ہوگا

یہ حسن کا ہے معاملہ اے ادیبِ حکمت جناب سن لے
یہ حکمتوں سے کبھی نہ ہوگا، یہ عشق سے کامیاب ہوگا

زراہِ عشق و نشاطِ صحرا کی چاندنی میں کسے خبر تھی
کہ میرے اشعار ہوں گے اک شب اور اس کا چنگ و رباب ہوگا

کسے خبر تھی کہ اس کی مست لے سے یہ مستیاں ملیں گی
نگاہِ ناہید ہوگی حیراں سکوت میں ماہتاب ہوگا

اسی کے شب رنگ گیسوؤں کی لطافتوں سے سکوں ملے گا
اسی کی انگڑائیوں سے پیدا تبسمِ صبح تاب ہوگا

اک دن

یہ اُس سے کہہ رہا تھا راز میں حسنِ گلاب اک دن
کہ شہر آشوب ہو جائے نہ یہ تیرا شباب اک دن
پرستاں وجد میں آ جائے گا کہہ دیں جو ہم دونوں
اگر اک داستانِ پردہ پردہ بے حجاب اک دن
مذاقِ بادہ خواری جب سلامت ہے تو ساقی کی
نظر میں مسکرائے گی شرابِ لالہ تاب اک دن
سلیقے کچھ تو کم کر لے کہیں ایسا نہ ہو ساقی
ملائک میں سجائی جائے یہ بزمِ شراب اک دن
نظر شاداب ہو جائے گی اک گلریز وادی میں
مرے ہمراہ دیکھو تو جمالِ ماہتاب اک دن
اگر روٹھا ہوا پائے جمالِ جانِ جاناں کو
منانے کو اتر آئے جلالِ آفتاب اک دن
غرورِ حسن، گستاخی معاف ایسا نہ ہو تو بھی
مرے ہی واسطے ہو جائے صرفِ اضطراب اک دن
میں جو کچھ دیکھتا ہوں خواب میں اس کے لیے اب تک
وہی تعبیر ہوگی دیکھنا تعبیرِ خواب اک دن
سجائے جا رہا ہوں خود کو اس امید پر کب سے
کہ تیرے ہاتھ ہی سے آئے گا خط کا جواب اک دن
شکوہِ فکرِ فردوسی مری غزلوں میں پائے گا
جلالِ کیقباد و صولتِ افراسیاب اک دن
ترے حسنِ شہانہ سے غزل کے طرزِ کہنہ میں
رموزی سے ہی ہوگا دیکھنا اک انقلاب اک دن

میں چپ ہوں اور آئے جا رہا ہوں

محبت ہی بڑھائے جا رہا ہوں ترے ہی گیت گائے جا رہا ہوں
تری جو یاد دلہن بن گئی ہے میں اور اس کو سجائے جا رہا ہوں
رہِ الفت کی سیلِ آتشیں میں قدم ہنس کر بڑھائے جا رہا ہوں
خزاں کی گرم تر موجوں میں رہ کر بہارِ تازہ لائے جا رہا ہوں
حوادث تو دبائے جا رہے ہیں مگر میں ہوں کہ چھائے جا رہا ہوں
وفا کی ہوش فرسا شدتوں میں میں خود کو آزمائے جا رہا ہوں
تصور خانۂ تاریک تر میں !! میں شمعِ دل جلائے جا رہا ہوں
تری یکسر خموشی پر بھی اب تک محبت ہی جتائے جا رہا ہوں
اذیت دل کی جتنی بڑھ رہی ہے میں اتنا مسکرائے جا رہا ہوں
غرورِ خسرو پرویز و دارا ترے قدموں میں لائے جا رہا ہوں
غضب ہے تو نے یہ سمجھا کہ تجھ سے میں نظریں ہی لڑائے جا رہا ہوں
کہوں کیا، عشق اتنا با ادب ہے کہ چپ ہوں اور آئے جا رہا ہوں
نہ کہتا ہوں کہ چپ رہ کر بھی تجھ کو میں سب کچھ تو سنائے جا رہا ہوں

کرم فرما کے تو بھی مہرباں ہو
دماغ و دل پہ میرے حکمراں ہو

غریب و امیر کا عشق

ہے یا تو پھر مقابلہ نگاہ بے حجاب سے
نہیں تو مسکراہٹیں ہیں ریشمی نقاب سے
ہیں حسنِ شوخ و شنگ میں محبتوں کی دھڑکنیں
نظر میں برق کی ادا ہے لغزشِ شباب سے
یہ شوخ و شنگ لڑکیاں یہ سبز و سرخ ساڑیاں
مثال دوں شراب سے مثال دوں گلاب سے
کنارِ بحر جمع ہیں اور اس طرح سے مست ہیں
کہ جیسے ان کی فطرتیں ہی مست ہیں شراب سے
ذرا ذرا سی چھیڑ سے ہزار بار قہقہے
یہ قہقہوں کی گدگدی ہے جوشِ بے حساب سے
مری طرف بھی ہے نظر مگر بڑے غرور سے
ذلیل کر رہی ہیں وہ نظر کے اجتناب سے
کہیں کی بیگمات ہیں کہیں کی شاہزادیاں
اسی لیے غریب پر نظر ہے اب عتاب سے

مجھے غریب جان کر سنبھل رہی ہیں ہر طرح
مگر میں مسکرا رہا ہوں ان کے پیچ و تاب سے
مگر یہ دیکھنا ذرا اٹھی سے اک پری ادا
جھجک جھجک کے دیکھتی ہے مجھ کو اضطراب سے
یہ جانِ شاہزادگی اور اک غریب کی نظر
مگر یہ کیا کہ آ رہے ہیں اس میں انقلاب سے
غریب آدمی سے کیوں وہ آج جا رہی ہے اب
مقابلہ ہی کیا بھلا زمیں کا آفتاب سے
خدا ہی جانے آج کیوں وہ ایک تاجور نظر
مری ہی ہو کے رہ گئی ہے دل کے انتخاب سے
کہاں کا فرق و ضابطہ یہ فطرتوں کا کھیل ہے
غریب اور امیر کیا یہ دو دلوں کا میل ہے

شاعری

(اخبارات سے)

از

ملا رموزی

فہرست کلام

◆ عظمت حسن و عشق 227

◆ رابطۂ حسن و عشق 229

◆ کلام رموزی 231

◆ خدا خیر کرے 232

◆ سرخی سے دمکتے ہوئے گالوں کا زمانہ! 233

◆ اگر بیوی کو کھانسی ہو تو نعمت ہے نہ دولت ہے 234

◆ جرمنی، اٹلی، روس اور جاپان 235

◆ روزانہ "بے ہند" ملا رموزی کی نظر میں 236

◆ نیپال 237

◆ گرانی و ممانی 238

◆ پٹھان بھاگ گئے 239

◆ اُلّو 240

◆ سستی غذائیں 241

- نذرانہ 242
- نقدی اگر نہیں ہے تو اک ٹھینک یو تو ہے 243
- عرفان دیکھیے 244
- مزاحیہ کلام 245
- انکار دیکھ کر 246
- مصر، شام، سعود، عراق 247
- کوریا میں جو آئے چین کے سانڈ 248
- مارشل پلان 249
- میں ہوں موجود اور غایب ڈاک 250
- بھگانے والے 251
- بھولی جوانی 252
- حضرت امیر خسرو کے عرس کی نظم 253
- ہڑتال 254
- بھاگنے والے پناہ گزیں 255
- فتح مقامات 256
- اخبار "نئی دنیا" 257
- تقریب نوروز اور جنگ 258
- جاپان کا ڈر 259
- ہوں ختم یو پی میں تعویذ ہی سے اب بندر 260
- بھائی کا کر رہا ہے بھائی شکار 261
- ایک ایک 262
- اخبار "ناظم" اور ملا رموزی 263
- نگاہِ تاجور میری 264

- گل افشانیاں 265
- تھیٹر اور لیڈر 266
- صحرازاریاں 267
- جنوری سے گیا زمانہ پلٹ 268
- غریب 269
- اور سیٹھ جی کے گھر میں سی میں نے کھنا کھن 270
- اس زمانے کا یار کیا کہنا 271
- جشنِ آزادی اور غریب 272
- اِلّا اللہ 273
- مقام روزہ 274
- جنرل میکارتھر 275
- نعت اقدس 276
- منزل جاوید 277
- مقامات بمبئی 278
- بیوی کی دوسروں سے شکایت نہ کیجیے 279
- عید کے مختلف نمونے 280
- یہاں اور وہاں 281
- نعت اقدس 282
- اخبار نئی روشنی بمبئی 283
- تفریحات 284

جشنِ آزادی 285

- رمضان کے انعامات 286
- جشن جمہوریہ ہند 287

- اخبار اخلاق، بھوپال 288
- ولایتی لڑکیاں اور ہندستانی لڑکے 289
- منہ کا نہیں نوالا یہ تبت و ہمالہ 290
- ارشادات رموزی 291
- ہو جائے گا 292
- لندن کی ایک خاموش لڑکی 293
- عید مبارک 294
- مناجات نمبر 4 295
- بارش کا پہلا چھینٹا اور کلی 296
- جنگی افلاس اور فیشن 297
- تیغوں کی جھنکاروں کے ساتھ 298
- ساون کی پری 299
- لندن کی پری بد 300
- ساقی اور گیہوں جوار 301
- ترکی زلزلہ 302
- قحط کا آفتاب کیا کہنا 303
- مناجات نمبر 2 304
- مناجات نمبر 3 305
- ہمارے ملک کو ظالم نہ ملک چین بنا 306
- سرمایہ داری ہی کا رہا دوست دار روس 307
- ہندستان کا پانچواں کالم 308
- بل ڈاگ سے تھا تیرے بڑے ہونے کا وقار 310
- روشن خیال بن کے ہوا تو شراب خوار! 311

- خون کے میدان! 312
- پابندی سے پڑھیے تو ذرا آپ 'خلافت' 313
- اخبار 'آغاز' رامپور 314
- پڑھو 'نظام' بہت 315
- جریدہ 'اہل حدیث' ملا رموزی کی نظر میں 316
- ہوا بمبئی سے جاری شکر کیجیے یومیہ 'مشعل' 317
- افکار 318
- مسٹر چرچل اور ہندستانی 319
- جرمن اور فتح روشاف 320
- چانڈ ونوش اور جنگ جرمنی 322
- کلام رموزی 323
- کلام رموزی 324
- کلام رموزی 325
- کلام رموزی 326
- ختم ہونے دیجیے ہندی انتخاب 327
- جشن آزادیٔ ہندستان 328
- 5 اگست 1939 کی صبح کو 329
- چرچل اب بھی بنا ہوا ہے متین 330
- محافظ استالن گراڈ 331
- تلواروں کے نام 332
- چھوٹی بیوی 333
- میں اور سپاہی 334
- خون کے میدان 335

- بلغاریہ اور ہٹلر 336
- چرچل کے طعنے ملک کو سنوائیے نہیں 337
- شکست مسولینی اور نیاز مند 338
- چچا کے تیتر اور یونان کی فتح 339
- عریضہ آخر بخدمت ہز ایکسیلینسی مسولینی 341
- مسولینی کا جواب ملا رموزی کو 342
- عریضہ بنام مسولینی 343
- لندن کی لڑکیاں اور جنگ 345
- اٹلی کی بحری شکست اور گنجو چچا 346
- تیغ قضا 347
- گنجو چچا اور اٹلی 348
- نوجوان ہندوستان اور جنگ 349
- فرانس اور ہندوستان 350
- جرمن اور فتح روستاف 351
- ساون اور جنگ 352
- ہٹلر اُداس 353
- یونان اور اٹلی 354
- ہٹلر شار 355
- گنجو چچا اور لیبیا 356
- جاپان اور گنجو چچا 357
- شبِ اِتی ماموں اور جنگِ مصر 358
- روسی فتح اور گنجو چچا 359
- ترک اور گنجو چچا 360

- فاتح اسٹالن گراڈ 361
- پھر ہو رہا ہے ظالم چرچل وزیر اعظم؟ 362
- ہٹلر سے 363
- نادان ہے اٹلی 364
- شعر لطیف 365
- اولیاء اللہ اور فضل حسن صابری 366
- ایک پینشنر بزرگ 367
- حسنِ تاجدار 368
- میری دنیا 369
- صبح ارغوان 370
- راز میں 371
- اک پہلی ملاقات کی ترکیب خبر دیکھ 372
- ہلٹۂ گل بار مبارک 373
- جشنِ آزادی 374
- غزل 375
- ریڈیو کا شور 376
- افسانۂ ہند 377
- کالے بازار کی دیوالی 378
- تابش بے تاب 379
- دہقان زادی 380
- بھوکا ٹ 381
- کاہشِ ہجر 382
- گاندھی، نہرو، مسلم لیگ 383

- ◆ ہوٹل کے ملازم 383
- ◆ جریدۂ پرچم 384
- ◆ جریدۂ "بے باک" 385
- ◆ نظمیں کہوں جریدۂ "اسلام" کے لیے 386
- ◆ •اب لیگ ہی نہیں یہ "خلافت" نے کہہ دیا 387
- ◆ ہفتۂ آزادی 388
- ◆ ملا رموزی 389
- ◆ کلامِ رموزی 390
- ◆ کلامِ رموزی 391
- ◆ کلامِ رموزی 392
- ◆ کلامِ رموزی 393
- ◆ بیویاں تین چار کیے 394
- ◆ طوفانِ فرقہ وار 395

عظمتِ حسن و عشق

یہ ہند بوڑھوں کی سرزمیں ہے یہاں فقط خاکساریاں ہیں
یہاں کے عشق و جمال تک میں ذلیل تر انکساریاں ہیں
اُداس اور سرگرفتہ ہیں وہ جو خود کو عشاق کہہ رہے ہیں
مزاج میں پستیاں ہیں لاکھوں، خیال میں بے قراریاں ہیں
جمال وارفتہ، عشق مجنوں، نہ قرب حاصل نہ حسن گھائل
فراق غالب ہے عشق پر اور تمام شب آہ و زاریاں ہیں
نہیں ہے لیلیٰ کو اب ضرورت کہ اس کا مجنوں وفا ادا ہو
وہ ایسے مجنوں کو چاہتی ہے کہ جس میں سرمایہ داریاں ہیں
جمال کہتے ہیں جس کو اس میں کمال علم و شعور بھی ہو
فقط جوانی کو حسن کہنا دماغ کی خام کاریاں ہیں
مجھے محبت ہے جس سے اس کو بہار کا تاج دے دیا ہے
مری محبت ہی خود حسیں ہے اسی کی یہ جلوہ باریاں ہیں
مری محبت سے آج حوروں میں اک رقیبانہ کشمکش ہے
مرے سلیقوں کی ندرتیں ہیں انہی کی یہ سحر کاریاں ہیں

مجھے محبت ہوئی ہے جس سے میں اس میں یہ شان پا چکا ہوں
نگاہ میں بندہ پروری ہے ادا میں پروردگاریاں ہیں
ادھر جوانی کے ولولے ہیں مگر ہے ان میں بھی یہ بلندی
نظر میں یوسف کی عصمتیں ہیں حیا میں پرہیزگاریاں ہیں
جواں امنگوں کے جوش پیہم سے دل کی دھڑکن بڑھی ہوئی ہے
مگر حسین مسکراہٹوں کی نظر پہ بھی پردہ داریاں ہیں
سیاہ زلفوں کی برہمی سے نظامِ عالم میں اک سکوں ہے
انہی کی لرزش کے فیض سے یہ نسیم میں مشکباریاں ہیں
جفا تو اک پست تر ادا ہے وہاں تو یہ رنگ دیکھتا ہوں
وفا کی مضبوط تر ادا میں ہزار ایمانداریاں ہیں
جمال رنگیں، نگاہ رنگیں، شباب رنگیں، دماغ رنگیں
خیال رنگیں، وصال رنگیں دلوں میں الفت شعاریاں ہیں
قدم قدم پر فراستیں ہیں، نہ لغزشیں ہیں نہ کلفتیں ہیں
فقط رموزی کے عشق حکمت نظر کی یہ ہوشیاریاں ہیں

(ندیم، بھوپال۔22فروری1937)

رابطۂ حسن و عشق

میں اک جمالِ محبت آراء کے اونچے نغمے سنا رہا ہوں
کہ جن سے عشقِ فسردہ پا کو فرازِ فطرت پہ لا رہا ہوں
نہ فلسفے ہیں نہ منطقیں ہیں، جوانیاں ہیں، محبتیں ہیں
میں اتنی سادہ بیانیوں سے اصولِ الفت سکھا رہا ہوں
نہ طور سمجھوں، نہ دار سمجھوں، کہ یہ تو اونچی کہانیاں ہیں
بس اپنے دل میں جمالِ انساں کی اک لگاوٹ کو پا رہا ہوں
یہ دیکھ لیجے کہ ایک لڑکی جمالِ نو سے سنور سنور کر
اُسی طرف آ رہی ہے دل سے کہ جس طرف میں بلا رہا ہوں
قدم قدم پر حجاب الفت کی دھڑکنیں ہیں کہ کھا رہی ہیں
مگر وہ یوں آ رہی ہے جیسے میں اس کے دل کو لبھا رہا ہوں
نگاہ تک میں ہے کچکی سی مگر وہ پھر بھی کھڑی ہوئی ہے
وہ بات کی اس نے ایسی جیسے میں اس کی دنیا کو ڈھا رہا ہوں
نگاہیں اس کی ہیں اتنی رنگیں کہ جنتوں تک پہ حکمراں ہوں
میں اس کی ان تاجدار نظروں سے آج نظریں ملا رہا ہوں

کھڑی ہوئی ہے، لجا رہی ہے، نظر میں آنسو لرز رہے ہیں
میں اتنی رنگیں نگاہ والی کو اپنے غم میں رُلا رہا ہوں

خیال دل میں بسا ہوا ہے عیاں ہے رُخ سے وفورِ الفت
خدا ہی جانے کہ اس کی نظروں میں کس ادا سے سما رہا ہوں؟

وہ اتنی مسحور ہو چکی ہے کہ جیسے اک نیند آ رہی ہے
میں بات کرتا ہوں جیسے اس کو گلے لگا کر سُلا رہا ہوں

وہ کون ہے، مجھ سے اتنی اونچی نگاہ جاتی ہے جتنی اونچی
مگر سلیقوں سے عشق کے آج اس کو قدموں میں پا رہا ہوں

اسی کی حکمت اثر نظر سے یہ کیمیائے جمال سیکھا!
اسی کی پلکوں کی جنبشوں سے یہ سارے جادو جگا رہا ہوں

یہ مقدم حسن جانِ جاناں ہے میرے ہاں آ کے دیکھ لیجے
کہ اس کے آنے پہ دل کی شمعیں خوشی سے بیٹھا جلا رہا ہوں

جو حسن آوارہ کے جنوں میں بھٹک رہے ہیں، میں آج ان کو
وقار کی سربلندیوں سے نشانِ منزل دکھا رہا ہوں

کسی نے سمجھا بھی ہے رموزی کہ کیسی کیسی شگفتگی سے
میں بوڑھی قوموں میں رہ کے اتنی جوان دنیا بنا رہا ہوں؟

(ندیم، بھوپال۔ یکم مارچ 1937)

کلامِ رموزی

یہ پامالِ فنا کیا ہے، تو خود رنگینِ بقا ہو جا
تو اپنی ہی تخئیل کی بلندی پر فدا ہو جا
کہاں تک ساقیِ میخانہ سے امیدواری ہو
کسی دن خود بھی تو جا کر رئیسِ میکدا ہو جا
گل و گلزار کی رنگینیاں تو جذب کرتا ہے
کبھی ہمت تو کر اور آسمانوں کی فضا ہو جا
محبت ہی سے اس کو رام کرنا ہے اگر تجھ کو
محبت چھوڑ دے لیکن محبت آشنا ہو جا
مریضِ عشق کیا ہے اور یہ درد لا دوا کیا ہے
مرض ہی ہے اگر یہ عشق تو اس کی دوا ہو جا
حیا کو توڑنا ہی چاہتا ہے تو اگر اس کی
تو خود ہی باحیا ہو جا تو خود جانِ حیا ہو جا
رموزی یہ سلیقہ ہو حسینوں سے محبت کا
محبت کی نگہ بن جا، محبت کی ادا بن جا

خدا خیر کرے

اس سے پھر ہوگی ملاقات خدا خیر کرے
اور پھر اس کے سوالات خدا خیر کرے

اک نجومی نے کہا مجھ سے کہ باقی ہیں ابھی
قحط کے اور بھی دن رات خدا خیر کرے

غنڈوں کے ذوق کے اخباروں میں روزانہ حضور
چھپتے رہتے ہیں مقالات خدا خیر کرے

زُہد خانے بھی ہیں سہمے ہوئے یہ عالم ہے
بند ہیں ساری کرامات خدا خیر کرے

ایشیا والوں کے سر پر ابھی یورپ سے جناب
اور آنے کو ہیں آفات خدا خیر کرے

قحط کے حال میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں
سنیما والوں کے حالات خدا خیر کرے

غنڈوں کے حسنِ لیاقت سے ہیں زیرِ تعمیر
اور بھی چند حوالات خدا خیر کرے

غلے سے زیادہ ہیں رفتار ترقی میں ابھی
نفع خوری کے کمالات خدا خیر کرے

خام کار آگے ہیں اور پختہ نظر پیچھے ہیں
ایسے حالات و مقامات خدا خیر کرے

جتنے آزاد میاں بیوی ہوئے جاتے ہیں
ہوں گے اتنے ہی فسادات خدا خیر کرے

سرخی سے دمکتے ہوئے گالوں کا زمانہ!

دنیا میں تو ہے قحط کا کالوں کا زمانہ
اور مجلسِ یورپ میں سوالوں کا زمانہ
واں مجلسِ اقوام میں روزانہ ڈنر ہیں
یاں شادی کے گھر میں بھی دالوں کا زمانہ
امریکہ میں ایٹم سے بڑے بم کے ارادے
ہم میں ہے سنیما کے خیالوں کا زمانہ
بے گنتی منافع سے ہے اب سیٹھ جی کے ہاں
سرخی سے دمکتے ہوئے گالوں کا زمانہ
اس خضر سے چہرہ پہ خضابوں کی اثر سے
اللہ رے شب رنگ یہ بالوں کا زمانہ
بڈی نظر آنے لگی مہنگائی کے ہاتھوں
جاتا ہی رہا جیسے کہ کھالوں کا زمانہ
علمی کے عوض فلمی مضامین سے لبریز
اللہ یہ ماہانہ رسالوں کا زمانہ
ہم رنگ رموزی ہے جواں، عقل، ہو تو دیکھ
چرچل کے بڑھاپے میں بھی چالوں کا زمانہ

اگر بیوی کو کھانسی ہو تو نعمت ہے نہ دولت ہے

اگر شوہر ہے دولت مند تو بیوی بھی نعمت ہے   مگر بیوی کو کھانسی ہو تو نعمت ہے نہ دولت ہے
اگر بچوں کو کالی کھانسی ہو جائے تو پھر شب بھر   مکاں سے لامکاں تک جو بھی ہے زحمت ہی زحمت ہے
خسر صاحب اگر بیٹھے میں آجائیں تو پھر کہیے   پرستاں بھی اگر سسرال ہے تو اب وہ کلفت ہے
اگر بوڑھے چچا کو چڑچڑے پن کی ہو بیماری   تو جنت ہونے پر بھی گھر کا گھر میدانِ وحشت ہے
اگر نانی کو ہو ضعفِ بصر کا عارضہ لاحق   تو صحت ورزیاں پر جیسے اب لُکنت پہ لُکنت ہے
پرانی ساس پر بکواس کا دورہ جو پڑ جائے   بہو سے پوچھیے اب تیرے دل پر کیا مصیبت ہے؟
نئی دلہن اگر آثار دق لے کر ہی آئی ہو   تو پھر دولہا سے پوچھو آپ کو کتنی مسرت ہے؟
بڑا عہدہ اگر مل جائے اور کھانسی بھی ہو جائے   تو کہیے یہ ترقی ہے کہ اُلٹی اک اذیت ہے؟
اگر مرغ اور تنجن پر بھی بدہضمی رہے غالب   تو کہیے یہ امیری ہے کہ اچھی خاصی غربت ہے؟
اگر ٹھنڈے پہاڑوں پر بھی ہڈی میں حرارت ہو   تو کہیے یہ امیرانہ علاجوں ہی کی فرحت ہے؟
اگر یورپ میں صحت پا کے گھر آتے ہی مر جاؤ   تو کہیے یہ علاجی فائدہ ہے یا مرمت ہے؟
غرض صحت نہ ہو اور تاجِ شاہی آپ ہی کا ہو   تو ایسی زندگی نعمت ہے یا نعمت کی تربت ہے؟

اصول حفظِ صحت چاہتے ہو تم اگر دل سے
تمھارے واسطے دہلی کا یہ "ہمدرد صحت" ہے

جرمنی، اٹلی، روس اور جاپان

آج یورپ میں بپا جو جنگ کا طوفان ہے
اس پر سائنسی دماغوں کا بڑا احسان ہے
لائے تھے جو ایشیا میں شمع تہذیب حیات
بربریت کا انھیں بھی آج کل بحران ہے
جرمنی و روس اور اٹلی سے عافیت ہے تنگ
ان پہ اک طرفہ مصیبت آج کل جاپان ہے
یہ جو ماچس بیچ کر ظالم گیا ہے چین میں
بچے بچے کے لیے تکلیف کا سامان ہے
امن کے دامن پہ یہ چاروں کے چاروں داغ ہیں
خاص کر جاپان تو اللہ ہی کی شان ہے
بن نہ آیا اس سے کچھ تو اپنے ہی کو کھا گیا
چین سا بھائی بھی اس کی حرص پر قربان ہے
الغرض سائنٹفک دنیا کے قرباں جایئے
جس کے ہاتھوں رات دن آفات میں انساں ہے
اس سے تو پہلے کا جاہل ہی غنیمت ہے کہ وہ
جس جگہ بھی ہے سکون و امن کا اعلان ہے
میری بیوی مجھ سے بھی اب بانس بھر آگے ہی ہے
وہ یہ کہتی ہے کہ یہ اللہ کا فرمان ہے
ہے جو ظالم آج وہ مظلوم کل ہوجائے گا
نکتۂ حکمت ہے یہ فرمودۂ قرآن ہے
بات علمی کہہ رہی ہے گر ہے غیر انگریزی داں
ہے زمیں بھی گول یہ خود علم کا اعلان ہے

روزانہ ''جے ہند'' ملا رموزی کی نظر میں

آیا ہے مرے نام مری بیوی کا یہ تار
چھ پیسے میں اُفوہ یہ ''جے ہند'' سا اخبار
مالک نے تو قیمت کو کیا کم مگر اب دیکھ
کیا کرتے ہیں اس کے لیے اب اس کے خریدار؟
میں نے جو ٹٹولا تو مری قوم میں دیکھا
رغبت سنیما سے ہے اور اخبار سے انکار
تعلیم اگر پائیں تو ہوجاتے ہیں انگریز
تعلیم سے ہوتے ہیں تو اس طرح کے ہشیار
اس طرح کے لوگوں کو اگر نوکری دے دیں
رشوت کا لگادیتے ہیں لے لے کہ یہ انبار
اک ٹولی فقط فرقوں کے پیچھے ہے لیے لٹھ
اس حد سے آگے نہیں اس ٹولی کے افکار
کچھ وہ ہیں جو لیڈر کے سہارے پہ ہیں زندہ
خود سوچ نہیں سکتے یہ اس درجہ ہیں بے کار
اس حال میں کچھ ہے جو غنیمت تو بس اتنا
مل جاتے ہیں کچھ کام کے لاکھوں میں تو دو چار
اس پر بھی جو اخبار نکالے وہ بہادر
چھ پیسہ ہو قیمت تو سمجھ لیجیے ہے شہکار
میکے میں رموزی رہے جب شوق سے بیوی
اس طرح کے شوہر کی نہ دنیا ہے نہ گھر بار

نیپال

بھائیو یہ نہ ہو کہیں اس سال
ملک تبت کی طرح ہو نیپال
ہے یہ ملارموزیوں کا خیال
چل نہ جائے ادھر بھی چرچل چال
کمیونسٹ اور امریکہ
ہے لڑائی میں دونوں کا اک حال
پل پڑے ہیں غریبوں پر دونوں
اب میں کس کا بیاں کروں احوال
دونوں کے دعوے خاص فوجیں خاص
بےکسوں کے لیے ہیں دونوں وبال
کون سچا ہے اپنے وعدے میں
کون ان کی نکالے بال کی کھال
دونوں کے دم سے نفع اتنا ہوا
گیہوں تو گیہوں ختم ہے اب دال
آدمی خستہ و خراب ہوا
نام یہ ہے کہ انقلاب ہوا

گرانی و مُمانی

فرمانے لگیں شام کو بُجّا کی ممانی
کب جائے گی آخر کو یہ چیزوں کی گرانی؟
جھنجلا کے گرانی پہ یہ کہنے لگیں نانی
اب شادی کا کھانا بھی کھلائیں گے زبانی
سی آئی ڈی بولی کہ گرانی نہ ورانی
اخلاق کی پستی کی ہے یہ کالی نشانی
بی اے کے زمانے کے اخلاق کا صدقہ
فصلیں کہیں موجود ندارد کہیں پانی
صدقہ ہے گرانی کا کہ موٹر ہے نہ ٹٹو
نخرہ سے نکل ہی گئی سب شیخی و خانی
پنشن ہوئی ہے جب تو پبلک کے ہیں ہمدرد
اللہ رے یہ ضربِ مکانی و زمانی
دریافت کیا روزی کمانے کا جو رستہ
مولانا نے فرمایا کہ دنیا تو ہے فانی
گاماں سے کہا میں نے رموزی کہ سنا بھی
کمزوروں میں اب امریکہ ہے رستمِ ثانی

پٹھان بھاگ گئے

غضب کہ شیخ ہے گھر میں پٹھان بھاگ گئے
جو خود کو کہتے تھے ہم ہیں چٹان بھاگ گئے
دماغ کور و مزاج مراق کے صدقے
زراہِ شدتِ وہم و گمان بھاگ گئے
جو دو ہزار میں تعمیر کی تھی خود کے لیے
وہ ڈھائی آنے میں دے کر دکان بھاگ گئے
دکان چیز ہی کیا ہے جو تھا بزرگوں کا
ڈرے تو چھوڑ کے وہ بھی مکان بھاگ گئے
ہے تنگ دست مصیبت میں پھر بھی گھر میں ہے
ہزار شرم کہ دولت نشان بھاگ گئے
غضب کہ قاضی و عالم کے ساتھ صوفی بھی
خدا کو چھوڑ کے بہر امان بھاگ گئے
پناہ یہ بھی ہوا اب کہ مسجدوں تک سے
امام و صاحبِ اذن و اذان بھاگ گئے
خدا کے بدلے اماں دے گا یعنی پاکستان
اسی لیے تو یہ سب لے کے جان بھاگ گئے
ہمیشہ روئے گی تاریخ اس خبر کے سبب
کہ بوڑھے گھر میں رہے اور جوان بھاگ گئے
دکھاتے تھے سرِ بازار جو زراہِ غرور
رموزی لے کے وہ سب آن بان بھاگ گئے

اُفّو

(حضور ملا رموزی کی جدتِ قافیہ)

زمانے کی طاقت کی گفتار اُفّو
چھچھوروں کی موٹر میں رفتار اُفّو
ملازم نہیں تھے تو کچھ بھی نہیں تھے
جو افسر ہوئے ہیں تو سرکار اُفّو
چمک دار سوٹ اور چمک دار چہرہ
مگر اس چمک پر سیہ کار اُفّو
غریبوں سے کچھ کہہ کے اس کو نہ کرنا
یہ اقرار اُفّو یہ انکار اُفّو
جو زیادہ ہی قیمت کی لیتے ہیں چیزیں
گرانی میں ایسے خریدار اُفّو
جو لیں نفع بیمار بے زر سے سہ چند
اطباء اور اس دل کے عطار اُفّو
جو بے فیس کے ڈاکٹر کا ہو قائل
وہ بے ذہن و بے عقل بیمار اُفّو
مساجد میں رہتے ہیں جو ہو کے بُدھو
وہ بگلوں کی صورت کے دیندار اُفّو
یہ فصلوں کی بربادیاں موسموں سے
یہ بربادیاں بھی لگاتار اُفّو
بقائے حکومت کے کاموں کے اندر
یہ فرقوں کی فرقوں پہ یلغار اُفّو
رموزی سیہ کاریوں کے اثر سے
جو آنے کو ہے کل وہ ادبار اُفّو !

سستی غذائیں

ایک نے پوچھا کہ کم کس طرح راشن کھایئے
عرض کی میں نے کہ قبلہ پھر تو پٹ سن کھایئے
اک طرف بے روزگاری اک طرف نرخ گراں
اس لیے میری غذاؤں ہی کا خرمن کھایئے
آپ جب بے روزگاری کے ستائے ہیں تو پھر
گیہوں چاول چھوڑیے اور پتلا بیسن کھایئے
قلب کی تقویت اور اعضا کی طاقت کے لیے
چھوڑ دیجیے انگور اپنی کالی جامن کھایئے
چھوڑی ساری مقوی تر غذاؤں کا خیال
کل سے ڈٹ کر موٹے موٹے کالے بینگن کھایئے
اصلی گھی اور تیل کا دل سے عقیدہ کیجیے بس
اُبلی دالوں اُبلی سبزی ہی کا سالن کھایئے
یاد اگر آئے کوئی بڑھیا غذا تو آپ پھر
بھون کر میری طرف سے اپنا تن من کھایئے
گھاس ہی بس چھوڑیے اور سارا ایندھن کھایئے
اہلِ فن ہو کر بھی جب روزی نہ حاصل ہو سکے
ہانڈی میں خود ہی پکا کر اپنا ہی فن کھایئے
تنکے چنیے گھاس کے اور جھاڑ پر جا بیٹھیے
بھوک جب محسوس ہو اپنا نشیمن کھایئے
پہلے بچوں کو کھلا دیجے جو ہانڈی میں پکے
آپ اس ہانڈی سے سوتے وقت کھرچن کھایئے
یا رموزی کی طرح رہیے پہاڑوں پر ذرا
رہ کے کچھ دن آپ واں صحرا کا راشن کھایئے

نذرانہ

آیوں بھی پلا جس سے پیانہ سنور جائے
پیانہ تو پیانہ میخانہ سنور جائے
اک حسنِ نظر ایسا اے ندرتِ جانانہ
فرزانہ تو فرزانہ دیوانہ سنور جائے
ہوتا ہے یہ الفت میں اے حسن کہ جب تیرے
ایواں سے سوا میرا کاشانہ سنور جائے
اس درجہ تو رنگین ہو انداز پرستش کا
صرف ایک ہی سجدہ سے بتخانہ سنور جائے
اک لو کبھی ایسی بھی اے شمع فروزاں دے
جس لو سے تری اک دن پروانہ سنور جائے
صحرا میں مری خاطر با زلفِ پریشاں آ
ان چاندنی راتوں میں ویرانہ سنور جائے
جس دن میں نظر بھر کر دیکھوں تو دکھادوں میں
رنگِ رُخِ جاناں کیا، جانانہ سنور جائے
اُن مست نگاہوں کا قصہ جو کبھی کہہ دوں
رنگین شرابوں کا افسانہ سنور جائے
ممکن ہے کہ دنیا میں میرے ہی سلیقوں سے
اب عشق کا اقبالِ شاہانہ سنور جائے
اس حسن و جوانی پہ ایسی تو نہ پی ظالم
جس سے ترا اندازِ رندانہ سنور جائے
کلیوں نے گلستاں میں نو روز منایا ہے
تو بھی ہو تو یہ جشنِ سالانہ سنور جائے
آ نذرِ محبت کا اک جذبۂ رنگیں لے
ایسے کہ رموزی کا نذرانہ سنور جائے

نقدی اگر نہیں ہے تو اک تھینک یو تو ہے

لالی لگا کے، کالی، بھی اب لالہ رو تو ہے
عینک کے پردہ میں بھی نظر چار سو تو ہے
اسکول کے حسینوں میں مانا کہ آج کل
بوئے وفا نہیں، تو لونڈر کی بو تو ہے
چوٹی نہ ہاتھ آئی ہمالہ کی آج تک
یورپ کے منچلوں کو مگر جستجو تو ہے
جمعیۃ العلماء کے ہر اجلاس خاص میں
مانا کہ عدل کچھ نہیں جام و سبو تو ہے
مسٹر مجھے نہ مانے وہ یورپ کی گوری مس
انگلش میں اس سے میری مگر گفتگو تو ہے
فوجیں بھی کم جہاز بھی کم اسلحہ بھی کم
ترکوں کی ساری قوم مگر جنگجو تو ہے
عاشق کی قدر کے لیے مس جان بل کے ہاں
نقدی اگر نہیں ہے تو اک تھینک یو تو ہے
گیہوں نہ ہوں، نہ ہوں، اسد اللہ خاں کے گھر
قوالیوں کے شور سے اک ہائے ہو تو ہے
یہ تو نہیں کہ اب تو مسلماں میں کچھ نہیں
حاکم نہ ہو سکا تو غلامی کی خو تو ہے
گو قرض میں جہیز بھی نیلام ہو گیا
سبحان خاں کے گھر میں مگر ریڈیو تو ہے
چندہ سے مل سکے کہ کسی اک رئیس سے
موٹر کی میرے دل میں بھی اک آرزو تو ہے
وہ نازنیں خفا ہے رموزی کی نظم سے
اشراف کی نظر میں مگر آبرو تو ہے

عرفان دیکھیے

بیوی یہ کہہ رہی تھی کہ "عرفان" دیکھیے　　اور میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ شان دیکھیے
میرٹھ میں رہ کے مکّے مدینے کا ہے نقیب　　یہ وسعتِ نگاہ، یہ ایمان دیکھیے
جس سے سنور کے ہوگا مسلمان پھر جوان　　اس میں اُس اک شباب کا سامان دیکھیے
تہذیب غرب جو ہے مسلماں کی جاں ستاں　　"عرفان" سے ہے وہ جیسی پریشان دیکھیے
وہ اندلس میں جاکے ہوا تھا جو تاجور　　"عرفاں" میں اس ادا کا مسلمان دیکھیے
اس کے اصول وہ ہیں جو دیں تاجداریاں　　ہے شرط یہ کہ اس کو ـ امعان دیکھیے
سائنس کے زمانے میں مذہب کا ہے نقیب　　اس حکمتِ بلند کا انسان دیکھیے
پھر یہ بھی تو نہیں ہے کہ ہے صرف مولوی　　اس میں ادب کا بھی ہے پرستان دیکھیے
نظموں میں اس کی غمزۂ طراز دیکھ کر　　ہے عشق کے لیے جو وہ ارمان دیکھیے
جو لکھ رہا ہے حسن اسی پرچہ میں کہ آج　　دل ہو تو میرے جوش کا طوفان دیکھیے
چھپ چھپ کے کہہ رہا ہے کوئی ان سطور میں　　جو ہو سکے تو مجھ کو بھی پہچان دیکھیے
علم نجوم کے اثر اور واقعات پر　　مولانا سرفراز کا اعلان دیکھیے
قائل ہوا ہوں ان کے کمالات کا تو میں　　آئندہ جو لکھوں گا وہ ایقان دیکھیے
یوپی میں اپنے علم میں یہ بے مثال ہیں　　میری بھی ایک بات یہ اب مان دیکھیے
اتنے میں بات کاٹ کے بیوی نے پھر کہا　　عورت کے حق کا بھی ہے نگہبان دیکھیے
اور طرفہ یہ کہ سال کی قیمت کو دیکھتے　　اس کی خرید کتنی ہے آسان دیکھیے
خود جاکے لے کے آیئے بازار سے ابھی　　بے پان ہوں نہ آپ پریشان دیکھیے

افسوس نظم رہ گئی بیوی کے خوف سے
یہ پان خور بیوی کا احسان دیکھیے

مزاحیہ کلام

آفت زدہ کے گھر میں نہ بستر ہے نہ برتن
اور سیٹھ جی کے گھر میں سنی میں نے کھناکھن

اک سود ہی کیا کم تھا کہ اب اس پہ بلیک اور
اللہ رے سیہ قلب کے یہ بعض مہاجن

افسوس کہ سیلاب سے انسان کے گھر میں
رہنے کو نہ کمرہ ہے کہیں اور نہ آنگن

اب مشرقی و مغربی جرمن کے لقب سے
کٹ مرنے کو تیار کیے جائیں گے جرمن

لائی ہے نئی بیوی نیا بجلی کا چولھا
شوہر کو نہ لانا پڑے گا آج سے ایندھن

حالات کے بدلے جو پڑھے صرف خدا کو
اس طرح کے درکار ہیں اب شیخ و برہمن

دنیا کو یہ خطرہ ہے کہ ہونے کو ہے اب جنگ
بیوی کو یہ خطرہ ہے کہ آنے کو ہے سوکن

افکار دیکھ کر

غضب کہ قحط میں افکار اور اتنا طویل
کہ جیسے تھی کبھی بھوپال کے قلعے کی فصیل
فصیل ہی سی عمر اور اس کی مضبوطی
زمانہ اس کو کہے بے مثال اور بے عدیل
یہ پہلی بار سنا ہے عجب زمانہ ہے
کہ آدمی تو زیادہ ہیں اور غذائے قلیل
کسان کہتے ہیں بندر زیادہ ہیں حضرت
اور ان پہ لاکھوں پرندے کروڑوں سا مرذیل
ہرن کے غولوں پہ کیجیے شمار ٹڈی دل
اور ان کو قدرت غالب نے دی بھی ہے خود ڈھیل
بلیک ان سے خطرناک جانور ہے حضور
یہ نفع لے کے ہے ایسا کہ جیسے مست ہو فیل
یہ جائدادوں کا ، غلّے کا ایسا جھگڑا ہے
سبیل ہونے پہ بھی سوجھتی نہیں ہے سبیل
یہ حد قحط کہ عطار دے رہے ہیں ہمیں
بہ نرخ دانۂ یاقوت آج دانۂ ہیل
یہی عذاب ہے کاغذ پہ اور رشدی نے
نکالا اتنا بڑا پرچہ بس خدا ہو کفیل
لکھوں گا میں بھی رموزی پراٹھے کھا کے مگر
خبر نہیں ہے کسی کو کہ رہ چکا ہوں علیل

مصر، شام، سعود، عراق

کہہ گئے مجھ سے پیر جی اسحاق
میں نے بیٹے کو کر دیا ہے عاق
علم کے بدلے ان کا یہ بیٹا
سینما کے لیے ہے چوری میں طاق
سینما دیکھنے کو ظالم نے
بیچ ڈالے کٹورے اور طباق
میرے ہاں روز ٹھیک ہینڈ اُس سے
اردو کے شاعروں میں صرف فراق
ہار بیٹھے نفاق کے باعث
مصر و شام، سعود اور عراق

قوم ہے ہی نہیں رموزی وہ
جس کے افراد میں ہو بغض و نفاق

(ندیم، بھوپال۔ 9 جنوری 1901)

کوریا میں جو آئے چین کے سانڈ

کوریا میں جو آئے چین کے سانڈ
پٹ گئی امریکہ کی ہائی کمانڈ
دھر لیا ہے بلیک والوں کو
لے رہی ہے پولیس اور ریمانڈ
جنگ سابق کی عورتوں کے لیے
ہے تو یورپ میں شوہروں کی ڈمانڈ
جیب کاریں ہیں اور مشین گنیں
اب نہ گھوڑے نہ نیزے والوں کی ڈانڈ
دادا صاحب کے بھی زمانے میں تھی
آج راشن میں بھی ملی تو ہے کھانڈ
میں ادا کس طرح کروں گا حضور
مل تو جائے گا امریکہ سے بھی بانڈ
جب خریدو تو یہ جواب ملے
آئی تھی کھانڈ اب نہ کھانڈ نہ وانڈ
چھوڑ یورپ کے ریشمی کپڑے
تانا بانا تو کھادی ہی کا لے مانڈ
سنیما کے ذریعہ یورپ نے
مار ڈالے رسوزی ہند کے بھانڈ

مارشل پلان

لیے ہی لیتا ہے کل ایشیا کی جان ابھی
یہ امریکہ کہ فقط مارشل پلان ابھی
چلا ہے کوریا سے مغربی مجاہد عصر
نہیں ہے جس سے تو غفلت سے بدگمان ابھی
زراہِ جنگ وزراہِ فضیلت ایجاد
یہ کھینچنے ہی کو ہے تیرے دونوں کان ابھی
تو ضعف عقل سے سنتا نہیں میری کچھ بھی
یہ نخرہ ہے کہ ہے تو خود بھی نوجوان ابھی
دل و دماغ کا جغرافیہ ترا ہے جُدا
نہ بھول اس کو سمجھ ہو تو بات مان ابھی
کمال عقل دکھا اور نئی مشین بنا
یہ ہوٹلوں میں نہ جا چھوڑ چائے پان ابھی
بلیک چھوڑ دے انسان کو سمجھ بھائی
دکھا نہ بھائی کو نخرے سے آن بان ابھی
زمین ہند کی خدمت اگر نہ کی تو نے
نثار کردوں گا بیوی پہ دو جہان ابھی

میں ہوں موجود اور غائب ڈاک

میں ہوں موجود اور غائب ڈاک
کیا کروں تو بتا خدائے پاک؟
وہ روانہ کرے میں پا نہ سکوں
بیچ میں ہے کسی کی یہ خوراک؟
یہ نہیں تو بتائے پھر کوئی
بیوی بولیں کہ گردشِ افلاک
ان کو چٹخارہ اور فیشن ہو
گھر میں اُڑتی رہے جو اُڑتی ہے خاک
کون ہیں ان کو آپ پہچانو!
اونچی اونچی زبانیں نیچی ناک
ایسے بھی دیکھے صالحسینِ کرام!
جہل کا جسم جہل کی پوشاک

ایسا شوہر رموزی ہو نہ قریب
جس پہ بیوی کی خوب بیٹھی ہو دھاک

بھگانے والے

بھاگنے والوں میں دوچار بھگانے والے
ہوتے ہیں سخت سا اک خار بھگانے والے
اپنی ہی ساختہ خبروں سے ہیں جاہل کے لیے
ایک بے چھاپے کا اخبار بھگانے والے
بھاگنے والوں کی پہچان ہے ان کی ہی نہیں
پردہ کے اتنے ہیں کچھ پار بھگانے والے
کوئی پوچھے کہ یہ کون ہیں تو اتنا میں کہوں
ہیں تو کچھ یار کچھ اغیار بھگانے والے
اور بھی ان میں کرامات سیاسی ہیں مگر!
ان کا کرتے نہیں اقرار بھگانے والے
دینی جذبات کو پُر جوش بناتے ہیں کبھی
ہوتے ہیں ایسے بھی دیندار بھگانے والے
عہدہ داری کا دلاتے ہیں یقیں یہ ایسے
جیسے خود واں کے ہیں سرکار بھگانے والے
فائدے کھیتی کے اس طرح سناتے ہیں یہ روز
جیسے ہیں خود بھی زمیندار بھگانے والے
گر بتاتے ہیں تجارت کے وہاں کی ایسے
جیسے ہیں حکمتِ تجار بھگانے والے
ان کی تحریص اور افواہ سے بچ جاؤ جب
تب ہو معلوم ہیں غدار بھگانے والے
بھاگنے والے ہی ڈٹ جائیں نہ جانے پہ اگر
ہو کے رہ جائیں گے بیکار بھگانے والے

آفتیں آئیں رموزی تو مسلماں بھاگے
حیف گھبرا کے کہیں صاحب قرآں بھاگے

بھولی جوانی

میری غزل اور نظم کا ہر خیال اس درجہ یوں جواں ہے
جوانیوں کی حکایتیں ہیں محبتوں کا ہر اک بیاں ہے
وہ ایک بیتاب سی جوانی جو گھر میں بھولی بنی ہوئی ہے
یہ اس سے پوچھو کہ آج تیری نظر کدھر اور دل کہاں ہے
یہ بات کیا ہے کہ آج اس کا دماغ اک سمت کھنچ رہا ہے
نہیں نہیں وہ تو بے خبر ہے مرا ہی اندازہ بدگماں ہے
وہ دیکھیے آنسوؤں کا اُمڈا ہوا سا طوفاں دبا رہی ہے
نہیں نہیں وہ تو بے خبر ہے مرا ہی گستاخ سا بیاں ہے
یہ لیجیے وہ خط لکھ رہی ہے تمام گھر کی نظر بچا کر
یہ خط کیا ہے جو امنگوں کی اک لرزتی سی داستاں ہے
وفورِ الفت سے اس نے اس خط میں جو بھی بے ساختہ لکھا ہے
وہی ہے جانِ ادب وہی شعرِ تر کا اک گنجِ شائیگاں ہے
یہی ہے وہ حسن شاہ رخ جو مجھے رموزی بڑھا رہا ہے
یہی مرے شعر کی زمینوں کا ایک زرّیں آسماں ہے

حضرت امیر خسرو کے عرس کی نظم

مذاقِ ہند کو خسرو نے اک جلا دی ہے
دماغ و دل کے لیے شعر سے ضیا دی ہے
فسردہ جب بھی ہوا ہے مزاج غمزہ و دل
اسی کے جوشِ محبت نے اک بقا دی ہے
وہ جب بھی حسن کی شہزادگی اداس ہوئی
اسی نے اس کو وفائے جہاں کشا دی ہے
وہ جس پہ آج بھی ہیں تاجداریاں قرباں
اسی نے حسن کو وہ دلربا ادا دی ہے
جو چاہیے تھی حسینوں کی زلفِ برہم کو
اسی نے بڑھ کے وہ صبر آزما وفا دی ہے
جہاں شکوہ شہانہ بھی جھک کے آتا ہے
اسی نے حسن کی وہ بارگہ بنادی ہے
ضعیفِ ہند میں شعر جواں کی شوکت سے
مریض قلب کو ظالم نے کیا دوا دی ہے
ملی ہے جب بھی کبھی اس کو حکمتِ بطحا
کمال یہ کہ غزل سے ہمیں سکھادی ہے
غزل میں اس کی ہے تبلیغ دیں کی اک طاقت
اسی کو بخت نے یہ دولتِ خدا دی ہے
وہ جس کی ہند میں اب انتہا نہیں ہوگی
اسی نے اردو کو اک ایسی ابتدا دی ہے
جو کہہ گیا ہے وہ اک صاحب نگاہ کے ہاں
غزل کے رنگ میں تدبیر کیمیا دی ہے

سلام خسرو رنگیں تجھ پہ سلام
ہیں جمع آج بھی تیرے لیے خواص و عوام

ہڑتال

اس عہد میں بے جسم کا اوزار ہے ہڑتال
بے دھار کافی الاصل اک ہتھیار ہے ہڑتال
ہڑتالی کے حق میں یہ سپر ہو تو لیکن
پبلک کے لیے تیز سی تلوار ہے ہڑتال
دھمکی سے چلے کام تو پھر کام کریں کیوں
اس طرح کا ایک مظہر اطوار ہے ہڑتال
ہیں سیٹھ جی پیرس میں، منیجر ہے وطن میں
مل میں ہیں مشینیں پسِ دیوار ہے ہڑتال
مزدور سے اک کام لیا کرتے ہیں لیڈر
لیڈر ہی کی اغراض کا ادبار ہے ہڑتال
مزدور سے اک کام لیا کرتے ہیں لیڈر
لیڈر ہی کی اغراض کا دربار ہے ہڑتال
مزدور میں تعلیم نہیں ہے کہ وہ سمجھے
لیڈر کی غرض مندی کا کردار ہے ہڑتال
پبلک نہ دے جب ساتھ تو لٹھ تان لے مزدور
کس درجہ خوش اخلاق و نکوکار ہے ہڑتال
سرمایہ منظم ہے نہ مزدور منظم
خوش ذوق پہ اللہ کی اک مار ہے ہڑتال
بیوی بھی خدا چاہے تو ہڑتال کرے گی
جب اتنی بھی آسان اور ہر بار ہے ہڑتال

بھاگنے والے پناہ گزیں

مایوس ہو کے بھاگنے والے یہ الاماں
سنیے تو ان کے بھاگنے کی ان سے داستاں
اشرار نے ضرور ستایا ہے ان کو آج
لیکن یہ عورتوں کی طرح آہ اور فغاں
لیڈر یہ کہہ رہے ہیں کہ اشرار لڑ پڑے
اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ لیڈر ہے کہاں
جھگڑے اگر ہوں ملک میں تو ملک کے لیے
پبلک ہے پاسبان کہ لیڈر ہے پاسباں
ہمت نہیں ہے ساتھ چھپر کھٹ مگر ہے ساتھ
یہ بزدلی سے بھاگنے والوں کا ہے نشاں
اتنا کہاں ہے ان کی حفاظت کے واسطے
دونوں حکومتوں کی ہوئی خشک تر زباں
لیکن یہ بھاگنے ہی کو چل نکلے اس طرح
گویا یہ بھاگنے ہی کو پیدا ہوئے تھے یاں
اتنے بھی تیز بھاگ رہے ہیں یہ آج کل
گویا رہیں گے جا کے یہ بیرونِ آسماں
اخبار بھی تو ان کی خبر لیں کبھی کبھی
ان کے خلاف بھی تو یہ لکھیں کبھی کبھی

فتح مقامات

اک وہ ہیں جنھیں چاہیے ہے فتح مقامات
بیوی کو مری چاہیے ہیں جمعہ جمعرات
ماموں کا عقیدہ ہے کافی ہے مناجات
خالو کے لیے کافی ہیں پیروں کی کرامات
روزانہ کبھی نو کبھی دس گیارہ بجے دن
بستر سے ہیں بھائی کے نکلنے کے یہ اوقات
بیٹے کی یہ خواہش ہے کہ دن بھر ہو سنیما
بہنوں کے لیے ریڈیو ہو تو وہ سنیں بات
میں سب ہی کا باوا ہوں مجھے چاہیے لیمن
لکھنے کے لیے حسن جواں غمزوں کی بہتات
اب وہ جو رہیں صنعت وحرفت وتجارت
مولانا نے فرمایا کہ یہ سب ہیں خرافات
دن رات رموزی کی نظر میں ہیں یہ کرتوت
اس حال پہ اللہ سے ہیں شکوے شکایات

اخبار ''نئی دنیا''

آ دیکھ نظر ہو تو اجلال نئی دنیا
بڑھتا ہی گیا اب اقبال نئی دنیا
شہ کار ہے ہمت کا کردار ہے ہمت کا
تفصیل نئی دنیا احوال نئی دنیا
جس خال پہ بخشا تھا حافظ نے بخارا تک
ہے حسن نگارش میں وہ خال نئی دنیا
حامل ہے نئی دنیا جس حال زبوں کی اب
اس پرچہ میں پڑھیے گا وہ حال نئی دنیا
میں کیا کہوں خود پڑھیے کچھ پیسے ادا کر کے
حکمت سے منور ہیں اقوال نئی دنیا
یا جنگ سے یا غنڈے یا قوموں کے کچھ جھگڑے
یہ چیزیں ہیں یعنی اب اموال نئی دنیا
کابینہ تحریری خود اس کا نہ تھا کچھ کم
اوپر سے رموزی ہے دنبال نئی دنیا

تقریب نوروز اور جنگ

رفتار کا اثر ہے جو دل پر میں کیا کہوں   گلشن میں یعنی موج صنوبر میں کیا کہوں
یوم بہار آج منانے کے واسطے   اس کا کمال حسن منور میں کیا کہوں؟
اس کی حسین ساڑی کی زرّیں موج میں   اک لرزشِ نفاست گوہر میں کیا کہوں
شرمیلی اس کی باتیں میں جتنی بھی سن سکا   ان باتوں میں لطافت کوثر میں کیا کہوں
دلن بنی ہوئی تھی نگاہوں کی موج تک   اور اس پہ اس کا غمزۂ بہتر میں کیا کہوں

یہ حسن تھا، بہار تھی، میں تھا شراب تھی
اب اور آپ کہیے کہ اس پر میں کیا کہوں؟

یورپ میں علم و زر سے انساں کے حلق پر   جو چل رہا ہے آج وہ خنجر میں کیا کہوں؟
تہذیب زادے کاٹ رہے ہیں رگِ حیات   اب اس سے زیادہ حالتِ بدتر میں کیا کہوں
لنڈبرگ میں مخالف انگریز آج کل   یہ نقطۂ نگاہ فروتر میں کیا کہوں
لڑکا[1] جو کھوگیا تھا وہ دن یاد کیجیے   اب اس سے زیادہ آپ سے بڑھ کر میں کیا کہوں
اب دوسروں کے بچوں کی بھی سوچیے ذرا   جس طرح پھر رہے ہیں وہ دردر میں کیا کہوں
انگریز کی مدد تو شرافت کی ہے مدد   اب اس سے زیادہ شعر مصور میں کیا کہوں

تم سے تو عورتیں ہی غنیمت ہیں ہند کی!
جس طرح دے رہی ہیں وہ زیور میں کیا کہوں

1۔ 1934 میں کرنل لنڈ برگ کے شیر خوار لڑکے کو امریکہ سے ڈاکو لے گئے تھے، جس کے صدمہ سے کرنل صاحب موصوف امریکہ چھوڑنے والے تھے۔12۔منہ

جاپان کا ڈر

شاعر تو مرے ہند کے سب دردِ جگر سے
باقی کے مرے جاتے ہیں جاپان کے ڈر سے
نقشے ہیں کچھ اخبار کے تانے ہوئے بیٹھے
لیکن یہ سمجھتے ہیں اِدھر سے نہ اُدھر سے
جاپان سے ٹلّال کا ڈر بھی کوئی ڈر ہے
اس سے تو یہ بہتر ہے ڈرو ساس سسر سے
اک میں ہوں کہ ہر جنگ سے پاتا ہوں جوانی
اور ڈٹ کے گزرتا ہوں گزرتا ہوں جدھر سے
جاپان تو کھائے گا شکستوں پہ شکستیں!
اور آئیں گی یہ اُس کے لیے روس کے گھر سے

ہوں ختم یو پی میں تعویذ ہی سے اب بندر

یہ چاہتے ہیں میرے مہربان نری نندر
ہوں ختم یو پی میں تعویذ ہی سے اب بندر
یہ بندروں کی ہے کثرت کہ کمیونسٹوں کی فوج
ز یو پی تا بہ مضافات شہر جالندھر
اناج ایک طرف یہ تو وہ بھی کھاتے ہیں
خدا کے نام جو جاتا ہے مسجد اور مندر
ستم نہیں یہ ہنر ہے کہ رکھیے آپ جو چیز
یہ لے اڑیں گے وہ باہر رکھی ہو یا اندر
رموزی فضل وہی بچ رہے گی بندر سے
کہ جس کے ساتھ رہے گا نصیب اسکندر

بھائی کا کر رہا ہے بھائی شکار

قدر داں ہیں مرے میاں غفار
چھاپتے ہیں مرے بھی کچھ اشعار

قوم کا غم ہے سب غموں سے سوا
اس زمانے میں ! اور یہ کردار

آدمی آدمی کو کھاتا ہے
بھائی کا کر رہا ہے بھائی شکار

قحط و سیلاب اور فسادوں کی
بیکسوں ہی پہ پڑ رہی ہے مار

ہے جو آبادیوں میں تبدیلی
اس سے آئے گا اک بڑا ادبار

صبر والوں کی جیت لکھی تھی
میں نے دیکھا ہے اک بڑا اخبار

چاہتے ہیں بہت مسلمان لوگ
سوٹ وہ جس میں سونے کے ہوں تار

یہ مسلمان ہوٹلوں میں حضور
پی رہے ہیں گلاب و عرق انار

فینسی کپڑوں پہ یہ مرتے ہیں
نقد ممکن نہ ہو تو لیں گے اُدھار

اتنے جاتے ہیں سینما یہ روز
خالی رہتی نہیں ہے راہ گزار

اس پہ کہتے ہیں ہائے روزی نہیں
حال کہتا ہے اور ہوں گے خوار

اک دوا پر بنام نفع غضب
کیا کہوں کتنا لیتے ہیں عطار

نفع عطار میں ملا کے مگر
بد دعا دے رہے ہیں کل بیمار

بد دعا سے رموزی دیکھا ہے
گر ہی پڑتی ہے سر پہ پھر دیوار

ایک ایک

یورپ، کہ اُس میں صاحب جوہر ہے ایک ایک   ایجاد و اختراع میں بہتر ہے ایک ایک
ہیں تندرستی میں بھی یہ اولاد دیو کی   اور انتظام ملک میں برتر ہے ایک ایک
بے عقل ایشیا کے غلاموں کے واسطے   دشوار تر مقام میں رہبر ہے ایک ایک
دنیا کے جس مقام پہ پہنچے یہ یورپی   واں جا کے دیکھ لیجے کہ افسر ہے ایک ایک
ڈٹ جائیں یہ جو جنگ کے میدان میں کبھی   تو پھر یہ دیکھ لیجے کہ خنجر ہے ایک ایک
عیش و شراب و انجمن آرائیاں بھی ہیں   اور حسن میں تو تابشِ گوہر ہے ایک ایک
لیکن ہر ایک چیز میں وہ اعتدال ہے   جیسے خود اعتدال کا پیکر ہے ایک ایک
اب ملک ہند پر یہ ستم دیکھیے یہاں   فطرت کی فاقہ مستی سے لاغر ہے ایک ایک
دو آنے سے زیادہ نہیں حیثیت، مگر   وہ مستیاں کہ شیشۂ و ساغر ہے ایک ایک
جس سے بلند ہوں وہ کبھی سوجھتی نہیں   یوں دیکھیے تو باتوں میں لیڈر ہے ایک ایک
غیروں سے تو تڑاق بھی بنتی نہیں مگر   بھائی کے حق میں آپ سے باہر ہے ایک ایک
نقلِ فرنگ فخر سمجھتے ہیں اس لیے   پتلون و کوٹ و ٹائی و نیکر ہے ایک ایک
بن کے بزرگ تھے کبھی اعلیٰ انھیں میں اب   اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا شوفر ہے ایک ایک
سیکنڈ ہینڈ ہی سہی اور قرض ہی سہی   یہ دیکھیے کہ صاحب موٹر ہے ایک ایک
ٹھنڈی سڑک پہ لڑکوں میں اور لڑکیوں میں بھی   چلنے میں جیسے فینسی صرصر ہے ایک ایک

یورپ کا بچہ بچہ تو ایجاد و عقل ہے
اور ہند میں جو ہے وہ فقط نقل نقل ہے

اخبار ''ناظم'' اور ملا رموزی

مرے اک دوست کے گھر سے ملا اک پرچہ ''ناظم'' کا
یہی پرچہ محرک سا ہوا اس نظم راقم کا
تعالی اللہ ریاست رامپور اور اس سے روزانہ
نکالا جائے اک اخبار اور اونچے عزائم کا
کبھی ہو آئینہ دار کمال صاحب ثروت
کبھی نظارہ لائے سامنے اُن کے مکارم کا
کبھی کمزور کی خاطر امیروں کے محلے میں
جوڈٹ جائے تو بھانڈا پھوڑ دے ان کے مظالم کا
رعایا کے خیالوں کو بھی پہنچاتا ہے آقا تک
کبھی اعلان بن جاتا ہے سلطانی مراحم کا
کبھی ہندوستاں کی فوج کی ہمت کی خبریں دے
کبھی قصہ سنائے جرمنستانی بہائم کا

نگاہِ تاجور میری

نقیبِ شعر و فکرِ نو ہے تزئینِ سحر میری
یہاں تک تو رسا ہے داستانِ شعرِ تر میری

یہ حدِ دلکشی ہے میرے ہاں شعر و نظر تک میں
ہوئی ہے ناز برداری کو اک موجِ گہر میری

وہی تو اک ادا تھی ساری دنیا کی اداؤں میں
نظر اس سے ملی ہے جب سرِ راہِ گزر میری

کھٹک دونوں کے دل میں ہے تو اس سے سو حسینوں میں
الگ پہچان لیجے گا نظر اس کی، نظر میری

حریمِ خسروانہ تک میں زورِ عشق یہ دیکھا
نکل آئی تھی شہزادی بھی واں سن کر خبر میری

بظاہر گامزن میں تھا محبت کے لیے لیکن
نگاہِ حسن تھی منزل بہ منزل راہبر میری

نگاہِ مشتری شائق ہے اور ناہید پروانہ
نثارِ عاشقی ہے شوکتِ مہر و قمر میری

دلوں کی دھڑکنیں سنتا ہوں سن کر جان دیتا ہوں
اسی سے ہو چکی ہے وہ نگاہِ تاجور میری

گل افشانیاں

پڑا ہے نفع پسندوں پہ تازیانہ ابھی
ہے ان میں پھر بھی مگر جوشِ باغیانہ ابھی
پتہ ہی ان کا بتاتی رہے اگر پبلک
مزا چکھا دے حوالات اور تھانہ ابھی
یہ حدِّ نفع تو دیکھو بلیک والے کی
بنی ہے کوٹھی جہاں تھا غریب خانہ ابھی
اب ان کے بعد نظر ڈالیے غریبوں پر
ہے ان کا حال بھی ہر طرح جاہلانہ ابھی
یہ جان دیتے ہیں خود قیمتی غذاؤں پر
نصیب ہی میں ہے جیسے یہ آب ودانہ ابھی
بھرے ہوئے غریبوں سے ہوٹل اور سینما
غریب ہونے پر بھی خرچ ہے شہانہ ابھی
سبب یہ ہے کہ نہ رہبر نہ علم وعقلِ جواں
بدل سکی نہ انھیں حالتِ زمانہ ابھی
ملے جو ووٹ تو پبلک کے پیچھے ہے لیڈر
مقامِ عقل ہے لیڈر کا عامیانہ ابھی،

تھیٹراور لیڈر

کل مجھ سے یہ کہنے لگے تھیٹر کے منیجر
تشریف ذرا لایئے اور دیکھیے تھیٹر
کی عرض یہ میں نے کہ میں اخبار ہوں حضرت
کرنا ہے فراہم مجھے اخبار کا میٹر
جس کھیل کا یورپ سے لیا جائے تخیل
اس کھیل کو دیکھے تو نہ لیڈر نہ ایڈیٹر
شوہر جو رعیت کی ہو فطرت کا وہ تاعمر
بیوی کو سمجھتا ہے کہ ہے ڈپٹی کلکٹر
افسوس کہ اس کی یہی آیا نہ سمجھ میں
سیرت میں رموزی بھی ہے لفٹنٹ گورنر

صحرازاریاں

محبت کی ادا میں جب میں نکلا بادقاروں سے
مقابل ہوں پری زادوں کے اب رنگیں اشاروں سے
مرتب کر کے تفسیریں جوانی کی اُمنگوں کی
خراج شعر لیتا ہوں میں دوشیزہ بہاروں سے
زراہِ عشق خود آراء، کچھ ایوانات رنگیں میں
گزارا جارہا ہوں کیا کہوں کیسے نظاروں سے
کہوں کیا شوکتیں اُن کی، لکھوں کیا تابشیں ان کی
کنار چشمۂ روشن ملا جن ماہ پاروں سے
غضب تھا آج ان کی عمر طرآرہ کا یہ عالم
شگوفے پھوٹ نکلیں جیسے اک دن سخت خاروں سے
شبابوں میں جواں تھی ان کے اک دیوانگی لیکن
یہ اک دیوانگی بہتر تھی لاکھوں ہوشیاروں سے
مظاہر تھے جمالِ ثروتِ شاہانہ کے یعنی
وہ شرمیلی نگاہیں اور وہ تیور شرمساروں سے
نگاہ گوہریں میں ان کی جب اک کیف سا آیا
معاذ اللہ سی آواز آئی تھی ستاروں سے
یہ جادو زادیاں وہ ہیں یہ صحرا زادیاں وہ ہیں
غرور تاجداری چھین لیں جو تاجداروں سے
جمالِ وادئ گلریز کی شہزادیاں ہوکر
مرے نزدیک آنے میں لجائیں سبزہ زاروں سے

مرے اک دوست کے اصرار سے اتنا میں کہتا ہوں
ہیں کچھ یہ بھی مری غزلوں کے رنگیں سازگاروں سے

جنوری سے گیا زمانہ پلٹ

جنوری سے گیا زمانہ پلٹ
میں "خلافت" سے پھر گیا ہوں چمٹ
چڑھنے والوں کی ریل گاڑی پر
اسٹیشن ہی سے دیکھیے تو جھپٹ
ریل میں اک نے دوسرے سے کہا
میں بھی سمٹا ہوا ہوں تو بھی سمٹ
ایسے بھی تھے مسافروں کے ہجوم
ایک کے پاس بھی ٹکٹ نہ وکٹ
ہوشیاری سے کھیت پر جاؤ
کوئی بندر نہ جائے تم سے لپٹ
ہیں مسلماں جو سینما پہ نثار
کام سے جی گیا ہے اُن کا اُچٹ
میں بھی بمبئی رموزی جاؤں گا
یعنی یورپ کا جب میں لوں گا ٹکٹ

غریب

کہتے ہیں دکھ ہی پا رہا ہے غریب
سخت صدمے اٹھا رہا ہے غریب
لیکن اس شور و اطلاع کے ساتھ!
سینما روز جا رہا ہے غریب
ہوٹلوں میں ہر اک وقت حضور
ڈٹ کے سب کچھ اُڑا رہا ہے غریب
نشے میں اور جوئے کے حلقہ میں
قہقہے تک لگا رہا ہے غریب
کوٹھوں پر دیکھیے کسی شب میں
ٹھمریاں کیسی گا رہا ہے غریب
روٹی ان کو ضروری ہے درکار
ان کی اصلاح بھی تو ہو سرکار

اور سیٹھ جی کے گھر میں سنی میں نے کھنا کھن

آفت زدہ کے گھر میں نہ بستر ہے نہ برتن
اور سیٹھ جی کے گھر میں سنی میں نے کھنا کھن
اک سود ہی کیا کم تھا کہ اب اس پہ بلیک اور
اللہ رے سیہ قلب کے یہ بعض مہاجن
افسوس کہ سیلاب سے انسان کے گھر میں
رہنے کو نہ کمرہ ہے کہیں اور نہ آنگن
اب مشرقی و مغربی جرمن کے لقب سے
کٹ مرنے کو تیار کیے جائیں گے جرمن
لائی ہے نئی بیوی نیا بجلی کا چولھا
شوہر کو نہ لانا پڑے گا آج سے ایندھن
حالات کے بدلے جو پڑھے صرف خدا کو
اس طرح کے درکار ہیں اب شیخ و برہمن
دنیا کو یہ خطرہ ہے کہ ہونے کو ہے اب جنگ
بیوی کو یہ خطرہ ہے کہ آنے کو ہے سوکن

اس زمانے کا یار کیا کہنا

اس زمانے کا یار کیا کہنا
گیہوں چاول کی مار کیا کہنا
گھر میں ہے اور دکان سے غائب
ایسی مکا جوار کیا کہنا
جو اٹک جائے راستے ہی میں
ایسا ارجنٹ تار کیا کہنا
جس پہ موٹر سے بے قصور مریں
ایسی ہر رہ گزار کیا کہنا
دور ہی دور عشق و الفت میں
اس طرح کا بھی پیار کیا کہنا
تازہ تر دودھ کی ملائی پہ
موٹروں کا غبار کیا کہنا
سبزہ زندہ ہو لوگ بھوکے مریں
ایسی فصلِ بہار کیا کہنا
عقل برطانیہ و امریکہ
ہاری ہے پہلی بار کیا کہنا
عقل چرچل بھی ہوگئی آخر
کوریا میں نگار کیا کہنا
اس کے ہاتھوں کی بس مسور کی دال
وہ بھی پھر بار بار کیا کہنا
شوہروں کا رموزی کس کو یقین
بیوی ہو غم گسار کیا کہنا

جشنِ آزادی اور غریب

دراصل جشنِ ہند منایا غریب نے
پھولوں سے راستوں کو سجایا غریب نے
سرکاری شاندار سجاوٹ کے بعد پھر
اس جشن کو حسین بنایا غریب نے
چندہ دیا جو دے نہ سکے ساہوکار تک
وہ دے دیا جو کل تھا کمایا غریب نے
لیڈر کے ہر جلوس میں جلسہ میں چیخ کر
نعرہ پہ نعرہ ڈٹ کے لگایا غریب نے
مصروفِ کار جشن میں اس طرح بھی رہا
دن بھر نہ کھایا ایک نوالا غریب نے
گھر گھر سے لا کے لوگوں کو رونق کی جشن کو
اس طرح بھی کیا ہے دوبالا غریب نے
غنڈے بگڑنے والے تھے فرقے کے جوش سے
ان کو بھی ہر طرح سے سنبھالا غریب نے
جو ساہوکار کر نہ سکے اور امیر لوگ
اس جشن میں وہ کر کے دکھایا غریب نے
لیڈر کی واہ واہ ہوئی پارٹی کا نام
حالاں کہ ہر جلوس نکالا غریب نے
چھوٹے بڑوں کو جشن مبارک کرے خدا
ملا رموزی کو کرے محلہ بہت عطا

الّا اللہ

یہ فوج فوج سے بے روزگار الا اللہ
یہ موج موج سے بھی روزہ خوار الا اللہ
مہِ صیام میں دن رات میں مسلمان بھی
بغیر خوف و حیا مےٗ گسار الا اللہ
جوئے کی نفع کا ہر کھیل اس مہینے میں
بغیر خوف خدا بار بار الا اللہ
جوان لڑکے تراویح چھوڑ کر ہر شب
ہیں فلم دیکھنے کو بے قرار الا اللہ
کمائی دیکھ مسلماں کی کتنی جائز ہے
طعام خانے میں پردہ دار الا اللہ
چباتے پھرتے ہیں بیڑی اور ان پہ سگرٹ بھی
یہ بے حجابی سرِ رہ گزار الا اللہ
رکھا ہے روزہ تو افطاری کھائیں گے شاہی
بلا سے ہو کے رہیں قرضدار الا اللہ
اسی طرح کے ہیں اعمال جن سے بند ہوا
کمانے والوں کا ہر کاروبار الا اللہ
رموزی گیہوں یہ کہتا رہا فرشتوں سے
ملے گی کھانے کو مہنگا جوار الا اللہ

مقام روزہ

اللہ اللہ شرع میں اور روزہ داروں کا مقام
جس پہ بھیجیں وجد میں آ کر ملائک تک سلام
قلب ہوجاتا ہے اتنا بھی منور روزہ سے
اس کو آتے ہیں اگر سمجھیں تو روحانی پیام
یہ وہ نقطہ ہے ٹھہر جائے اگر مومن یہاں
صاحب تقویٰ تو کیا ہوجائے تقویٰ کا امام
اس سے بڑھ کر کون ہوگا اشرف مخلوق پھر
خوف سے اللہ کے جو نفس کو کرلے غلام
حکم سے اللہ کے منسوب ہے روزہ، مگر
فائدے کل اس کے ہیں مخصوص مومن ہی کے نام
روزہ کیا ہے عدل اور انصاف کی میزان خاص
اعتدال اختلاط میں آئے یہ ہے روز کا کام
جو ہو عادی نفس تک سے عدل اور انصاف کا
دوسروں کے واسطے ہوگا رموزی فیض عام

جنرل میکارتھر

ہزار شکر کہ جنرل میکارتھر نہ رہے — مگر یہ جب کہ کروڑوں کے تن پہ سر نہ رہے
بجائے فوجی تدبر کے توپ و بم سے لڑے — اسی سے آدمی تو کیا ہیں ان کے گھر نہ رہے
بجز مشینوں کے اک جنگی چال تک نہ سنی — اسی سے ایک جگہ آپ سال بھر نہ رہے
اکیلے لڑ نہ سکے دوسروں کو لے کے لڑے — جنھیں لڑایا خود ان کے لیے سپر نہ رہے
غریب ترکوں کو گھیرے میں پا کے چپ سے رہے — حدودِ ترکی میں اب لائق گزر نہ رہے
ہزار بار دھکیلے گئے دھکیلتے رہے — اسی سے فوجوں میں کچھ قابلِ نظر نہ رہے
تھی اس کمال کی موجودگی محاذوں پر — گئے حضور جدھر سترہ دن اِدھر نہ رہے
ز بد دعائے ستم خوردہ کوریا اُفّوہ — حضور مشرقِ اقصیٰ کے تاجور نہ رہے
حضور عالی کے دم سے اب امریکہ والے — نگاہِ مغرب و مشرق میں با اثر نہ رہے
خود ان میں پھوٹ پڑی ہے جو آپ کے صدقے — یہ ہوں گے کیا جو یہ سب متحد اگر نہ رہے؟
حضورِ عالی ہیں تاریخ میں شکست نصیب — ہر اک کہے گا اگر اس کے دل میں ڈر نہ رہے
یہ سال صدر ٹرومین کا بھی ہے ایسا — اگر رہے بھی تو کہیے گا کہ مگر نہ رہے

رموزی دیکھ رہا ہوں کہ ظالموں کے لیے
وہ وقت آیا کہ خود ان کے چارہ گر نہ رہے

نعت اقدس

عربوں کی وہ باہم تیغ زنی اللہ غنی اللہ غنی
کرتے تھے ہر اک بیخ کنی اللہ غنی اللہ غنی
تھے ایک مگر اک ہو نہ سکے تھا فخر قبیلہ فخرِ نسب
ان سب کی اک دن نہ بنی اللہ غنی اللہ غنی
اس سخت زمیں ہی پر آئے وہ حکمت اول صلِ علیٰ
آتے ہی کرائی بت شکنی اللہ غنی اللہ غنی
بت خانوں میں جا کر مسجد کو کچھ ایسی سنائی حمد وثنا
رحمانی ہوئی سب اہرمنی اللہ غنی اللہ غنی
اللہ کا ایسا ذوق دیا اللہ کا ایسا شوق دیا
عابد ہوئے اب تیغوں کے دھنی اللہ غنی اللہ غنی
اک قتل گہ انسان تھا عرب اک راہزن انساں تھا عرب
اب دور ہوئی سب بدامنی اللہ غنی اللہ غنی
تنظیم بنام مومن کی اور ایسے کمال حسن سے کی
اُک ہوگئے خود مصری یمنی اللہ غنی اللہ غنی
اک سیرت شاہنشاہی بھی دی اک نظم جہاں بانی بھی دیا
خود آپ رہے ہر شے سے غنی اللہ غنی اللہ غنی
وہ موعظت احسن کہ رہی دشمن سے بھی وقت مہر وغضب
تلخی کے عوض شیریں سخنی اللہ غنی اللہ غنی
وہ طلعت خلق احسن تھی ہر قلب منور تھا عاشق
عاشق ہوئے مصری اور عدنی اللہ غنی اللہ غنی
عشاقِ رسولِ اقدس ہیں برتر زفلک برتر زملک
ان سب میں مگر وہ اک قرنی اللہ غنی اللہ غنی
اس اپنے شرف پر حیراں ہوں یعنی کہ رموزی نعت میں اب
میں اور شہنشاہِ مدنی اللہ غنی اللہ غنی

منزل جاوید

اگر یہ عشق فرقت میں ذرا خوددار ہوجائے
جمالِ عشق پر قرباں جمالِ یار ہوجائے
غضب کی ہمتیں آجائیں تجھ میں بات ہی کیا ہے
جو پچھلے دار سے تو رازدارِ دار ہوجائے
میں اس سرمایۂ گلزار کے دوشیزہ ہاتھوں سے
اگر پی لوں تو دل تک مظہرِ انوار ہوجائے
سنور کر سیر کو نکلے تو خود صدرِ پری خانہ
نثارِ مقدمِ جانانہ سو سو بار ہوجائے
گلے ملنے کی بیتابی میں دونوں چاہتے ہیں یہ
کسی کا اک اشارہ ہی فقط اک بار ہوجائے
حیاتِ عشق میں اک منزلِ جاوید یہ بھی ہے
کہ اس کے منہ سے ملنے کے لیے انکار ہوجائے
مزاجِ حسن کی فطرت ہی عاشق کے لیے یہ ہے
کہ ہر انکار اس کا ایک دن اقرار ہوجائے
رموزی کا مذاقِ شعر ہی گلزار آرا ہو
اور اس پر پھر عطا وہ دولتِ بیدار ہوجائے

مقاماتِ بمبئی

بیوی نے کچھ کیے تھے سوالات بمبئی
ظاہر میں کررہا تھا خیالات بمبئی
میں نے کہا نمونۂ لندن ہے یہ جگہ
موٹر میں جا کے دیکھیے حالات بمبئی
حسنِ فرنگ و غمزۂ ہندی تھا بے حجاب
ان سے بھی کچھ سوا تھے مقامات بمبئی
ہوتی تھیں یاں تجارتیں ڈاکے کے رنگ کی
تجار تک تھیں خاص عنایات بمبئی
عرض گدائے سوختہ ساماں نہ جاسکے
اتنے بلند تر تھے مکانات بمبئی
سب کچھ تھا عہد نو کا بس اللہ کا ڈر نہ تھا
یہ تھے ترقی یافتہ حالات بمبئی
فطرت کا لاٹھی چارج ہے بمبئی کے سر پہ آج
مشہور ہورہے ہیں فسادات بمبئی
بیوی نے کان پکڑے میں سجدہ میں گر گیا
اخباروں میں پڑھے جو مقالات بمبئی
سائنس کے ذریعہ جو دیتے تھے زندگی
بے کار ہوچکے ہیں وہ آلات بمبئی
پیدا اگر ہو دین کا ماحول آج کل
پھر سے عروج پائیں کمالات بمبئی

بیوی کی دوسروں سے شکایت نہ کیجیے

بیوی کی دوسروں سے شکایت نہ کیجیے
یا بیوی ہی سے لڑنے کی عادت نہ کیجیے
کیجیے تو میکے والوں کی کیجیے جناب من
سسرال والوں کی تو حمایت نہ کیجیے
جو فرقوں کو لڑانے کی خاطر ہو منعقد
اس جلسہ کی حضور صدارت نہ کیجیے
خود رہیے گھر میں آپ رعیت کی طرح سے
بیوی کی ہاں قبول ریاست نہ کیجیے
بی اے تھے جتنے بھاگ گئے چانٹ پڑتے ہی
اب مولوی کی کوئی شکایت نہ کیجیے
فیشن زدہ ہی بھاگے ہوائی جہاز سے
اب اس سے زیادہ اور حکایت نہ کیجیے
جو بھاگے گا سنبھل نہ سکے گا پچاس سال
ایسوں کے ساتھ کوئی رعایت نہ کیجیے
جو چھروں کی طرح سے بھاگیں ہوا کے ساتھ
آپ ان کے حق میں کوئی عنایت نہ کیجیے
گھبرائے جو مصائب و آلام سے حضور
وہ موت سے قریب ہے اور زندگی سے دور

عید کے مختلف نمونے

اشیا گراں تھیں، غلہ کا ہر گھر میں کال تھا　　مسلم پہ بھی اثر تھا مگر خال خال تھا
روزہ پہ اور عید پہ وہ خرچ کردیا　　حاتم کے واسطے بھی جواب کے محال تھا
اس زعم پر خریدیں بنارس کی ساڑیاں　　ڈپٹی کلکٹری تھی غریبوں کا مال تھا

(۲)

کچھ آزمبل اور تھے سر عیدگاہ میں　　چہروں سے عہدہ داری کا پیدا جلال تھا
عمامہ بھی تھا سر پہ فرنچ کیپ کے عوض　　تکبریں بھولنے کا بھی کچھ انفعال تھا
مجبور ہوکے آئے تھے یہ عیدگاہ میں　　صف میں غریبوں کی انھیں ملنا وبال تھا
پوچھا نکے کو بھی نہ انھیں بھی غریبوں نے　　ان کے غرور و عہدہ کا یہ اک مآل تھا

(۳)

روشن خیال حلقے کی اک ٹولی کے لیے　　آراستہ فرنگ سی کوٹھی کا ہال تھا
گیت بج رہی تھی ریڈیو میں زور شور سے　　گو قرضِ سیٹھ جی میں گرو بال بال تھا
کوٹھی سجی ہوئی تھی کرسمس کی وضع سے　　اور پائیں باغ اس کا پرستاں مثال تھا
بے پردہ عید ملنے کو آئیں سہیلیاں　　باتوں میں جوش و وجد تھا اور حال و قال تھا
جوتی سے اونچی ایڑی کے تھرا گئے غلام　　روشن خیالیوں کا یہ ادنیٰ کمال تھا
سیٹیں پھر عید کی سنیما میں ہوئیں ریزرو　　یعنی خوشی کا دن تھا تماشہ حلال تھا
اب فلم کار عاشق و معشوق دیکھ کر　　کوئی تھا عین غین کوئی دال ذال تھا

(۴)

غنڈوں نے بھی منائی تھی اس طرح عید آج　　اک ایک تمکنت میں سکندر خصال تھا
[illegible] نے ہاتھ جوڑے دہائی دی عید نے　　اس حد تک دماغوں میں اک اختلال تھا
بنگال کے کسی کو بھی بھوکے نہ یاد آئے　　حالانکہ کافروں کو بھی اس کا ملال تھا

جب اس طرح کا ہوگا مسلمان ہند آج
خود سوچ لو کہ اس کو ملے گا کدھر سے راج

یہاں اور وہاں

دنیا میں تو ہے قحط کا، کالوں کا زمانہ
اور مجلس یورپ میں سوالوں کا زمانہ
واں مجلسِ اقوام میں روزانہ ڈنر ہیں
یاں شادی کے گھر میں بھی ہے دالوں کا زمانہ
امریکہ میں ایٹم سے بڑے بم کے ارادے
ہم میں سنیما ہی کے خیالوں کا زمانہ
بے گنتی منافع سے ہے اب سیٹھ جی کے ہاں
سرخی سے مہکتے ہوئے گالوں کا زمانہ
اس خضر سے چہرہ پہ خضابوں کے اثر سے
اللہ رے شب رنگ یہ بالوں کا زمانہ
ہڈی نظر آنے لگی مہنگائی کے ہاتھوں
جاتا ہی رہا جیسے کہ کھالوں کا زمانہ
علمی کے عوض فلمی مضامین سے لبریز
اللہ یہ ماہانہ رسالوں کا زمانہ

ہم رنگ رموزی ہے جواں عقل ہو تو دیکھ
جو چل کے بڑھاپے میں بھی چالوں کا زمانہ

نعت اقدس

تھا نورِ نبی تحریکِ حرم صلی اللہ علیہ وسلم
اس رمز سے واقف ہی تھے نہ ہم صلی اللہ علیہ وسلم

صرف آپ کے اک پیغام کی خاطر عرش نے طے کی پہلے ہی
تخلیق عرب تعمیرِ عجم صلی اللہ علیہ وسلم

اک حکمتِ علیا کے رنگ میں سمجھیں تو یہی اک نور تو ہے
ترکیب زمیں تقدیرِ اُمم صلی اللہ علیہ وسلم

خونخواروں میں حکمت لے کر آئے اتنا ہی نہیں اس وقت آئے
تھا نظمِ جہاں جب ابتر و برہم صلی اللہ علیہ وسلم

اس درجہ کمالِ جرأت سے پیغامِ خدا دشمن کو دیا
اک حرف بھی اُس میں بیش و نہ کم صلی اللہ علیہ وسلم

خود اپنی نہ عافیت چاہی اولاد کی بھی پروا ہی نہ کی
جو کچھ بھی کہا ہے سچ اور ضم صلی اللہ علیہ وسلم

اک سادہ نشستِ مسجد سے وہ نظمِ حکومت سب کو دیا
حیراں ہے ابھی تک مسندِ جم صلی اللہ علیہ وسلم

افواج کو تھا یہ حکم کہ وہ بے کس کو نہ چھیڑیں دشمن کے
دشمن کے لیے یہ رحم و کرم صلی اللہ علیہ وسلم

اک نور ہی نورِ انساں بنے اک امن ہی امنِ انساں بنے
اس کام کو کرتے تھے پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

مسلم سے کہا باوقعت رہ آفت ہو تو پُرشوکت بھی رہ
اک ذاتِ خدا کو مان اہم صلی اللہ علیہ وسلم

اس سیرتِ شاہانہ کی ملت تیار کی اور پھر اس سے کہا
ہے دعوتِ خالق منصب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

اب میرے لیے کچھ منطق سی اک چیز ہی یعنی ایسا ہو
اولاد رموزی آپ کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اخبار نئی روشنی بمبئی

اک خاص سا اخبار نئی روشنی بمبئی
پڑھتا ہوں میں دس بار نئی روشنی بمبئی
ہوٹل زدہ مجنوں شعراء کے کبھی اک دن
لیتا نہیں اشعار نئی روشنی بمبئی
شرنارتھی لوگوں کی اکڑفوں کے مقابل
لڑنے کو ہے تیار نئی روشنی بمبئی
ظالم کی حجامت کے لیے غور سے دیکھو
کس درجہ ہے جرار نئی روشنی بمبئی
جو اچھے لکھاڑی ہیں انھیں سر پہ بٹھائے
رکھتا ہے یہ کردار نئی روشنی بمبئی
کی قدر اگر اس کی تو دشمن کے مقابل
ہوجائے گا تلوار نئی روشنی بمبئی
اللہ سے رموزی کی دعا ہے کہ زرحمت
ہر لحظہ ہو گلزار نئی روشنی بمبئی

تفریحات

یہ تو غلط کہ تیرا ہی اعلیٰ مقام ہے
کلوا بھی اپنے گھر کا مدارالمہام ہے
اب عشق میں یہ کون کہے میرے واسطے
یہ شخص کوتوال ہے یا اک غلام ہے؟
بی۔اے کا زور جب سے ہوا ہے تو دیکھیے
اگلا سا یا خدا ہے نہ اب رام رام ہے
سُرخاب زادیاں بھی کریں عشق آپ سے
تھوڑا سا اس میں آپ کے پیسہ کا کام ہے
ہر چیز مولوی کے لیے تو حلال ہے
میں صرف حسن چاہوں تو بس وہ حرام ہے
کلوا غریب خانے سے بھاگے جو لے کے نقد
اب بمبئی کے تاج محل میں قیام ہے
ہڑبونگ کیجیے تو ہے یہ عشق اک جنوں
ورنہ یہ روز مرہ کا معمولی کام ہے
مشہور آدمی پہ تو یورپ نثار ہے
یاں ایسے آدمی کے لیے بُغض عام ہے
یورپ میں اک اشارہ پہ ملتے ہیں سو حسیں
یاں ناز و غمزہ ہی میں جوانی تمام ہے
دس سال آزما نہ لے جب تک کوئی حسیں
اُس وقت تک سلام نہ کوئی پیام ہے
اس درجہ سست ضابطۂ حسن و عشق کو
اک لاکھ بار دور سے میرا سلام ہے

جشنِ آزادی

وہ منائیں گے جشنِ آزادی
جو پہنتے ہیں روز ہی کھادی
میں سمجھتا ہوں کچھ نہیں جب تک
کھادی پہنے نہ پوری آبادی
سخت حیران ہوں کہ لوگوں نے
اس طرف سے بھی بے حسی لادی
آج بھی سوٹ بوٹ یورپ کے
ہیں یہاں تک غلامی کے عادی
جو بھی کرتے ہیں کام ، بے سمجھے
یا وہ ہوتا ہے صرف میعادی
کھانا بے حد خراب دیتے ہیں
دیکھیے ہوٹلوں کی اُستادی
ایسے کاہل ہیں ملک میں زیادہ
روزی جو چاہتے ہیں امدادی
گھیرے رہتے ہیں افسروں کے گھر
دیجئے امداد تا کریں شادی
مفت راشن جو دیجیے تو ہیں خوش
ورنہ ہربات پر ہیں فریادی
یہ بھی دامادی ہے رموزی کی
ساس کے گھر میں گزری دامادی

رمضان کے انعامات

الحمد کہ آیا پھر رمضاں مسلم نے سجایا شوق سے گھر
خوش بختی سے اس کو پھر سے ملا اک ماہ ریاست ماہ ظفر

اس ماہ میں مکہ فتح ہوا قرآں بھی ملا اس ماہ میں پھر
اب سلطنتِ مسلم جو بنا تو پڑنے لگی دنیا کی نظر

اک شہر دیا آئین دیا آئین بھی پھر آئینِ خدا
اک ملتِ بیضا پیدا کی اس ماہ نے وہ بھی کامل تر

جمہوریہ اسلام بنی، سرکار مدینہ صدر ہوئے
اک قوم کی اک تنظیم ہوئی تنظیم بھی کیسی کچھ بہتر؟

اس ماہ میں جو اک دولت ہے وہ دولت حکمت قرآں ہے
آیات میں اس کی دنیا ہے دنیا نے نہ سمجھا اس کو مگر

اس پورے نظام دنیا کو مسلم نے عبادت تک سمجھا
سمجھی نہ کبھی تفصیل ذرا عالم نے بھی اس کی لی نہ خبر

اک خاص فراست چاہیے ہے اک خاص ذہانت چاہیے ہے
مسلم میں کہاں ہے یہ نعمت ویسے ہی ہے وہ بے علم و ہنر

قرآن میں بقائے انساں کا ہر ضابطہ ہے ہر نسخہ ہے
اک علم مگر ہو اس کے لیے تب لوگوں پہ ہو کچھ اس کا اثر

قرآن بناتا ہے عالم ، قرآن بناتا ہے حاکم
قرآن بناتا ہے خادم انسان کا بنا کر ایک رہبر

قرآں میں تجارت کے گر ہیں قرآں میں زراعت کے گر ہیں
قرآن میں ہیں وہ اخلاق کہ ہوں مسحور و مسخر جن و بشر

جو ایک مہینہ اتنا کچھ سرمایۂ انسانیت دے
کمتر ہیں نثار اس پر ہوں اگر ہر سال رموزی لعل و گہر

جشن جمہوریہ ہند

یہ صبح خنک صبح جواں صبح درخشاں　　یہ باد شمال اور یہ شبنم یہ گلستاں
یہ جشن کی تقریب جلوس اور جلسے　　اور جلسوں کے پنڈال کہ شاہوں کے ہوں ایوان
میں بھی ز رہِ شوق چلا دیکھنے جلسہ　　ناگاہ وہ دیکھا کہ نہ تھا جس کا کچھ امکاں
دیکھا کہ پری زاد پری رنگ پری رُخ　　اک حسن جواں سال اک عشرتِ سلطاں
تصویر کے انداز کی اک عمر محبت　　اور غمزہ تو ایسا ہے کہ اک فلسفی حیراں
دلہن سا ہر اک گام پہ شرمیلا وہ انداز　　بے ساختہ دل تھام لے ہر رتبہ کا انساں
جادو کے کمالات کریں جس کی غلامی　　وہ نرگس شہلا کی طرح چشم غزلخواں
گفتار وہ گفتار کہ مسجود سماعت　　رفتار وہ رفتار کہ اک موج گل افشاں
حسن ان پہ سنور جائے بہ اندازہ عروسی　　چاکر سا نظر آنے لگے صدر پرستاں
لیکن یہ عجب بات کہ جب میں نے نظر کی　　دیکھا کہ نگاہوں میں فسردہ ہے اک عنواں
عنوان تھا غم ہجرِ وطن ہجر بردار　　یہ جذبۂ غمناک تھا ان نظروں میں پنہاں
یعنی تھی فسادات کی آفت زدہ لڑکی　　تھی اہل وطن ہی کے مظالم سے یہ گریاں

دنیا میں تھا اک بھائی سو مارا گیا وہ بھی
اب اس کو اگر ہے تو فقط موت کا ارماں

اخبار 'اخلاق' بھوپال

آج دیکھا جریدۂ 'اخلاق'
پڑھتے جاتے تھے مولوی اسحاق
کعبہ کے رُخ پہ ہاتھ اٹھا کے کہا
یہ جریدہ ہو شہرۂ آفاق
جس کو اخبار کا ہنر کہیے
یہ جریدہ ہے اس ہنر ہی میں طاق
جس میں ہو اصل حالتِ مخلوق
اس سے لبریز اس کے ہیں اوراق
قوم کی ذہنی روشنی کے لیے
واقعیت میں ہے یہ اک چقماق
قومی اخلاق میں ہیں جو امراض
ان کا ''اخلاق'' ہی ہے اک تریاق
غرض رکھتا نہیں کسی کی خبر
چھاپ دی اور ہوگیا بے باق
سارے فرقوں کے حق میں لکھتا ہے
چاہتا ہی نہیں کسی میں نفاق
غزلیں وزلیں یہ چھاپتا ہی نہیں
اس میں ہوتا نہیں فراق وراق
مالوہ تک کی ڈٹ کے لکھتا ہے
چھوڑ دیتا ہے چین اور عراق
سادہ اور اصل باتیں لکھتا ہے
فلسفے لکھنے کا نہیں ہے مراق
حق لکھے تو رموزی کا بھائی
ویسے دیکھو تو تو ہے اور نہ تڑاق

ولایتی لڑکیاں اور ہندستانی لڑکے

جرمنی کا پڑ گیا پالا جو نادانوں کے ساتھ　　کھیلنے نکلا ہے ظالم شعلہ سامانوں کے ساتھ

پیرس و لندن کی تہذیبوں کو رنگیں جان کر　　یہ سمجھ بیٹھا کہ لڑنا ہے گلستانوں کے ساتھ

وہ سمجھتا ہی نہ تھا اتنا کہ بم اور توپ پر　　ٹوٹ کر آئیں گے یہ اپنے پرستانوں کے ساتھ

دیکھ لیجے سچ ہی نکلا پیرس و لندن سے آج　　لڑکیاں لڑنے چلیں خونریز ارمانوں کے ساتھ

جرمنی کی فوج سے اب فوج انگلستان کی　　لڑکیاں بھی لڑ رہی ہیں اپنے کپتانوں کے ساتھ

کچھ نہیں تو مردِ میداں ہی کی خدمت کے لیے　　لڑکیاں جاتی ہیں امدادی شفاخانوں کے ساتھ

اللہ اللہ پیرس و لندن میں ایسی لڑکیاں　　یاں بھی آئی تھیں عرب کے کچھ حدی خوانوں کے ساتھ

اک مگر ہندوستاں کے نوجواں ہیں ان دنوں　　شمعِ حسنِ دلربایانہ کے پروانوں کے ساتھ

ان کی ساری آرزو سمٹی ہوئی ہے آج کل　　ریشمی ساڑی کے کچھ چمکیلے دامانوں کے ساتھ

بن سنور کر وجد فرماتے ہیں یہ کچھ شام کو　　ریڈیو کی دل ربا تانوں کے اور گانوں کے ساتھ

یورپی کھیلوں میں اور تفریح گاہوں میں تمھیں　　یوں ملیں گے جیسے دیوانہ ہو دیوانوں کے ساتھ

نام بھی لوں فوج کا تو دم نکل جائے ابھی　　گھر تک اپنے جا نہیں سکتے یہ اوسانوں کے ساتھ

میرے شعروں میں ہے تلواروں کی برش اس لیے　　تربیت میری ہوئی آزاد افغانوں کے ساتھ

اپنی اردو بھول کر یہ اچھی انگریزی پڑھی　　آپ داناؤں میں ہیں اب اور نہ نادانوں کے ساتھ

ایک دن اخبار میں پڑھ لیجیے گا آپ بھی
ہے رموزی جنگ میں اپنے پری خانوں کے ساتھ

منہ کا نہیں نوالا یہ تبت و ہمالہ

بیوی سے خبریں سن کر یہ کہہ رہی تھیں خالہ
منہ کا نہیں نوالہ یہ تبت و ہمالہ
امریکی بوکھلاہٹ اس حال کا سبب ہے
اب دیکھیں کس کے حق میں کیا چیز ہے نوالہ؟
اک سادھو جی کو دیکھا تھی ہاتھ میں چلم اور
اوڑھے ہوئے تھے شاید پیلا سا اک دوشالہ
بولے کہ اے رموزی تو آ کے مجھ سے ملنا
اس دن کہ جب تو دیکھے یورپ کا ہو قبالہ
جاتا رہے گا وہ سب لے گا جو بم سے یورپ
یہ تجربہ ہے پختہ کوئی ہزار سالہ
ہر وقت ٹرٹرائے شوہر جو اپنے گھر میں
اک روز الجھ پڑے گی بیوی بھی لا محالہ

ارشاداتِ رموزی

ہزار شکر ہوا کچھ تو ایشیا آزاد
اسی میں اب بھی مگر ہیں بہت غلام آباد
گرانی کا ہے یہ عالم، شراب ہے نہ کباب
ز فیض و مرحمتِ انقلاب زندہ باد
سہی کہ کوریا کو امریکہ نے بھون دیا
مگر خود امریکہ پہ بھی پڑنے والی ہے افتاد
اب امریکہ میں بھی آئی ہے شدتِ ہٹلر
لہٰذا جرمنی کی طرح ہوگا اب آباد
وہ اس طرح کہ جو مظلوم ہیں وہ مرتے نہیں
ہزار کچھ نہیں فریاد پھر بھی ہے فریاد
یہ بم کے بل پہ ہے جمعیتِ امم کا اثر
وہی صحیح سمجھیے جو اس کا ہو ارشاد
وہ ہاتھ آئے کہ بھاگے حسین محبوبہ
خدا بتائے نہ عاشق کو مجنوں و فرہاد
یہ کہہ رہی تھی دل ہی دل میں بیوی کی غیرت
خسر کے گھر جو رہے وہ بھی ہے کوئی داماد
گزشتہ عہد کے مانند علم و حکمت میں
نہیں ہے کابل و تہران و انقرہ بغداد
ہوں چھیاسی فیصدی جب سامعین ناخواندہ
ملے گی شعر بلاغت کی ان سے کیسے داد
ہر ایک طرح کے ملا رموزی کو ہے خوشی
کہ رامپور سے نکلا جریدۂ ''آزاد''

ہو جائے گا

قحط سے یورپ جو بے تاب وتواں ہو جائے گا
ہر مکان بے امان دارالاماں ہو جائے گا
جن کے ہاں تعمیر جاری ہے بلیکی نفع سے
دیکھ لیجیے گا کھنڈر ان کا مکاں ہو جائے گا
نوجوانوں کا یہ فرقہ فرقہ جوش نعرہ زن
بھک سے اُڑ کر مٹنے والا اک دھواں ہو جائے گا
دبنے والے آج کہ ابھریں گے یہ ہے فلسفہ
آپ کا سوچا ہوا سب رائیگاں ہو جائے گا
امن دشمن جتنے غنڈے ہیں رہیں وہ مطمئن
ڈھیر اک دن ان کا سارا خانداں ہو جائے گا
تیسری جنگ فرنگستان جہاں ہوگی بپا
سر پر اٹھا نفع خوروں کا دہاں ہو جائے گا
تاک رکھا ہے رموزی نے جو حسن شاہ رخ
دیکھیے گا وہ نصیب جاوداں ہو جائے گا

لندن کی ایک خاموش لڑکی

یہ رواجی بوستاں میری نظر میں خار ہے
ہاں مگر اس کی نظر سرمایۂ گلزار ہے

اس کے اس خاموش سے طرزِ نظر میں آج کل
جیسے کچھ کہنے کی اک مجبور سی گفتار ہے

اللہ اللہ ایک دوشیزہ پہ فرقت کا اثر
اس کی اب رفتار تک بیمار سی رفتار ہے

بات کیا ہے عیش کے گھر اور عمر عیش میں
اک پری چہرہ زمانہ بھر سے اب بیزار ہے

اس کے رنگیں قہقہوں تک میں ہے ہلکی سی کسک
یعنی ہنستی تو ہے لیکن دل پہ جیسے بار ہے

اک سہانی سی اُداسی اس کے چہرہ پر غضب
جیسے ہلکی سی شفق میں مطلعِ انوار ہے

اس طرح رہتی ہے گھر میں رات دن کھوئی ہوئی
بے خبر سی ہے مگر گنجینۂ اسرار ہے

اس کا یہ کھویا ہوا انداز مجھ سے کہہ گیا
گھر سے باہر اس کی خاطر بھی کوئی بیمار ہے

دیکھنا نکلی ہے اب بپھری ہوئی اک شیرنی
الاماں ہر ہر قدم کس درجہ اب خونخوار ہے

اب کہاں اس کی نظر میں قید و بند زشت و خوب
اب تو جیسے تیر سا اس کے جگر کے پار ہے

جرمنی فوجوں سے ٹکرائی ہے جا کر دیکھنا
الاماں دوشیزہ کے بھی ہاتھ میں تلوار ہے

جیت کر آئی ہے اب جرمن سے انگلستان میں
اس لیے اب ملک انگلستان کی سالار ہے

یہ وہ اک داغِ محبت اس کے دل میں تھا نہاں
یعنی عشقِ ملک و ملت کی امانت دار ہے

آج ہم آغوش ہے اس سے کہ جس سے عشق تھا
مشکلوں میں دیکھیے لڑکی کا یہ کردار ہے

شمعِ مقصد کے لیے جو ڈٹ گئی پروانہ وار
طلعتِ خورشیدِ خاور ایسی لڑکی پر نثار

عید مبارک

خدا سے عرض ہے اس عید پہ بقلب صمیم
ہر ایک فرقہ پہ فرمائے آج لطف عمیم
دسہرہ کرکے مسلماں منا رہے ہیں یہ عید
ہوں سارے ہندو مسلمان ایک رب کریم
تمام ہند کے تہوار ایک ہوں اک دن
ہوں ایک دوسرے کے واسطے شفیق و رحیم
یہ جس خدا کی نوازش کا شکر کرتے ہو
یہ جس خدا کی نمازوں میں کرتے ہو تکریم
اسی خدا کے ہیں کچھ اور ملک میں بندے
انھیں بھی اپنا سمجھ لیجے از رہِ تعظیم
خدا کرے جو کرم تم پہ تم کرو ان پہ
محال کچھ بھی نہیں ہو اگر مزاج سلیم
کوئی بتائے نہتوں کو مارنے کے لیے
کہیں کے ایک بھی مذہب نے دی کوئی تعلیم؟
بڑھو گلے سے لگاؤ انھیں کہ جو ہیں ضعیف
یہی ہے عید مقدس یہی ہے عید عظیم
یہ گائے بھیڑ کی قربانی کرچکے اب تک
ہو نفس و جذبہ کی قربانی میں بھی اب تعمیم
میں اپنا بکرا بھی تم پر نثار کردیتا
مگر وہ راشننگ آفس کی چارہ میں ترمیم
کی ہے چارہ کی اب اس میں گوشت ہی نہ رہا
بس ایک رسّی ہے گردن میں اور عظام رمیم
ہم آج قحط و بلا میں بھی عید کرکے رہے
کمالِ عقل کا جلسہ مزید کرکے رہے

مناجات نمبر 4

ہم کو اب گیہوں دے یارب اور کافی مال دے
ہند میں جو ہے وہ اب برطانیہ کو کال دے
اور جو آنے کو ہے قحط اور کال اب اس طرف
اُس کو امریکہ کے رُخ پر اے خدا تو ڈال دے
جیسے ہم پر گزرے ہیں اور گزرنے والے ہیں
ویسے ہی برطانیہ و امریکہ کو سال دے
شادیاں کرتا رہوں شاہوں کے کروفر کی میں
اتنا چندہ ہند کا ہر بنیا دے بقال دے
مجھ کو انڈے مرغ دے چاول دے اصلی گھی کے ساتھ
فرقہ بندوں کو خدایا بھُس ملی ہر دال دے
نفع خوروں اور ان کے خاندانوں تک کو تو
زلزلہ دے، آندھی دے، طوفاں دے اور بھونچال دے
جو لڑاتے پھرتے ہیں کمزوروں سے غنڈوں کو اب
ان کو دے افیون کا تو شوق اور فلہال دے
خون پینے کے لیے غنڈوں کو دے بیماریاں
دودھ پینے کے لیے تو مجھ کو بکری لال دے
کل ہوا بدھو سکنڈر آج کوٹھی بن گئی
مجھ کو تو کوٹھی نہ دے، بدھو سے لیکن گال دے
میری خدمات مسلسل کا صلہ تو دے اگر
روپیہ اک بھی نہ دے بس مغربی بنگال دے
میری چاروں بیویوں کو بھی زلطفِ مرحمت!
تبت دے، برما دے اور آسام دے نیپال دے
دے رموزی کو بڑی بندوقیں موٹر اور گاؤں
ان میں تیتر دے، ہرن دے، شیروں کی پھر کھال دے

بارش کا پہلا چھینٹا اور کلی

ہزار شکر کہ بارش لے آئی پھر سے بہار
ملے گا بزدلوں کو اس سے کچھ تو لطف و قرار
مجھے خزاں ہی کی شدت پسند آئی تھی
جلال شعلہ سے رہتا تو تھا میں روز دوچار
جو شدتوں سے مقابل نہ ہو وہ مرد ہی کیا
شکوہ آہن و فولاد مرد کا ہے سنگھار
بہار نرمی کو کچھ اور نرم کرتی ہے
خزاں پہاڑوں کے دل سے نکالتی ہے بخار
بہار آئی تو نازک دلوں کو شاد کرے
پہاڑ پھونک دے جو آگ میں ہوں اس پہ نثار
مگر کلی کو تو گلزار کا ملا ہے مزاج
خنک ہوا بھی ہے اس کے لیے تو جاں بہار
یہ پہلے چھینٹے سے اس طرح سے ہوئی شاداب
کہ مست ہونے لگے جیسے کوئی بادہ گسار
نظر میں اس کی شراب گلاب رنگ کا جوش
مگر کسی کی نظر کے اثر سے سینہ فگار
کمال صبح منور کا بانکپن اس میں
مگر کسی کی جدائی سے قلب زار و نزار
تلاش اس کو ہے اب اک نگاہ والے کی
یہ دل میں کرتی ہی رہتی ہے اس سے قول وقرار

بہار سے نہیں ہوتی ہے دل کی آبادی
کمال عشق کو دل چاہیے ہے فولادی

جنگی افلاس اور فیشن

روپیہ کم ہونے سے فیشن کو ٹھکرایا تو کیا؟
تنگدستی سے اگر کھدّر کا خیال آیا تو کیا؟
سلک کی پتلون جب اس جنگ سے مہنگی ہوئی
اب وطن کا پائجامہ آپ کو بھایا تو کیا؟
کیک ہی کھاتے رہے ملکی پراٹھے چھوڑ کر
اب ڈنر کی میز پر بھی قورمہ کھایا تو کیا؟
پٹرول اب بھی فراہم ہے مگر پیسہ نہیں
اب اگر موٹر میں جانا ترک فرمایا تو کیا؟
کیسا پینا اور پلانا، فیس تک جب ہو گراں
پھر کلب پر ابر گوہر بار تک چھایا تو کیا؟
جب رخِ زیبا نظر آیا نہ مجھ کو آپ کا
اس طرح سے ریڈیو پر آپ نے گایا تو کیا؟
رنگ جب دینے لگا عاشق کی داڑھی پر خضاب
اس سے ملنے کی اگر کوئی خبر لایا تو کیا؟
جنگ کی دھڑکن سے جب دل خود ہی پنکھا بن گیا
اب اگر تیرِ نظر سے اس کو برمایا تو کیا؟
اپنے خط میں تو لکھا تو نے نہ خود اپنا پتہ
اب اگر سی آئی ڈی کی راہ سے پایا تو کیا؟
ناچ گانے میں لٹا کر اب اگر تم نے دیا
میری مسلم لیگ کو تھوڑا سا سرمایا تو کیا؟
جب میں اس سے مل رہا تھا تب تو تھے بیہوش سے
اب اگر کچھ لیڈروں نے مجھ کو بہکایا تو کیا؟

تیغوں کی جھنکاروں کے ساتھ

آ کہ ہے بے تاب تر اک چشمِ تر تیرے لیے کیا کہوں کس حال میں ہے اک نظر تیرے لیے؟
اٹھ، سنور کر رونقیں دے دے پری خانے کو آج منتظر ہیں کب سے اس کے بام و در تیرے لیے
دیکھ تو ہیں چاند کے آغوش میں پھر سے جواں رنگِ گل تیرے لیے، حسنِ سحر تیرے لیے
موجِ گل کی مسکراہٹ لا رہی ہے دیکھ لے میری قدرِ عشق کا اک تاج زر تیرے لیے
مضطرب ہے دیکھنے کو شعرِ ایراں کا حشم لا رہا ہوں شعر میں جو کر و فر تیرے لیے
میرے زورِ شعر سے دنیا کے ہر حصہ میں آج منتظر ہے شہرتِ مہر و قمر تیرے لیے
پوچھ ذراتِ زمیں کی خاموشی سے ایک دن کس قدر بے چین ہے اک رہ گزر تیرے لیے؟
قدرِ دل، قدرِ محبت، قدرِ ایفائے وفا یہ ہے میرے پاس نذرِ مختصر تیرے لیے
جنگِ جرمن کے لیے مردِ سپاہ ہند سن تیغ کی تیزی میں ہے اب اک اثر تیرے لیے
تو حفاظت کر اگر تو مرد ہے اور جوہری آبِ تیغ تیز ہے آبِ گہر تیرے لیے
ڈٹ کے لڑ لندن کی عزت کے لیے اور دیکھ لے قدرداں ہے اک نگاہِ تاجور تیرے لیے
پہلے برٹش کے لیے بمباریوں میں تو بھی لڑ پھر ہے ساری دولتِ فتح و ظفر تیرے لیے
تجھ [illegible] مردانہ جلالت ہے تو اک دن دیکھ لے سرنگوں ہے ہر جلال بحر و بر تیرے لیے
آفتوں سے لڑ، مصیبت میں اکڑ جو مرد ہے دیکھ پھر ہے قدرداں ہر نامور تیرے لیے
دیکھ لے اک شاعرِ عالی نظر بھی ساتھ ہے اب بتا کیا چیز ہے خوف و خطر تیرے لیے؟

حشر جب بھی ہو مرا تو ہو وہ تلواروں کے ساتھ
اور جنازہ ہو مرا تیغوں کی جھنکاروں کے ساتھ

ساون کی پری

اٹھ اے فسردہ مزاج ہندی، پیام صبح شراب آیا
چمن میں جوشِ بہار آیا، مزاجِ حسن گلاب آیا
نگاہ کچھ بھی ملی ہے تجھ کو تو دیکھ ساون کی تازگی سے
نظر کے دوشیزہ بانکپن میں فروغ رنگِ شباب آیا
تو عیش کی موت مر رہا ہے، غضب کا کاہل ہے سو رہا ہے
اگرچہ رگ رگ میں پتے پتے کی لاکھ بار انقلاب آیا
مجھی کو عمر دوام دے کر وہ سونے والوں پہ ہنس رہا تھا
مگر کسی کو نہ رشک آیا نہ اس پہ کچھ پیچ و تاب آیا
دمک اٹھی جب فضا و صحرا تو نور ہی نور وادیوں سے
شکوہ سلطان سے ملتا جلتا جمالِ زیر نقاب آیا
غرور عقل و مزاج نخوت مرے تو نزدیک تک نہیں تھا
وہ آج باتوں ہی باتوں میں جب نظر میں اس کی حجاب آیا
رئیس میخانہ نے پلائی شراب انگور کی ادب سے
مغنی صبح نور و عنبر بھی لے کے چنگ و رباب آیا
وہ گت بجائی کہ عمر پرّان ٹھہر گئی اور وجد میں تھی
اور اس پہ ظالم کو یاد اک اور نغمۂ لاجواب آیا
پھر اس پہ ساون کی اس پری نے ستار پر اک غزل سنائی
میں لوٹ کر اپنے گھر تو آیا مگر بڑا کامیاب آیا

لندن کی پری بد

لندن کی اس پری کی لطافت تو دیکھیے　　لڑنے کو جارہی ہے قیامت تو دیکھیے
میدانِ جنگ میں ہے وطن کے سوال پر　　احساس کی یہ اس کے نزاکت تو دیکھیے
وہ جس نظر میں اس کی محبت کی تھی کشش　　اب اس نظر میں جوش جلالت تو دیکھیے
بم لے کے آسماں پہ گئی ہے زمین سے　　پرواز میں یہ اس کی شجاعت تو دیکھیے
جو تازہ کررہی ہے فتوحات کا جلال　　تیور میں وہ جوان حکایت تو دیکھیے
دن میں ہے اک سپاہی تو ہے شب میں اک نرس　　یہ اس کے حوصلوں کی شرافت تو دیکھیے
مردانِ ست کار سے منہ پھیر کر گئی　　یہ باوقارِ طرزِ شکایت تو دیکھیے
لڑکی ہے اور مردوں پہ اس کی کمانڈ ہے　　اللہ کی یہ اس پہ عنایت تو دیکھیے
پھر ڈٹ گئے ہیں لوٹ کے مردانِ باحیا　　فوجوں میں اس کا زورِ خطابت تو دیکھیے
یہ مر کے جینے والی ہے تاریخ میں مگر　　اس عمر میں یہ اس کی فراست تو دیکھیے
ہندستان میں بھی ہیں کالج کے نوجواں　　اک بار جا کے ان کی لیاقت تو دیکھیے
لڑکوں میں وہ حیا ہے کہ لڑکی لجاتی ہے　　تعلیمِ نو کی ان پہ یہ آفت تو دیکھیے
ریشم کی چلپیوں پہ بھی چلنے میں لچک　　مردانگی سے ان کی بغاوت تو دیکھیے

انگلش میں خالی خولی سی اک قیل وقال ہے
فیشن نہیں ہے مرد کا عقلی زوال ہے

ساقی اور گیہوں جوار

قریب آنے کو فصلِ بہار ہے ساقی
ترے کرم کا بہت انتظار ہے ساقی
میں چاہتا ہوں ضیافت تیری خود اپنے گھر
گراں مگر ابھی گیہوں جوار ہے ساقی
میں ایٹ ہوم اگر دوں تو اصلی چائے کہاں
وہ جس کو چائے کہیں اک غبار ہے ساقی
جو سبزیاں ہیں وہ میوے کے مول ملتی ہیں
وہ لے انھیں کہ جو سرمایہ دار ہے ساقی
تیرے کہے سے اگر دے دے ہم کو ریڈ کراس
تو پھر تو تجھ پہ سبھی کچھ نثار ہے ساقی
تو بھاگتے میں بھی چاہے تو بوتلیں دے دے
میرا مکان سرِ رہ گزار ہے ساقی
وہ تیرا میرے لیے غمزۂ شراب افروز
ذرا تو سوچ کہ کب سے ادھار ہے ساقی
شراب اب نہ رہے گی حرام سن لیجے
جناب قاضی میں خود پیش کار ہے ساقی
شراب خانے کی جانب سے اب الیکشن میں
ٹکٹ بغیر اک امیدوار ہے ساقی
رموزیوں کا ادب کر کہ فلسفی ہیں یہ لوگ
مقام ان کا بہت باوقار ہے ساقی

ترکی زلزلہ

ترکوں کی ہمتوں میں ہے جو شانِ زلزلہ
یوں ان کی سرزمیں میں ہے طوفانِ زلزلہ
جب روس کی زمین لرزتی ہے ترک سے
تو کیا کرے گا ان کا یہ بحرانِ زلزلہ؟
یہ تو زمیں کے ضعف کی ہچکی تھی آخری
مشہور ہو رہی ہے جو ہیجانِ زلزلہ
البتہ غم یہ ہے کہ نہ مرتے جو اس طرح
جرمن سے ڈٹ کے لڑتے یہ قربانِ زلزلہ
ترکوں کا غم نہیں ہے یہ ہے ایشیا کا غم
یہ کہہ رہی ہے صورتِ میدانِ زلزلہ
تہذیب ایشیا کے ہیں یورپ میں پاسبان
یہ زندہ در عذاب سے ترکانِ زلزلہ
بے انتہا غیور ہیں ترکانِ تیغ زن
تم سے نہ کچھ کہیں گے پریشانِ زلزلہ
ہے ایشیائیت تو بڑھے کانگریس بھی
جب ایشیائی بھائی ہیں شیرانِ زلزلہ
بڑھیے مدد کو ورنہ حمیت پہ آپ کی
ایسا نہ ہو کہ ہنس پڑیں ویرانِ زلزلہ
نہرو بڑھیں، ٹیگور اٹھیں، چین کی طرح
پورا کریں یہاں بھی یہ نقصانِ زلزلہ
جب رشتہ ایشیا کا جتایا ہے چین کو
تو ایشیا کے کیا نہیں ترکانِ زلزلہ؟
رفتارِ زلزلہ ہو تمھاری مدد میں بھی
بن جایئے مدد کے لیے جانِ زلزلہ

قحط کا آفتاب کیا کہنا

قحط کا آفتاب کیا کہنا
ساری فصلیں خراب ، کیا کہنا
بندروں کے ہجوم اور ٹڈی
رحمتِ بے حساب، کیا کہنا
رو رہے ہیں غریب اور بیکس
فرقہ بندی عتاب ، کیا کہنا
صرف مسلم کو تاک رکھا ہے
آپ کا انتخاب ، کیا کہنا
اس پہ طالب ہیں لوگ بارش کے
نفرتِ ابرو آب ، کیا کہنا
لوگ کھاتے ہیں خوف اور جب غم
قحط اس کا جواب کیا کہنا
آج کل ہیں وزیر صاحب کے
بدھو بھی ہم رکاب کیا کہنا
جو اڑاتے ہیں رشوتوں سے حضور
وہ ڈنر کے کباب کیا کہنا
بعض مسجد میں "بدو چھاپ امام"
ان کا وعظ اور خطاب کیا کہنا
حج پہ حج بکرے پہ بکرا
ان کا اجر و ثواب کیا کہنا
قحط میں بھی رموزی پہ بھائی
بیوی کا عتاب کیا کہنا

مناجات نمبر 2

سودا جو ملا کرتا تھا کل سستے پہ سستا
ملتا ہے غضب آج وہی مہنگے پہ مہنگا
بندر ہوں زیادہ کہ پڑے قحط زیادہ
ہے تو خدا دے مجھے اب غلّے پہ غلّا
معلوم ہے دنیا کو کہ افغان ہوں یارب
مجھ کو تو کھلا مرغ کا تو قلیہ پہ قلیا
دنیا کو کھلا چاول و بیسن کی کڑی روز
مجھ کو تو کھلا روز بس اب انڈے پہ انڈا
طاؤس لوئے مجھ کو دے اور وہ بھی مسلّم
اوروں کو تو دے چاولوں کا خشکے پہ خشکا
انگریز کو دے آلو ٹماٹر کبھی پالک
مجھ کو ہرن اور تیتروں کا قیمے پہ قیما
دے اٹلی کو لیموں کا اچار اور کبھی پاپڑ
مجھ کو تو کھلا دُنبے کا بس بھیجے پہ بھیجا
مجھ کو تو مسلّم ہی مسلّم دے پرندے
جرمن کو چنے ہی کا تو دے آٹے پہ آٹا
امریکہ کو دے دال، مجھے مچھلی اور اس پر
ہر روز سمندر کا کھلا جھینگے پہ جھینگا
مجھ کو تو کھلا دُنبے کا سر، کھیری و گردے
دے روس کو تو فیرنی و زردے پہ زردا
جو چاہے تو دے جس کو، رموزی کو مگر اب
یخنی کے لیے روز دے تو بکرے پہ بکرا

مناجات نمبر 3

مجھ کو تو روز مرغی کا انڈا کھلائے جا
اوروں کو چاہے سبزی و سبزا کھلائے جا
دالیں تمام دے ترا جی چاہے جس کو روز
مجھ کو تو صبح مرغی کا بچا کھلائے جا
جس کو تو چاہے پوری کچوری دے اور تیل
مجھ کو تو انڈوں والا پراٹھا کھلائے جا
جس کو تو چاہے سوپ ٹماٹر کا دے بہت
مجھ کو لوؤں کی یخنی و قلیا کھلائے جا
درّاج او بٹیر مسلّم دے مجھ کو صبح
اوروں کو ناشتے میں تو دلیا کھلائے جا
مچھلی کا شوربہ مجھے مرغابی کا پلاؤ
اوروں کو لڈو پیڑوں پہ حلوا کھلائے جا
بسکٹ دے کیک اور ڈبل روٹی اور کو
مجھ کو کباب کوفتے قیما کھلائے جا
بیگن کا بھرتا روٹی پہ تو چاہے جس کو دے
مجھ کو جوان و تازہ تو مرغا کھلائے جا
دے جس کو دال بھات تو چاہے مگر مجھے
تازہ زبان و کلّہ و پاچا کھلائے جا
تیتر دے اور بھنے ہوئے طاؤس مجھ کو دے
جس کو تو چاہے پوری و پورا کھلائے جا
یخنی رموزی کے لیے دنبے کی ہو عطا
اوروں کو اپنی ساری تو دنیا کھلائے جا

ہمارے ہند کو ظالم نہ ملکِ چین بنا

ہمارے ہند کو ظالم نہ ملکِ چین بنا
فساد چھوڑ دے کوئی نئی مشین بنا
یہ بوسکی کی قمیص اور کاغذی جوتے
تو خود کو اب تو نہ اتنا کچھ مہین بنا
کریم، لالی، گئی اب تو فاقے کے دن ہیں
تو ان دنوں میں تو خود کو نہ یوں حسین بنا
بنا سکے تو تو فولاد کی کلہاڑی بنا
نہ ہو سکے تو نئی دھات ہی کا ٹین بنا
یہ گاندھی جی ہی کا گاڑھا بنائے گا کب تک
کبھی تو فوج کی وردی کا کوئی زین بنا
رہے گا کمیونسٹ اور سوشلسٹ کب تک
تو اپنے ہند کا خود بھی تو کوئی دین بنا
مجھے تو ہنستا ہی رہنے دے ان فسادوں میں
یہ مولوی کی طرح تو نہ اب متین بنا
یہ لڑکیوں کو بغل تک برہنہ رکھنا کیا
اب ان کے کرتوں کی بھی پوری آستین بنا
مکان چھوڑ کے کب تک بھاگے گا ظالم
ذرا لگام دے تو خود کو کہیں مکین بنا
پیے گا کتنے دنوں اور سوڈا واٹر تو؟
نئے مزے کی تو خود اب سکنج بین بنا
یہ توس، کیک، نہ کھا مکھن اور ملائی سے
جوار کھا کہ مری طرح کا ذہین بنا

سرمایہ داری ہی کا رہا دوست دار روس

دیکھا جناب نے کہ وہ مزدور کار روس
سرمایہ داروں ہی کا رہا دوست دار روس
مزدور کاشت کار کے الفاظ خاص سے
کچھ دن سے ہوگیا تھا بہت باوقار روس
تقسیم پر عوام فلسطین کے خلاف
اب تو ہوا زمانے میں بے اعتبار روس
مزدور بن کے تخت جہانبانی کے لیے
یورپ کے ساتھ خود ہوا سرمایہ دار روس
جن میں نہیں ہے عقل و فراست بحد خاص
ان کے لیے سمجھیے کہ ہے تاجدار روس
لیکن جو جانتے ہیں کہ ہے روس چیز کیا
وہ جانتے ہیں کہ ہے یورپ شعار روس
الفاظ کا طلسم ہے ، مزدور سے کہاں
ہے سامراجیوں ہی کا اک حصہ دار روس
ایک دن ہی ماسکو میں ذرا جا کے دیکھیے
زندہ ملے گا آپ کو مقتول زار روس
اسٹالن اور جتنے ہیں واں مولوٹوف لوگ
کہتے ہیں سب سے زیادہ ہے بااقتدار روس
ہتھیار جب نہ ہوں گے تو اک روس ہی پہ کیا
سر پر رہیں گے آپ کے دو تین چار روس

میں کیا کہوں جناب سے اس انقلاب پر
یورپ ہی پھر سوار ملے گا جناب پر

ہندستان کا پانچواں کالم

بدھو ابھی ایک پیسہ کا اخبار لاتے ہیں   اونچی سی اک دکان پہ اس کو سناتے ہیں
دیوار سے لگے ہوئے کچھ منشی جی سے لوگ   اخبار سنتے سنتے کبھی بھنبھناتے ہیں
مغرور ہو کے پڑھتے ہیں لیکن کہیں کہیں   بدھو خبر سنانے میں غوطے بھی کھاتے ہیں
پڑھنے میں بھاڑ جھونکنے میں فرق ہی نہیں   لقمہ جو دیجیے ان کو تو یہ دندناتے ہیں
جغرافیہ کے علم کی مٹی پلید ہے   یعنی ہر اک مقام کو اُلٹا بتاتے ہیں
جرمن کو یہ سمجھتے ہیں بمبئی کے پاس ہے   گویا یہ خود بھی روز وہاں آتے جاتے ہیں

(۲)

ہیں دفتروں میں بھی کچھ اسی قسم کے وجود   جو جرمنی کی جنگ پہ طرّے لگاتے ہیں
مشکل یہ ہے کہ ان میں ہیں انگریزی داں بھی کچھ   بس اس اکڑ پہ اور بھی یہ ظلم ڈھاتے ہیں
اب کس کی ہے مجال جو خبطی کہے انھیں   حالانکہ خود کو جنگ سے خود دور پاتے ہیں
لیکن یہ اپنی اپنی کلرکی کی میز سے   جرمن کے زور شور کے طوفاں اٹھاتے ہیں
یہ کہتے ہیں کہ ''سنیے مگر کہیے گا نہیں''   اک خاص نکتہ جنگ کا ہم اب بتاتے ہیں
یعنی ہر اک خبر کو سمجھ لو کہ ہے غلط   اخبار اصل جنگ کو اکثر چھپاتے ہیں

(۳)

یہ دفتری تھے اب یہ گھریلو بھی دیکھیے — یعنی جو گھر میں بیٹھ کے خبریں بناتے ہیں
سودا فروش عورتیں اور گھر کی بیبیاں — یہ وہ ہیں جن کے سامنے سب گھاس کھاتے ہیں
کچھ گھر کے مرد اور محلے کے بے وقوف — ان سادہ عورتوں کو بہت کچھ ڈراتے ہیں
چوڑی فروش، گوٹہ فروش عورتوں کے گھر — گویا کہ جرمنی ہی سے تار آتے جاتے ہیں
یہ جرمنی کے زور پہ وہ وہ سناتی ہیں — گویا وزیر جنگ ہی ان کو بتاتے ہیں

(۴)

کچھ ریڈیو کے ایسے بھی مارے ہوئے سے ہیں — برطانیہ پہ جیسے یہی بم گراتے ہیں
اب عمر بھر میں ان کو ملا ہے جو ریڈیو — نادیدہ پن سے اس پہ بہت مسکراتے ہیں
جیسے کہ ریڈیو بھی ہے الہام سا پیام — اس واسطے یہ عید سی ہر شب مناتے ہیں
میں کیا کہوں کہ خبروں پہ کچھ ریڈیو زدہ — جو جاہلانہ حاشیے اکثر چڑھاتے ہیں

(۵)

کچھ اور اونچے ہیں مگر ایسی ہی عقل کے — جو جرمنی کی جیت پہ بازی لگاتے ہیں
انگلش میں کرتے رہتے ہیں تعریف جرمنی — اور اس کا رعب جنگ دلوں میں بٹھاتے ہیں
جبریل کے قریب سمجھتے ہیں خود کو یہ — یوں آسمان سے بھی کچھ اونچی اُڑاتے ہیں
یورپ کے اول فول سفر پر یہ خود کو آج — جرمن کے جنرلوں سے بھی اونچا دکھاتے ہیں
ہر اک خبر پہ اپنے سفر کے بھی واقعات — بے پوچھے سامعین کو خود ہی سناتے ہیں
بزدل مگر ہیں اتنے کہ بیوی کے سامنے — برطانیہ کے نام سے بھی ہچکچاتے ہیں
ہر صوبے میں ہیں ہند کے اس طرح کے وجود — جو چھپ کے جرمنی ہی کے اب گیت گاتے ہیں
یہ اصل میں نتیجہ ہے جہل و مراق کا — جو شور جنگ و قتل سے یوں کپکپاتے ہیں
ڈرتے ہیں جہل زادے ہی ہر زور شور سے — اور اپنی طرح دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں

ایسے ہی اصل میں ہیں بڑے ففتھ کالمی!
انساں نہیں ہیں بلکہ ہیں یہ صرف آدمی

بل ڈاگ سے تھا تیرے بڑے ہونے کا وقار

موٹر بغیر چل نہیں سکتا تھا اک قدم
بیوی کی تھی علاحدہ ، تیری الگ تھی کار
انگریزی کھانے آتے تھے پک پک کے میز پر
اور خوان میں جو کھاتے تھے گویا تھے وہ گنوار
اردو کو تو سمجھتا تھا دیہات کی زبان
انگریزی میں اکڑ کے تو ہوتا تھا لیکچرار
تو فلم و ریڈیو سمجھتا تھا درس گاہ
اور مدرسوں کو جانتا تھا جہل کے مزار
ہم تیری کوٹھے بنگلے پہ جانے سے ڈرتے تھے
بل ڈاگ سے تھا تیرے بڑے ہونے کا وقار
انگریز سے چمٹ گیا والد کو چھوڑ کر
تجھ سے تو کیا وہ ہندی سے ہو گیا فرار
تو اب بھی چاہتا ہے کہ انگریز ہی بچائے
قدرت کا فیصلہ ہے کہ تو کھائے جا مار
جب دوسروں کو تو نے بنایا تھا خضرِ راہ
اب دیکھ ساری عمر تو کر رہے گا آہ

روشن خیال بن کے ہوا تو شراب خوار!

پندرہ اگست سے یہ ہوا عالم آشکار
قدرت بھی اب دکھائے گی کچھ اپنا اقتدار
بی۔ اے میں محو تھا تجھے معلوم ہی نہ تھا
کیا کر رہا ہے تیرے لیے نظم روزگار
تو نے کہا تھا مولوی تو شام طبع ہے
روشن خیال بن کے ہوا تو شراب خوار
تو بینک اور سود کو سمجھا تھا عقل خاص
یورپ کے مول تول سے کرتا تھا کاروبار
عورت سے کہہ چکا تھا کہ برقعہ اتار دے
گھوڑے پہ بھی سوار ہو موٹر پہ بھی سوار
سمجھے ہوئے تھا بی۔ اے کے انگریزی زور میں
ذہی ستودہ کار ہے ہم سب ہیں ہرزہ کار

خون کے میدان!

دیکھ میرے شعر میں دوشیزہ افسانوں کا رنگ　　حسن کی عمرِ جواں کے مست طوفانوں کا رنگ
دیکھ، تجھ کو دیکھنا آئے اگر از راہِ عشق　　مطمئن نظروں میں کچھ بیتاب ارمانوں کا رنگ
ہوش اگر کھوئے نہیں ہیں عشق میں تو دیکھ لے　　روٹھنے والی نظر میں ہے پری خانوں کا رنگ
عشق ہی سمجھا سکا اس رمز کو، یعنی تیرے　　اس سے نہ ملنے ہی میں ہے، ملنے کے امکانوں کا رنگ
روٹھ کر جب مسکرائی وہ شراب آرا نظر　　جگمگا اٹھا تھا میخانوں میں پیمانوں کا رنگ
آ سجاؤں یوں ترے حسنِ غزل افروز کو　　جس سے پھیکا ہی نظر آئے پرستانوں کا رنگ
رنگِ گل رنگِ شراب و شعرِ رنگیں دیکھ کر　　اب ذرا چل دیکھ کچھ خوں ریز میدانوں کا رنگ
جرمنی کے سائنٹفک جانور کچھ ہو کے مست　　دے رہے ہیں بستیوں کو آج ویرانوں کا رنگ
اک فقط سائنس کے بل پر نکھرتا دیکھ لے　　جرمنی کے سارے فرزانوں میں دیوانوں کا رنگ
ہمتِ مردانہ لے مجھ سے اگر ہے کچھ جھجک　　اور دکھا ہٹلر کو کچھ خونخوار انسانوں کا رنگ
ڈٹ کے لڑ انگریز کی جانب سے ہے تو مرد اگر　　اور دکھا ہندستان کے شعلہ سامانوں کا رنگ
مردِ ہندوستاں ترے احساں ہیں اوروں پر مگر　　اب دکھا جرمن کو کچھ تیغوں کے احسانوں کا رنگ
تیرے بھائی کٹ رہے ہیں جرمنی کے ہاتھ سے　　اور تجھ میں آج بھی اس درجہ بیگانوں کا رنگ؟

میری شعریت کی سیرت دیکھنا چاہے اگر
شعر کے کردار تک میں دیکھ خاقانوں کا رنگ

پابندی سے پڑھیے تو ذرا آپ 'خلافت'

پابندی سے پڑھیے تو ذرا آپ خلافت
ہر چال کی دکھاؤں گا میں ہر خفیہ کرامت
حضرت کی کرامت ہی سے دنیا ہے دو ٹکڑے
اب دیکھیے دنیا پہ جو ہو اور عنایت
اک وقت تھا یہ روس کے عاشق تھے مگر اب
ایسے ہیں کہ اُس سے ہے نہ صاحب نہ سلامت
اخلاق اگر ایسے ہی ہم لوگوں کے ہوں آج
تب ہم بھی زمانے کے لیے ہوں گے ہدایت
دو پیسہ حجامت کی یہ ہے حد ترقی
اک روپیہ چار آنے میں بنتی ہے حجامت
کل تک تو لفافے کی طرح دُبلا تھا خوشیا
اب کالے منافع کی ذرا دیکھو ضخامت
ہر صبح ہے یورپ میں نئی سوجھ نئی بوجھ
ایجاد پہ ایجاد فراست پہ فراست
کس طرح فسادات نہ ہوں ہم بھی کبھی
اتنی بھی نہ سوجھی یہ ہماری ہے لیاقت
ہم اب بھی رموزی نہیں معلوم کہ کیا ہیں
اس عہد میں بھی قوم کی اللہ یہ حالت

اخبار 'آغاز' رامپور

نکلا ہے جب جریدۂ 'آغاز' رامپور
اک دن دکھا ہی دے گا یہ اعجاز رامپور
گیہوں نہیں، جوار نہیں جس زمانے میں
اتنا ہی کم ہے کیا کہ ہے دمساز رامپور
پہنچا رہا ہے سارے زمانے میں واقعات
اتنا تو ہے کہ ہے تو ہوا باز رامپور
لے ہی اڑے گا جیسے بھی ہوگا جو زندہ ہے
چھپ تو نہیں سکے گا کوئی راز رامپور
'آغاز' ہی تو وہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے
کچھ دور کے بھی سنتے ہیں آواز رامپور
کیجیے تو اس کے بازوؤں کو آپ بھی قوی
پھر خود ہی دیکھ لیجیے گا پرواز رامپور
کھیتی، تجارت اور ہنرمندیوں میں بھی
ہر رامپوری ہو کے رہے ناز رامپور
چنداں کہ خاک را بود و بادر ابقا
اللہ کرے رہے یہ سرافراز رامپور
شوقین ہے رموزی پرندوں کا اس لیے
کوئی شکاری بھیج دے اک قاز رامپور

پڑھو 'نظام' بہت

پڑھو گے آپ اگر آج سے 'نظام' بہت
چلیں گے آپ کے دنیا میں، دیں میں کام بہت
ابھی تو لیگ نے پہلا قدم اٹھایا ہے
مگر ہیں منزلِ مقصود تک مقام بہت
یہ یاد رکھیے کہ ہیں لیگ میں خواص ہی کم
اگرچہ دیکھنے میں ساتھ ہیں عوام بہت
نہیں ہے فائدہ اس سے کہ مقتدی ہیں کثیر
مزا تو جب ہے کہ مسجد میں ہوں امام بہت
اگر دیں چندہ بھی اصغر علی محمد علی
تو لیگ والے بھی لیں ان کا پھر قوام بہت
اب اتنی ہی ہمیں دیجے دعا بھی آپ ہی آپ
حضور عالی کو ہم کرچکے سلام بہت
جب 'الہلال' نہیں اور وہ رنگِ دین نہیں
میں کیا کروں جو اگر ہیں ابوالکلام بہت
نکاح کیسے کروں بی۔ اے پاس لڑکی سے
وہ خرچ کرتی ہے فیشن پہ اپنے دام بہت
اگر دماغ شہانہ جواں ہے یورپ کا
تو ایشیا میں ہیں اس کے لیے غلام بہت
غریب بدھو کی لڑکی جو فلم میں ناچی
تو آرہے ہیں رئیسوں کے اب پیام بہت
کراچی والوں میں ملّا رموزیوں کے لیے
سنا ہے گھی تو نہیں ہے مگر ہیں آم بہت

جریدہ 'اہل حدیث' ملا رموزی کی نظر میں

خوشا کہ آج ملا پھر پیام ''اہل حدیث''
بلند پہلے سے بھی ہے مقام ''اہل حدیث''
ہزار درجہ ضروری ہے مومنوں کے لیے
پیام اہل حدیث و سلام ''اہل حدیث''
نظامِ حکمت، دانش سمجھ سکے جو کوئی
تو دیکھے وہ بھی پڑھ کر نظام ''اہلِ حدیث''
نکات حکمت جاوید چاہتے ہیں اگر
تو پڑھتے رہیے ہمیشہ کلام ''اہل حدیث''
لیے ہوئے جو جرعات کوثر و تسنیم
ہے اہلِ ذوق کے حق میں وہ جام ''اہلِ حدیث''
پیامِ حکمت طیبہ جگہ جگہ پہنچے
اسی کے واسطے ہے صبح و شام ''اہلِ حدیث''
وہ جس کو صاحبِ بطحا سے ہے کوئی نسبت
وہ ذوق و شوق سے ہوگا غلام ''اہلِ حدیث''
مجھے تو مہبط جبریل کی محبت سے
پسند پختہ بھی ہے اور خام ''اہلِ حدیث''
شریکِ مجلسِ اہلِ حدیث ہو کے بہ شوق
پسند اپنے لیے کیجیے نام ''اہلِ حدیث''
ہے اس میں دین بھی دنیا بھی ان عناصر سے
کیا گیا ہے مرکب قوام ''اہلِ حدیث''
میں چاہتا ہوں رموزی پیامِ حق کے لیے
قیام ''اہلِ حدیث'' و دوام ''اہلِ حدیث''

ہوا بمبئی سے جاری شکر کیجیے یومیہ 'مشعل'

ہوا بمبئی سے جاری شکر کیجیے یومیہ 'مشعل'
اور ایسے وقت میں جب تن رہے ہیں سیٹھ بدھول
ذرا پڑھتے تو رہیے دام دے کر اس جریدے کو
مرا مضمون بھی شائع ہو اس میں آج یا پھر کل
اقلیت کو دھمکانے ڈرانے کے لیے دیکھو
مقام سندھ کے شرنارتھی بھائی کے کس اور بل
مسلمانوں کے بزدل دل کا یہ عالم بھی دیکھو تو
ہر اک دھمکانے والی پارٹی کے پیچھے ہیں کوئل
فقط میری بنانے پر گزرتے ہیں جو بھائی
کبھی تو بیوقوفوں کے لیے بیچیں وہ کچھ کاجل
خدا کے واسطے کھاتے رہو سردی میں دل گردے
ذرا تو چھوڑ دو بیسن کی ٹکیاں بھنڈی اور پرول
فقط کوٹ اور پتلون اور نکٹائی کے اندر ہیں
ہزاروں لاکھوں بدقوے کمینے پست اور ارذل
اس آزادی سے کم ظرف کچھ اتنے بھی اکڑتے ہیں
کہ جو دیکھے وہ کہہ دے دور ہی سے ہیں تو یہ پاگل
مکرجی کے دھماکے دیکھنا اور تارا سنگھوں کے
حکومت کو الٹنے کے لیے پی پی کے گنگا جل
گرانی بڑھ کے قحط اور کال کی بن جائے گی پھوپی
بنیں گے فاقہ کش لوگوں کے حق میں روئی کے منقل
الیکشن کے نتائج پر پڑھے گا فاتحہ برٹش
بہت کچھ تالیاں پیٹیں گے اٹھ اٹھ کر میاں چرچل
رموزی مشرق وسطی کا مرد کاہل و غافل
کبھی بھی بن نہیں سکتا ہے روم و شام کا ہرقل

افکار

اک رسالے سے ہوگیا اخبار
یہ ہے اعلیٰ صحافتی کردار
علم والوں کی چیز ہے اخبار
اس کو سمجھے ہوئے ہیں کاروبار
آج کی صبح ہے تو صبحِ امید
جس نے بخشا جریدۂ ''افکار''
وسط ہندستان کا مخلص
خدمتِ خلق کا علمبردار

از دعائے رموزی اس کو ملے
عمر خضر و مقامِ حکمت کار

مسٹر چرچل اور ہندستانی

چرچل کے حوصلے پہ پرستاں نثار ہے　　طوفان مرگ میں بھی بڑا باوقار ہے
یہ ہے اُس اصل ہمتِ شاہانہ کی ادا　　جس کی غلام گردش لیل و نہار ہے
پولینڈ اور فرانس سے دمساز مٹ گئے　　چرچل مگر وہی ہے ، وہی اقتدار ہے
مانا کہ بجلیوں کی لپک آس پاس ہے　　لیکن یہ دیکھیے کہ نظر برقرار ہے
جو کہہ کے گھر سے نکلا ہے میدانِ جنگ میں　　اب تک وہی زباں پہ ہے اور بار بار ہے
اس کے جلال و عزم سے اک جوش قتل و جنگ　　لندن کی لڑکیوں میں بھی مردانہ وار ہے
اب اک نگاہ ڈالیے ہندستان پر　　شیروں کی ہمتوں کا جو آئینہ دار ہے
لیکن اب اس کے پاس ہیں بی۔اے کی ڈگریاں　　اور قیمتی لباس کا یہ خواستگار ہے
یورپ کا سوٹ بوٹ ہے یورپ کی نازکی　　یہ نوجوان ہند کا اعلیٰ شعار ہے
یاں اونچی ایڑی پر ہے قدم واں رکاب پر　　واں جنگ ہو رہی ہے یہاں خلفشار ہے
واں خرچ ہو رہا ہے ہوائی جہاز پر　　یاں خرچ کے عوض سنیما کا اُدھار ہے
واں لڑکی میں ہے جنگ کو جانے کی آرزو　　یا فلم دیکھنے کے لیے بے قرار ہے
واں جنگ دیکھنے سے ہے ہمت بلند تر　　یاں ریڈیو کی خبروں سے اک انتشار ہے
واں گولہ باری میں بھی تبسم کی موج ہے　　یاں تذکرہ سے جنگ کے اک اضطرار ہے
یہ پھل ملا جناب کو بی۔اے کے فیض سے　　اب وقت ہی کہاں ہے جو کچھ انتظار ہے
مردانہ غیرتیں ہیں تو چرچل کا ساتھ دو　　ورنہ تمھارے واسطے دیسی مزار ہے

میداں میں ڈٹ گیا ہے جو وہ بادشاہ ہے
جو گھر میں ڈر رہا ہے وہ بیوہ کی آہ ہے

جرمن اور فتح روستاف

ہٹلر کی ہر شکست جو بالکل ہی صاف ہے
برلن کے ریڈیو کو بھی اب اعتراف ہے
جو ٹینک اور صدقے کے بکروں سے تھا جواں
کھانسی میں مبتلا وہ خروش مصاف ہے
دعوے جو کر رہے تھے فتوحات روس کے
چاٹنے پڑے تو ان سے بھی اب انحراف ہے
جو روز روز ڈالتے تھے ہر محاذ میں
اب وہ دراڑ اور نہ کوئی شگاف ہے
لے کر گئے تھے چندہ سے سردی کے واسطے
بھاگے تو چسٹر ہے نہ تن پر لحاف ہے
فدوی بنے ہوئے ہیں میاں گوئے بلز تک
اب ریڈیو پہ جوش نہ لاف و گزاف ہے
منہ دھو کے آیئے یہ کہا لال پریوں نے
برلن نہیں یہ آپ کا یہ کوہ قاف ہے

یاں دلدلیں ہیں جادو کی اس واسطے جناب
جو بھی بڑھا وہ غرق معاً تابہ ناف ہے
ہٹلر کے حق میں جنگ سے بہتر ہے جو وہ اب
تسبیح و خانقاہ ہے اور اعتکاف ہے
جائز ہے مجھ کو یہ کہ کروں پانچواں نکاح
قبضے میں خار کاف اور اب روستاف ہے
گپو چچانے قافیے سن کر کہا کہ تو
سر کاٹ لے کسی کا تو یہ بھی معاف ہے
پوری ہوئیں جو جنگ کی پیشین گوئیاں
پھر سے جوان مقدرت انکشاف ہے

چانڈونوش اور جنگ جرمنی

چانڈو کا دم لگا کے کبھی گنگناتے ہیں   پھر اوندھی سیدھی جنگ کی خبریں سناتے ہیں
جب نشہ کی ترنگ جوانی کے ہو قریب   ہوٹل میں چائے پینے کو تشریف لاتے ہیں
ہر شہر کے غریب سے ہوٹل میں رات دن   یہ چینیوں کے ماموں بہت پائے جاتے ہیں
بیٹھے ہوں یہ چٹائی پہ یا کرسیوں پہ ہوں   نشہ کے بیش و کم سے یہ کچھ ڈگمگاتے ہیں
گردن جھکا کے بیٹھے ہوں جو اور چانڈونوش   ان سے نظر ملاتے ہیں اور رنج مچاتے ہیں
جلسہ ہو مکھیوں کا پیالی پہ چائے کی   تو جنگ کی خبر پہ یہ کچھ بھن بھناتے ہیں
گھڑ گھڑ کے کچھ سناتے ہیں اور اونگھ اونگھ کر   اخبار لکھنے والوں کو جھوٹا بتاتے ہیں
وہ کہتے ہیں جو آئے سمجھ میں نہ عمر بھر   اور اس پہ کھانس کھانس کے خود مسکراتے ہیں
اس مسکرانے کے ہیں یہ معنی کہ آج کل   خبریں جو بھیجتے ہیں وہ سب گھاس کھاتے ہیں
برطانیہ سے لے بہ اقلیم و روم و شام   سارے مدبروں کو یہ جاہل بتاتے ہیں
جو غرق کردے بیڑہ وہ دیتے ہیں رائے یہ   اور ایسے ہی احمق کی دلیلیں بھی لاتے ہیں
ہر چانڈونوش جیسے ہے خود ایک ریڈیو   اور رائٹر کو تو یہی املا لکھاتے ہیں
اک آسمان کی ہے تو آدھی زمین کی   یوں ہوٹلوں میں بیٹھ کے یہ سنسناتے ہیں
یہ بحث جنگ و قتل یہ چانڈو کے زور سے   اک اک پیالی رکھتے ہیں اک اک اٹھاتے ہیں
ہیں ان میں بعض قطب تو ہیں بعض اولیا   یوں جرمنی میں جاتے ہیں اور لوٹ آتے ہیں
ہوتے ہیں بعض صدر مقامات علم بھی   جو اول فول جنگ کی خبریں سناتے ہیں

جس کا نبی نہیں، یہ اُس امت کے لوگ ہیں
ہندستان میں چین کی قسمت کے لوگ ہیں

کلامِ رموزی

مجھ سے جو پالیا ذرا حسن کو ساز گار پھر
قدموں میں میرے آگئی عشرت روزگار پھر
اس طرح پارہا ہوں میں دل میں اک اضطراب پھر
جیسے کہ میرے واسطے کوئی ہو بے قرار پھر
مجھ سے یہ کہہ رہی تھی وہ شوکتِ تاجدار پھر
کاش تجھے مرے ہی ساتھ عشق ہو ایک بار پھر
بات یہ کیا کہ دے گئی عشق سے میری عمر کو
رغبت بادہ خوار پھر، فرصت بادہ خوار پھر
بابِ شراب خانہ ہے بابِ ارم بنا ہوا
ابرِ بہار بھی ہے اور جمع ہیں میگسار پھر
جب کوئی آئے گا نہیں تو مجھے یہ بتایئے
دیدۂ و دل ہیں منتظر کیوں سر رہ گزار پھر

کلامِ رموزی

تری جانب نگاہِ عشق اگر آئی ہوئی سی ہے
نگاہِ حسن کو بھی دیکھ للچائی ہوئی سی ہے

زمانِ ہجر کو میں یاد کر کے یہ بھی کہتا ہوں
یہ ساون کی گھٹا تو میری برسائی ہوئی سی ہے

بڑا کم ظرف ہے حالانکہ خود ہے پیرِ میخانہ
مگر اس کی طبیعت اب بھی ترسائی ہوئی سی ہے

شرابیں بھر رہی ہیں اُس کی رگ رگ میں جوانی کی
رگِ گل کو کہوں کیا خود وہ گھبرا ہوئی سی ہے

خمارِ عشق ہے یا قدر دانی ہی سہی تیری
مگر اک چیز ہے جو دل پہ اب چھائی ہوئی سی ہے

یہی تو ہے جو اس کی چال تک پر جان دیتا ہوں
خود اٹھلاتی نہیں ہے، پھر بھی اٹھلائی ہوئی سی ہے

سمجھ لے کامیاب عشق اب تو ہونے والا ہے
اگر دیکھے نگاہِ حسن شرمائی ہوئی سی ہے

ہزاروں حاسدوں پر بھی کوئی رنگیں اثر تو ہے
رموزی کی طبیعت بھی جو اترائی ہوئی سی ہے

کلامِ رموزی

آیا ہے بہاروں کا ، گلستاں کا زمانہ
یعنی ترے اقرار کا پیاں کا زمانہ
وہ میرے یہاں اک شبِ ہجراں کا زمانہ
اور اس کے یہاں گریۂ پنہاں کا زمانہ
ملنے کے اشارے تو ہیں گو مل نہیں سکتے
رنگین ہے یوں صبر گریزاں کا زمانہ
مسحور و مسخر ہے دوعالم کی جلالت
اللہ ترے جادوئے مژگاں کا زمانہ
کیا کہیے کہ رہتا ہے وہاں وقتِ شکایت
آنکھوں میں اک اُمنڈے ہوئے طوفاں کا زمانہ
اللہ جوانی بھی ہے بیار غضب ہے
اک حسن پہ اور گردشِ گرداں کا زمانہ؟
طوفانِ جوانی ہے وہاں اور شرابیں
خطرہ سے قریں ہے مرے ایماں کا زمانہ
ارمان کی طاقت سے خبردار ہو واعظ
تہذیب کی قیدوں میں اور ارماں کا زمانہ؟
یہ کس کو خبر ہے کہ مرے گھر میں کٹا ہے
اس عشق میں اک طلعتِ سلطاں کا زمانہ
یہ اُس کی اداسی تو نہ تھی آج رموزی
گلزار میں دیکھا ہے بیاباں کا زمانہ؟

کلامِ رموزی

عجب کہ میکش غلام ساقی، غلام پیمانہ ہوگیا ہے
مگر مرا حسنِ میکشی خود، رئیسِ میخانہ ہوگیا ہے
نہ ناز برداریوں کا میری سلیقۂ رنگ رنگ دیکھو
کہ حسن کا اب قدم قدم پر مزاج شاہانہ ہوگیا ہے
مری ہی اب ہو کے رہ گئی صبح گوہریں شامِ عنبریں تک
جمالِ مہر و قمر جو مل کر جمالِ جانانہ ہوگیا ہے
حسد کی کم ظرف آنکھ دیکھے مری محبت کا یہ کرشمہ
مرے لیے ایک حسنِ شاہانہ کتنا دیوانہ ہوگیا ہے
سہی کہ پروانہ جل گیا ہے مگر ذرا غور سے یہ دیکھو
کہ عکسِ شمع جواں نثارِ وفائے پروانہ ہوگیا ہے
اب اس سے زائد کہوں میں کیسے کہ چند گلزار زادیوں سے
اک اتنی رنگیں لگن لگی ہے کہ دل پری خانہ ہوگیا ہے
مرے یہاں اس کے آنے جانے سے مجھ کو یہ فخر ہے رموزیؔ
کہ قصرِ سلطاں سے کتنا ہم رتبہ میرا کاشانہ ہوگیا ہے

ختم ہونے دیجیے ہندی انتخاب

ختم ہونے دیجے ہندی انتخاب
آفتیں آئیں گی سر پر بے حساب
سر پھٹول، مار دھاڑ اور لوٹ مار
روز مرہ ہی کا ہوگا یہ عذاب
دودھ سی کھادی کے افسر آئیں گے
ان کے صدقے دیکھنا تو انقلاب
انتخاب ہند میں جو ہار جائیں گے جناب
ملک کے امن واماں کو کر کے رکھ دیں گے خراب
کانگریس یا ہو وہ پھر ہندو سبھا
کامیابی پر بڑھے گا اضطراب
فرقہ بندی صوبہ بندی ہوگی اور
کم اثر ہوجائیں گے خانہ خراب
سندھ کے شرنارتھی بڑھ جائیں گے
اور بے چارے نہ ہوں گے کامیاب
دیکھنا کسٹوڈین کا پھر کمال
مسجدیں کھودیں گی حق دے گا جواب
ساگ میتھی کا ملے گا تولہ بھر
اصلی گھی تا عمر ہوگا صرف خواب
بھاگ جائیں گے قصائی ہند سے
صرف پاکستان میں دیں گے کباب
امریکہ والے لکھیں گے تبصرے
ہوں گے بس ملا رموزی آب آب

جشنِ آزادیٔ ہندستان

وطن کے جشن پہ سب کاشتکار چندہ دیں
اور ان سے بڑھ کے کہیں سودخوار چندہ دیں

یہ جشن جشن شہانہ ہے ، جشن آزادی
اب اس کے واسطے تو ساہوکار چندہ دیں

اسی حکومتِ ہندستان کے صدقے
جو لکھ پتی ہیں وہ سرمایہ دار چندہ دیں

جو رشوتوں سے ہیں جو کھاتے ہیں حلوے
وطن کے جشن پہ وہ تھانیدار چندہ دیں

جواب بھی پا رہے ہیں فیض سے حکومت سے
وہ سارے ہند کے جاگیر دار چندہ دیں

جو ٹھیکیداری سے چرچل کی طرح ہیں موٹے
وہ جشن ہند پہ اب بار بار چندہ دیں

جو لیڈری سے وزارت کے ہیں جواں اب بھی
وہ بوڑھی عمر کے ذی اقتدار چندہ دیں

کما رہے ہیں جو شرنارتھی کے ناموں سے
بڑھیں اور آج وہ خود سو ہزار چندہ دیں

ممانعت پہ حکومت کے بھی جو پیتے ہیں
رئیس شان کے وہ بادہ خوار چندہ دیں

جو کھائے بیٹھے ہیں چوری سے آج انکم ٹیکس
وطن کے نام پہ وہ سرقہ کار چندہ دیں

وہ جو ہزاروں کماتے ہیں فلم سے شب و روز
وہ جشن کے لیے بھی ہفتہ وار چندہ دیں

جو ہوٹلوں میں مرغن اڑاتے ہیں ڈٹ کر
غریب اور بے روزگار چندہ دیں

رہے غریب رموزی تو ان سے کہتا ہوں
نہ ہو تو لے کے کہیں سے اُدھار چندہ دیں

5/اگست 1939ء کی صبح کو

بستر سے اٹھتے ہی مجھے پھر یاد آگئی ۔۔۔ یعنی کسی کی یاد مجھے گدگدا گئی
میں چل پڑا اسی کا تصور لیے ہوئے ۔۔۔ بےخودی ایک دھن تھی جو دل میں سما گئی
داخل ہوا میں اس کی حسیں سیر گاہ میں ۔۔۔ ساون کی اک گھٹا تھی جو مطلع پہ چھا گئی
اس ساونی فضا سے کہ اس صبح مست سے ۔۔۔ وہ موج آئی جس سے ہوا سنسنا گئی
یہ اتحاد دیکھیے دونوں کے وقت کا ۔۔۔ داخل ہوا جو میں تو اُدھر سے وہ آگئی
یہ کیا کہ اس کے چہرہ پہ اپنی ہر اک نگاہ ۔۔۔ میں نے جمائی اور وہ پھر لڑکھڑا گئی
وہ میرے سامنے تھی کہ میں اس کے سامنے ۔۔۔ بس اتنا ہوش ہے کہ زمیں تھرتھرا گئی
اس طرح پارہا تھا میں اس کی نظر کو بھی ۔۔۔ جیسے وہ مجھ کو دیکھ کے ایک چوٹ کھا گئی
مشکل سے میں نے ہاتھ اٹھایا سلام کو ۔۔۔ بے ساختہ جواب میں وہ مسکرا گئی
بے ہوش تھا کہ ہوش میں تھا یاد ہی نہیں ۔۔۔ اک رس بھری سی برق وہ مجھ پر گرا گئی
یعنی وہ ایک ثروت صبح شباب ۔۔۔ جو مسکرا کے دل کو میرے جگمگا گئی
اللہ اس تبسم روشن سے آج وہ ۔۔۔ اک دولت جواں تھی جو مجھ پر لٹا گئی
یعنی وہ ہے رموزیؔ عالی نگاہ کی ۔۔۔ ان مسکراہٹوں سے یہ مژدہ سنا گئی

یہ جان اس نگاہِ مروت کے واسطے
جو اتنی مہرباں ہو محبت کے واسطے

چرچل اب بھی بنا ہوا ہے متین

امریکہ اور گھٹنے کو ہے چین
اس میں پالیسی ہے بہت ہی مہین
امریکہ چیختا ہے چین آیا
چرچل اب بھی بنا ہوا ہے متین
اس کی چپ سے خدا بچائے حضور
اس کو سمجھو نہ تم متین وتین
مجھ کو ڈر ہے کہ خیر خواہی سے
یہ نہ بجوادے امریکہ کا ٹین
سارے کمزوروں کی مدد کیجیے
سوچو تو چال کس قدر ہے حسین
آپ چاہیں کہ گھر رہے محفوظ
امریکن سولجر کو دیجیے زمین
قبضہ کرتے ہیں کچھ دنوں کے لیے
یورپی لوگ کس قدر ہیں امین؟
میٹرک پاس بیوی بھی توبہ
سبز رنگت کو کہہ رہی تھی گرین
ان کو ملتی ہے دولتِ دنیا
ہو غلط جن کا دال، ذال اور شین
جب سے یورپ کے لوگ بھاگ گئے
چین میں اب افیم اور نہ کوکین
کام لیتی ہیں بیویاں اتنا
موٹریں چاہیے ہیں مجھ کو دو تین
اصل محتاج ہیں رموزی وہ
جن کے گھر میں نہ فلسفہ ہے نہ دین

محافظ اسٹالن گراڈ

روس کے مردِ مجاہد روس کے مردِ جوان
کاش ہو منسوب تجھ سے میری نظمِ شائیگاں
مشتری کے حسن سے اونچی میری اک ہے غزل
تو اگر سن لے تو میں پاؤں حیاتِ جاوداں
میں ادا و غمزۂ دوشیزہ کا عاشق نہیں
خود جلالِ برق ہوں اور اعتبارِ آسمان
سن کہ تجھ میں ہمتِ فولاد فطرت ہے جو آج
اس نے تجھ کو کر دیا ہمسایہ صاحب قران
تیری خون آلودہ زلفوں کے لیے اب تا ابد
رنگ دے گی شاخِ مرجاں اور شاخِ گل فشاں
تیری پرشوکت جبیں کی تابشوں کے واسطے
فخر سے آتا رہے گا نورِ حسنِ کہکشاں
رہتی دنیا تک بڑھائے گا ترا خونِ وفا
نخوتِ رنگِ شفق جوشِ غرورِ ارغوان
آج سے رنگین اور چٹکی ہوئی کلیوں کا جوش
لائے گا تیرے چڑھاوے کے لیے ہر باغباں
جا معزز ہو کے اب تاریخ کے آغوش میں
چھوڑ جانسلوں کی خاطر اک منور داستاں
تجھ سے کچھ کہتا نہیں لیکن ہے اتنی آرزو
تیری ہمت کی طرح ہو ہمتِ ہندوستاں

تلواروں کے نام

ہدیۂ ساون ''مرا دوشیزہ وگفتاروں'' کے نام لغزشِ ذوقِ لطافت مست رفتاروں کے نام

یہ شرابوں سی غزل دنیا کے میخواروں کے نام اور دعائے مرحمت سارے سیہ کاروں کے نام

دے رہے ہیں جو مجھے رنگین تر شادابیاں ثروتِ امواجِ شبنم ایسے گلزاروں کے نام

میری فکرِ شاعرانہ کا ہر اک رنگیں اثر جو نگاہوں میں جھجکتے ہیں ان اقراروں کے نام

جو فقط میرے ستانے کو ہیں اور دل سے نہیں ہر وفا اس طرح کے شرمیلے انکاروں کے نام

وہ جو فرقت کی اذیت سہ کے کچھ کہتے نہیں عزم کی ہر تمکنت ایسے دل افگاروں کے نام

وہ جنھیں میری طلب ہے از رو عشق و نظر حسن کی عمرِ جواں ایسے طلبگاروں کے نام

وہ کہ جن پر یاد سے میری ہوئے آنسو رواں تابشِ گوہر کی رونق ایسے رخساروں کے نام

وہ جو میرے عشق میں مٹتے رہے میرے لیے رفعتِ شاہانہ ایسے ناز برداروں کے نام

ہ جنھوں نے عشق میں سب تج دیا میرے لیے دل کی ہر بیدار دولت ایسے دلداروں کے نام

و سپاہی سے بھی آگے بڑھ کے لڑ کر مر گئے احترامِ دل مرا ایسے سپہ داروں کے نام

زمی سے جنگ کو جو ہیں سپاہ ہند میں ساری توقیریں وطن کی ایسی تلواروں کے نام

ہوڑ کر گھر بار جو جرمن سے لڑنے کو گئے اک جلالِ صف شکن ایسے وفاداروں کے نام

بچائے لندن و دہلی کی خاطر مٹ گئے شہرتِ صاحبقراں ایسے فدا کاروں کے نام

محافظ بن رہے ہیں امنِ ہندستان کے اک حیاتِ جاوداں ایسے رضا کاروں کے نام

موت پر راضی ہیں لیکن صلح پر راضی نہیں
ہمتِ کشور کشا لندن کے خودداروں کے نام

چھوٹی بیوی

قدر فرما جو تو ہشیار ہے چھوٹی بیوی
سن کہ دل تیرا طلبگار ہے چھوٹی بیوی
تو اگر مصر کے بازار کی اک رونق ہے
آ کہ دل تیرا خریدار ہے چھوٹی بیوی
ہوگیا ناس بڑی لائی تھی جتنا بھی جہیز!
تو مگر دولتِ بیدار ہے چھوٹی بیوی
وہ نہ منجھلی کو ملی اور نہ سنجھلی کو ملی!
جو تری زلف طرحدار ہے چھوٹی بیوی
ہے بڑی کو تو غرور اپنے بڑے ہونے کا
پھر وہ ویسے بھی دل آزار ہے چھوٹی بیوی
کبر ونخوت سے اکڑفوں سے، مری رائے ہے یہ
منجھلی بیوی تو بس اک بار ہے چھوٹی بیوی
اور سنجھلی پہ اثر منجھلی کا ہوتا ہی ہے
اس لیے سنجھلی بھی بے کار ہے چھوٹی بیوی
تو جو چھوٹی ہے تو بھولی بھی ہے اوروں سے تو
یوں مرے عشق کی حقدار ہے چھوٹی بیوی
قدر کرتی ہے مرے کام کی سچائی سے
نہ ستمگار نہ مکار ہے چھوٹی بیوی
لے قسم کھا کے رموزی یہ لکھے دیتا ہے
بخدا تجھ سے مجھے پیار ہے چھوٹی بیوی

میں اور سپاہی

اِدھر رنگین تر شعروں میں ہر گفتار ہے میری
اُدھر خوں ریز تر، میدان میں رفتار ہے تیری
اِدھر ہر آن تخیلِ جواں گلزار ہے میری
اُدھر ہر لحظہ تیغ بے اماں خونخوار ہے تیری
اِدھر ہر فکر اصلاحِ وطن بیدار ہے میری
اُدھر دشمن کی گھاتوں میں نظر ہشیار ہے تیری
اِدھر تحریر اور تقریر شعلہ بار ہے میری
اُدھر بیتاب تر اک صف شکن تلوار ہے تیری
اِدھر منزل نما، فکرِ رسا ہر بار ہے میری
اُدھر تیغ جواں دشمن کے دل سے پار ہے تیری
اِدھر مقصد میں حائل فطرت خوددار ہے میری
اُدھر بھی جاں طلب اک منزلِ دشوار ہے تیری
اِدھر خطروں پہ غالب شدت کردار ہے میری
اُدھر شعلوں پہ قابض تیغ کی جھنکار ہے تیری
اِدھر مشکل کشا اک ہمت طرار ہے میری
اُدھر طوفان برق اور جرأت جرار ہے تیری
اِدھر مشکل میں اک جانِ نظر دلدار ہے میری
اُدھر مخلوق تو مخلوق خود سرکار ہے تیری

دماغ و تیغ کے دنیا میں آ کچھ کام کر جائیں
ابد تک لوگ پڑھتے ہی رہیں وہ نام کر جائیں

خون کے میدان

دیکھ میرے شعر میں دوشیزہ افسانوں کا رنگ　　حسن کی عمرِ جواں کے مست طوفانوں کا رنگ
دیکھ، تجھ کو دیکھنا آئے اگر از راہِ عشق　　مطمئن نظروں میں کچھ بیتاب ارمانوں کا رنگ
ہوش اگر کھوئے نہیں ہیں عشق میں تو دیکھ لے　　روٹھنے والی نظر میں ہے پری خانوں کا رنگ
عشق ہی سمجھا سکا اس رمز کو، یعنی تیرے　　اس نہ ملنے ہی میں ہے ملنے کے امکانوں کا رنگ
روٹھ کر جب مسکرائی وہ شراب آرا نظر　　جگمگا اٹھا تھا میخانوں میں پیمانوں کا رنگ
آ سجاؤں یوں ترے حسنِ غزل افروز کو　　جس سے پھیکا ہی نظر آئے پرستانوں کا رنگ
رنگِ گل رنگِ شراب و شعرِ رنگیں دیکھ کر　　اب ذرا چل دیکھ کچھ خوں ریز میدانوں کا رنگ
جرمنی کے سائنٹفک جانور کچھ ہو کے مست　　دے رہے ہیں بستیوں کو آج ویرانوں کا رنگ
اک فقط سائنس کے بل پر نکھرتا دیکھ لے　　جرمنی کے سارے فرزانوں میں دیوانوں کا رنگ
ہمتِ مردانہ لے مجھ سے اگر ہے کچھ جھجک　　اور دکھا ہندوستاں کے شعلہ سامانوں کا رنگ
مرد ہندوستاں ترا احساں ہیں اوروں پر مگر　　اب دکھا جرمن کو کچھ تیغوں کے احسانوں کا رنگ
تیرے بھائی کٹ رہے ہیں جرمنی کے ہاتھ سے　　اور تجھ میں آج بھی اس درجہ بیگانوں کا رنگ

میری شعریت کی سیرت دیکھنا چاہے اگر
شعر کے کردار تک میں دیکھ خاقانوں کا رنگ

بلغاریہ اور ہٹلر

جرمنی انصاف کا طرزِ رفاقت دیکھیے بے خطا بلغاریہ کی یہ امامت دیکھیے
یہ "نظامِ نو" ہے ہٹلر کا زراہِ معدلت اس سے بلقان میں ریاست پر ریاست دیکھیے
پہلے قبضے میں لیا رومانیہ کو زور سے اور اب بلغاریہ کی یہ حفاظت دیکھیے
فوج کی دھمکی نظامِ نو کی ہے پہلی صفت بے ضرورت جو ہوئی ہے وہ عدالت دیکھیے
کوئی چاہے یا نہ چاہے سر پہ آدھمکیں گے آپ جرمنی کی یہ "مخلص" سی شرافت دیکھیے
اب رہی بلغاریہ کی جرمنی سے دوستی عہد اور پیماں میں اس کی پچھلی عادت دیکھیے
یعنی تھا 1915ء میں بھی جرمن کا دوست اُس زمانہ میں ہوئی تھی جو وہ حالت دیکھیے
اب بھی ہوگی پھر اسی انداز کی اک دن شکست فال کی یہ نظم میں میری دلالت دیکھیے
آگئے تھے جس سے رگڑے میں اسی جرمن کے ساتھ پھر اسی انداز کی اک دن ندامت دیکھیے
اب بحرِ روم کی برش کا جو تیار ہے اس اک انگلش اُسترے کی اب حجامت دیکھیے
دوسرا انگلینڈ ہے یہ بحر روم عالیجناب آیئے بلغاریہ سے اور خجالت دیکھیے
میجنو لائن سے بھاگے اور آئے پشت سے فتح پیرس میں یہ بزدل سی شجاعت دیکھیے
اب جو انگلستان بھی اک میجنو لائن بنا تو جنابِ عالی کی بلقاں پر سیادت دیکھیے
یہ تو ایسی فتح ہے جس پر شکستیں بنتی ہیں جگ ہنسائی کی ذرا یہ بھی فراست دیکھیے
بات جب ہے ترک بھی لڑنے کی اب کھالیں قسم پھر اسی اپریل میں سر پر قیامت دیکھیے

کم نظر مرعوب ہیں جرمن سے اس میدان میں
مجھ کو یہ سب کچھ نظر آتا ہے قبرستان میں

چرچل کے طعنے ملک کو سنوایئے نہیں

مہمان بن کے گھر پہ میرے آیئے نہیں
تشریف بے بلائے ہوئے لایئے نہیں
بستر کے ساتھ ساتھ سفر میں برادرم
تیتر کا پنجرہ لے کے کہیں جایئے نہیں
گیہوں کی مار ہی سے تڑپتا رہا ہے جو
رو رو کے اس غریب کو تڑپایئے نہیں
اخبار اور ریڈیو سے جو بھی کچھ سنیں
تنقید ان کی خبروں پہ فرمایئے نہیں
اشعار قومی یاد ہوں گو لاکھ آپ کو
تن تن کے ان کو سڑکوں پہ اب گایئے نہیں
غیرت ہے تم میں کچھ بھی تو بلوائی بھائیو!
چرچل کے طعنے ملک کو سنوایئے نہیں
کچھ تو ٹھہریے گھر میں وطن دوست ہو کے آپ
یہ اول فول ہو کے کہیں جایئے نہیں
ہے بھاگنا تو بھاگیے قطبین تک ضرور
لیکن خدا کے واسطے گھبرایئے نہیں
تاریخ سر پھروں سے ہوئی غرق شرم آج
اب اس سے زیادہ قوم کو شرمایئے نہیں

شکست مسولینی اور نیاز مند

اٹلی پہ اس کے ظلم کا ادبار دیکھیے　　سر پر جو گر پڑی ہے وہ دیوار دیکھیے
بھنّا رہے تھے ڈوچے[1] جو یونان پر تو میں　　کہتا تھا بار بار کہ سرکار دیکھیے
شاعر سمجھ کے میری نہ اک بار بھی سنی　　اب سر پہ پڑ رہی ہے جو وہ مار دیکھیے
میں نے کہا کہ دیکھیے میں فلسفی بھی ہوں　　میری بھی بات مان کے اک بار دیکھیے
یونان کے غریبوں کو حبشی نہ جانیے　　کہتا ہے آپ سے یہ نمک خوار دیکھیے
فدوی کو بھی ملا ہے دماغ بلند تر　　جو پیش کر رہا ہے وہ اسرار دیکھیے
شاعر کے رنگ میں بھی سیاست میں فرد ہوں　　گفتار دیکھیے میری رفتار دیکھیے
رائیں مری سیاست بین الامم ہیں آج　　سب مانتے ہیں جیسی وہ اقرار دیکھیے
یونانیوں میں روح فلاطوں ہے آج بھی　　اب ان کو آزما کے نہ زنہار دیکھیے
تھا مصطفیٰ کمال[2] بھی یونان ہی کا فرد　　تاریخ اس کی دیکھیے تلوار دیکھیے
پھر طرفہ یہ کہ ان میں ہیں انگریز سے حکیم　　ان کی فراستوں کا بھی کردار دیکھیے
یہ دونوں چل پڑے تو میں کہتا ہوں آپ سے　　پھر ہر جگہ شکست لگاتار دیکھیے
اٹلی کی فوج دوج تو جو بھی ہے جانیں آپ　　ہو جائیں آں حضور نہ بیکار دیکھیے
پٹوا نہ دیں حضور کو اٹلی کے بزدلے　　ہیں ان کے چہرہ پر جو آثار دیکھیے
ڈوچے جو گھر کی مرغی ہی سمجھی رہے مجھے　　اب ان کی دال بھات کا بازار دیکھیے
میرا تو یہ کہ میں تو ہوں ہر حال میں خوش　　دنیا جو کر رہی ہے وہ اصرار دیکھیے
یعنی کہ ٹین بج کے رہے گا حضور کا　　اپنا یہ حشر آج سے سو بار دیکھیے
میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ پھولے ہوئے تھے جو　　اب آئینہ میں اپنے وہ رخسار دیکھیے

خط شکست کھنچ ہی گیا اب جناب من!
پر کار دیکھیے خط پرکار دیکھیے

---

(1) ڈوچے۔ مسولینی کا لقب ہے۔ (2) مصطفیٰ کمال کا وطن سالونیکا ہے جو یونان میں ہے۔

چچا کے تیتر اور یونان کی فتح

آج تیتر جیت کر بیٹھے ہی تھے گپو چچا میری شامت ہی تھی جو اس وقت میں حاضر ہوا
ان کے تیتر کی لڑائی کا مجھے کو اذن تھا میں شبِ فرقت کا مارا تھا تو سوتا ہی رہا
سارے بے فکرے تو تھے، تیتر تھے، بازی والے تھے بھاڑ میں جائے جو اک ملا رموزی ہی نہ تھا
اور پھر ملا رموزی بھی وہ بدذوقا کہ آج تیتروں سے دور ہوکر شاعری کا ہوگیا
شاعری بھی اس کی پھر اتنے بھی گہرے رنگ کی جس کو سمجھے بھی تو وہ سمجھے جو خود ہو مبتلا
الغرض تیتر کی بازی جیت کر کیا آئے تھے فاتحانہ ٹھاٹھ کی اب تھی چچا کی ہر ادا
بیس اوپر سو تو ہوں گے ان کے حامی اور پھر ان میں جو بھی تھا وہ تیتر کا پروفیسر ہی تھا
پھول تھے تیتر کے پنجرے پر چچا تھے مست سے گالیوں سے ملتا جلتا شور تھا ہر سو بپا
اک طرف عیدا کھڑے تھے شرط بدلنے کے لیے اک طرف پیرا یہ کہتے تھے کہ اب کے دیکھنا
اک طرف پنجرا زمین پر رکھ کے بھنائے کریم اک طرف بُجا اکڑ اینٹھتا اور چیختا
کوئی کہتا جانے دے اب تو ہی غم کھالے اِشاق کوئی کہتا وا اِشاقا اب بتا کیوں چپ ہوا
پیر خاں کہتے تھے استادی چچا کی تھی جو آج تیتری چپ تھی مگر تیتر نہ گھبرایا ذرا
ایسی آوازوں سے خوش ہوتے چچا اور کہتے تھے کیوں ھیلا تو نے بھی دیکھا کہ میں چپ ہی رہا
یہ تو تھے سب تیتروں کی بحث میں سرگرم اور میں یہ کہتا تھا کہ اللہ خیر اب ڈنڈا چلا

جنگ جرمن کے زمانہ میں بھی ہندستان میں

ہے جوانوں میں ہر اک صوبے کے ایسا مشغلا

غیرت یونان ہے اٹلی ہے ہمت آزما ٹاٹ الٹ کر رکھ دیا ہمت کا یہ پایا صلا

چار پائی تک مسولینی کی چرانے لگی بجٹی یونان سے یوں کھا گیا البانیا

ضرب یونانی نے برتن پھوڑ ڈالے روم کے برٹشی بمباریوں سے سارا رومہ ہل گیا

اس طرح یونان نے اٹلی کی پکڑی ہے زباں فتح بھی کرلے تو اب جاتا رہا اس کا مزا

اٹلی و یونان کے دنگل میں قدرت کا کرم غیب سے برٹش کا اک جنگی اڑنگا چل گیا

ہیں کھڑے استاد ہٹلر بھی اکھاڑے کے قریب پٹ رہا ہے ان کا پٹھا اور ہے گھبرایا ہوا

چوکڑی بھولے ہوئے ہے پہلوان اٹلی کا اب یاد آیا ہے چھٹی کا اس کو اب کھایا پیا

آہ مظلومین یونانی گئی تھی عرش تک لائی ہے اٹلی کے حق میں مار کھانے کی سزا

بال تو تر ہوگئے اٹلی کے بحری جنگ سے ہے حجامت کے لیے یونانیوں کا اُسترا

متحد ہوجائے ہندوستاں جو اٹلی کے خلاف

آج الٹے ہاتھ سے ہوجائے ہر میدان صاف

عریضہ آخر بخدمت ہزا کسلینسی مسولینی

مجھ کو فدوی ہی سمجھتے رہ گئے عالیجناب اس لیے میرے عرضہ کا نہ لکھا کچھ جواب
فخر کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھ چکا تھا آپ کو برٹشی یلغار سے اس میں ہوا میں کامیاب
یعنی میں نے لکھ دیا تھا جرمنی امداد پر ہوگی حق میں یہ جناب عالی کے ثابت اک سراب
کون پھنستا ہے کسی کے واسطے دنیا میں آج ہے یہ فطرت کا کھلا قانون ڈکٹیٹر مآب
بحر روم اور مصر و ہندوستاں سے لے کر تا بہ چین جان نکل جاتا نہیں بم برسیں یا برسیں شہاب
آپ سے لٹھ بند فوجی لوگوں کے بس کا نہ تھا بھانپ لیتے اٹلی پر جو آنے والا ہے عذاب
پہلے اتنا ہی سمجھ لینا تھا گھر میں آپ کو جنگ کرنے سے ہیں خوش بھی آپ کے سب شیخ و شاب
پھر سمجھنا تھا کہ جرمن لٹھ دھرے ہیں عقل میں یہ سمجھتے ہی نہیں ہیں ہوں گے کیسے کامیاب
جنگ میں دیوانے ہیں گھاتوں میں یہ سیانے نہیں ان کے استقلال میں یوں رات دن ہے انقلاب
اور برٹش کے تہور میں تدبر تیز ہے اس لیے چمکے گا اس کا اور زیادہ آفتاب
آپ کالے حبشیوں میں روشنی لے کر گئے لیکن اب واں بھی نکلنے کو ہے کالا ماہتاب
میری طرح آپ بھی اب بھاگ آئیں اٹلی سے اس سکونت سے بہت کچھ کیجیے اب آپ اجتناب
فدوی کی نظروں میں ہے جو برلن و روما میں ہو اک رموزی ہی خدا کے فضل سے ہے انتخاب
دیکھتے ہیں آپ جس شدت سے کہہ جاتا ہوں میں آگ رہ جاتی ہے اس موقع پہ کھا کر پیچ و تاب
آپ اب برطانیہ سے صلح فرما لیجیے ایسی صورت میں ڈنر پر مل رہے گی کچھ شراب
یہ بھی کوئی دوستی ہے آپ کھائی ہر شکست اور ہٹلر کھائے مقبوضہ علاقوں کے کباب
جنگ کو داماد[1] جائے اور سسر بیٹھا رہے اس سے زیادہ اور کیا ہو آپ کی شہرت خراب

چارج لے لے گی جناب عالی سے پنجابی سپاہ
اور رموزی ہوگا اٹلی میں وزارت انتساب

1۔ کاؤنٹ کیانو، داماد مسولینی وزارت خارجہ کا عہدہ چھوڑ کر جنگ پر گئے ہوئے ہیں۔

مسولینی کا جواب ملاّ رموزی کو

بے شبہ آپ کہتے تھے ہر بار دیکھیے — اس جنگ میں نہ آیئے سرکار دیکھیے
یونان کے لیے بھی کہا تھا یہ آپ نے — اس پر ابھی نہ کھینچیے تلوار دیکھیے
یہ بھی کہا تھا آپ نے برٹش کے واسطے — اس کی فراستوں کا بھی کردار دیکھیے
اپنے بھی مشوروں پہ یہ کہتے تھے مجھ سے آپ — تحقیر کی نظر سے نہ زنہار دیکھیے
میں گھر کی مرغی آپ کو سمجھا نہیں کبھی — اس پر جو کر چکا ہوں وہ اظہار دیکھیے
بین الرحم سیاست عالی کے باب میں — جو دل میں آپ کا ہے وہ اقرار دیکھیے
ڈکٹیٹری کے زعم کو لیکن میں کیا کہوں — اب جو دکھائے زعم غلط کار دیکھیے
بھونکی تھی میں نے پشت فرنسہ پہ جو چھری — اُس کی مرے ہی حلق پہ اب دھار دیکھیے
کندن بنانے کے لیے جھونکا تھا بھاڑ میں — اٹلی کا پھر بھی بخت بد آثار دیکھیے
انگلی کٹا کے گو میں شہیدوں کی صف میں ہوں — اس پر بھی حشر میں ہوں گنہگار دیکھیے
ہندستان زادے بھی آئے ہیں مارنے — اس درجہ ”لبی مار کی“ یہ مار دیکھیے
تھے آپ بھی تو پاس ہی ہٹلر نے جب کہا — میں عمر بھر رہوں گا وفادار دیکھیے
وعدے وعید جتنے بھی ہیں اس کے راز میں — دفتر میں چل کے ان سے اب انکار دیکھیے
ہٹلر کی بے وفائی پہ اب اور کیا کہوں — پلٹن میں تھا نہ پہلے جمعدار دیکھیے
خواجہ حسن نظامی کا تعویذ بھیجئے — آجائے اس سے زیادہ نہ ادبار دیکھیے

اٹلی کی ناک کٹ گئی سدی برائی پر
بے شبہ تف ہے اٹلی کی فوجی جوانی پر

عریضہ بنام مسولینی

آج ایئر سروس سے خط ہز اکسلینسی کا ملا　　میں نے اس کو بیویوں کی کاؤنسل میں دے دیا
بیویاں انگریزی داں ہوں تو ہیں وہ "ہائی کمانڈ"　　اس لیے میں نے لیا اس خط پہ ان کا مشورہ
میں سمجھتا ہوں کہ "رائٹ آنریبل" کے لیے　　یورپی آداب سے یہ خط معزز ہوگیا
یعنی عورت ذات سے کچھ پیچھے ہی چلتے ہیں آپ　　اس لیے اس خط پہ پڑھیے عورتوں کا تبصرا
بیوی نمبر ایک نے لکھا ہے یہ بعد از سلام　　میں جنابِ عالی لکھوں پہلے خط کا شکریا
پھر لکھوں وہ آپ کے حالات جنگ و رزم پر　　جو زنانِ ہند کا ہے تبصرہ اور مدعا
آپ نے یونان اور حبشہ پہ کی لشکر کشی　　دونوں ملکوں کی رعایا تھی سراسر بے خطا
آپ سے دونوں تھے چھوٹے اور بے ہتھیار بھی　　ان پہ حملے کے لیے ہم لکھیں کیسے مرحبا؟
حبشہ اور یونان کی لاکھوں ہی ہوں گی عورتیں　　جن کو ایطالی بہادر زادوں نے بیوہ کیا
نازنینانِ فرنسہ پر بھی کی یہ مرحمت　　سینکڑوں بچوں کو بے وارث کیا تڑپا دیا
افریقہ کے نوجوانوں کو زراہ جبر و زور　　فوج میں بھرتی کیا اور خاک میں ملوادیا
افریقہ کی کچھ مسلمان زادیوں کو آپ نے　　اٹلی کی فوجوں کے ہمراہ ناچ تک نچوادیا
اس لیے عورت تو جس گھر کی بھی ہوگی آپ سے　　عمر بھر ناخوش رہے گی اور کرے گی بددعا

(۲)

اب نیاز آگیں کی سنیے نامۂ الطاف پر　　جو کچھ آں موصوف نے لکھا اسے میں نے پڑھا
جرمنی کی بے وفائی عذر ہو سکتی نہیں　　مصر اور ہندوستاں تک آپ کا تھا حوصلا
وہ تو یہ کہیے کہ پنجابی بہادر زادوں نے　　آپ کو سدی برانی ہی میں آ کے دھر لیا
اور ادھر یونان اور برٹش کی فوجوں گولوں نے　　جا دبایا آپ کا البانیہ میں ' ٹیٹوا
اب اڑائے جایئے جرمن کے آنے کی خبر　　دیکھ لیجیے گا کہ اس سے بھی نہ ہوگا فائدا
فدوی کہتا ہے اگر "دی آنریبل" سن سکیں　　آپ کا حق نمک مرچ آج کرتا ہوں ادا
میں نے کھایا ہے حضور عالی کا جتنا بھی نمک　　اس پہ گستاخی معاف اتنا مجھے کہنا پڑا
صلح کا پیغام مجھ کو اور سر آغا خان کو　　دیجیے تو ہم دونوں پہنچائیں اسے برطانیا

آپ اپنے قیدی لے کر ڈٹ کے روما میں رہیں
آج کریں اور ہو سکے تو کر کے دکھلائیں ذرا

لندن کی لڑکیاں اور جنگ

لندن کی لڑکیاں ہیں کہ گلزار لڑکیاں — اور بعض تو لطافتِ اشعار، لڑکیاں
ان کا شباب، طلعت موجِ شراب ہے — اور حسن میں تو مطلعِ انوار، لڑکیاں
جوشِ جمال سے نگہ عشق عشق مست — اور نشۂ شباب سے سرشار ، لڑکیاں
نظروں کی ایک چمک میں گلستاں کا بانکپن — تابِ جمال میں درِ شہوار ، لڑکیاں
نظروں کے جادوانہ تبسم کے زور سے — یعنی دل و دماغ کی مختار، لڑکیاں
اک اک ادا پہ ایشیا و افریقہ غلام — اس مقدرت کے حسن کی دلدار، لڑکیاں
جس گھر میں جائیں اس کی فضا جگمگا اٹھے — اور طرفہ یہ کہ صاحبِ کردار، لڑکیاں
جاتی ہیں جوشِ غیرتِ قومی سے جنگ پر — اب ملک و قوم کی یہ وفادار، لڑکیاں
عشاق کے لیے تھیں جو کل تک وفا وفا — دشمن کے حق میں ہیں وہ ستم گار، لڑکیاں
ٹھکرا کے نازکی کو ہوئیں شیر کی طرح — نسوانی لشکروں کی کماندار، لڑکیاں
اتنی بھی دور ہوگئیں اب عیش و ناز سے — پیدائشی ہوں جیسے فداکار، لڑکیاں
شادی کے شوق کے عوض اب جنگ کا ہے جوش — اللہ ایسی صاحبِ ایثار ، لڑکیاں
دشمن نہ آنے پائے اگر جان جائے جائے — اتنی تو ہوں زمانے میں خود دار، لڑکیاں
ہیں اپنے باپ بھائی سے اب جنگ کے لیے — دولت کی اور سر کی طلبگار، لڑکیاں
لندن کی لڑکیوں میں ہیں یہ جرأتیں جواں — کیا سن رہی ہیں ہند کی ہشیار، لڑکیاں؟
لندن کی لڑکیاں ہیں تمھاری ہی جنس سے — کچھ کر دکھائیں وہ، جو ہیں طرار لڑکیاں
لندن کو جائے ایسی بھی اے کاش ایک فوج — ہوں جس میں ملک ہند کی جرار، لڑکیاں

فیشن کو چھوڑ چھاڑ کے لڑنے کو جاؤ آج
ہندوستاں کی لڑکی کی رکھ لو تم آج لاج

اٹلی کی بحری شکست اور گپّو چچا

دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے صبح کو گپّو چچا گھٹنوں کے اوپر پڑا تھا ایک دُھستا گرم سا
گولیاں آٹے کی تیتر کو کھلاتے جاتے تھے گولی پھنس جاتی تو کہتے تھے اس سے کھا بھی جا
نصف بھنائے ہوئے انداز سے دیکھا مجھے جھک کے میں آداب خوردانہ کو جب لایا بجا
گنگنانے والے لہجہ میں کہا اچھا تو ہے عرض کی میں نے کہ جی ہاں آپ ہی کی ہے دعا
عشق میں تیتر کے جب بے التفاتی آ گئی میں نے ٹورنٹو کی بحری جنگ کو چھیڑا ذرا
اٹلی کے بیڑے کی بربادی کی تفصیلات کو خود سناتا بھی گیا خود مرحبا کہتا رہا
انگلیاں آٹے سے کر کے صاف فرمانے لگے وا مرے انگریز شیرو وارے وا
بیچ میں تیتر جو بولا تو اسے بھی ڈانٹ کر مجھ سے فرمایا کہ بس انگریز اب تو چھا گیا
بحرِ روم اور شام کا جغرافیہ سنتے رہے جب سمجھ میں آ گیا تو مونچھ کو اک بل دیا
پھر کہا اور وہ بھی قسمیں کھا کے کہتے ہی رہے اور تو جو ہو مگر اٹلی تو اب مارا گیا
الاماں بوڑھے چچا کو جنگ سے اتنا لگاؤ اور جوانوں کو کہوں کیا ان کو شرمائے خدا
ریشمی موٹ اور عشرت گاہ، کچھ آرائشیں ہند کی نسلِ جواں کو کالجوں سے یہ ملا
پاؤڈر، آئینہ، کنگھی، آڑی ترچھی گفتگو حاصلِ بی اے سمجھیے اور اک علمی صلا
اب رہے جو اور تو تانگہ چلانے پر ہیں شیر جنگ کی بھرتی کا کہہ دیجے تو جیسے دم گھٹا
یا فقط فاقہ کشی یا عیش یا پھر غنڈا پن یا فقط باوا کی دولت پر غرورِ ناروا
ہوں گے جو قابل وہ ہوں گے میں تو نسلِ نو میں آج اکثریت ایسی ہر صوبے میں ہوں اب دیکھنا
ہاں مگر تاریخ میں ہیں مستحق مرحبا
یعنی جن لوگوں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا

تیغِ قضا

جرمنی کے بھیڑیوں کی تازہ تر یلغار دیکھ
بے خبر انسان پہ ان کے اسلحہ کی مار دیکھ

بے پناہوں کے سروں پر ان کی بمباری ہے آج
بزدلوں کی نسل کی یہ ہمتِ بمبار دیکھ

اوڑھ کر فولاد کا برقع چلا ہے جنگ کو
جرمنی کے مرد میں عورت کا یہ کردار دیکھ

عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور اندھوں کے لیے
جرمنی کے نوجواں کو آج آتش بار دیکھ

عورتیں جھنجلا پڑیں جس مرد پر وہ مرد کیا
اس لیے اب اس پہ اک دن عورتوں کا وار دیکھ

مردِ میداں ٹینک کے پردے میں لڑنے کو چلا
سیرتِ مردانہ پر سائنس کا ادبار دیکھ

یہ دیا سائنس نے انساں کو انساں کے لیے
جرمنی کے فلسفی کی عقل ہرزہ کار دیکھ

شکر ہے وہ آ گیا انگلینڈ کی سرحد پہ آج
اب ذرا انگلینڈ کی تلوار پہ تلوار دیکھ

جرمنی کی سائنٹفک عقل پر انگلینڈ میں
چلنے والی ہے جو وہ تیغِ قضا آثار دیکھ

مردِ ہندوستاں کبھی تو بھی تو تھا جنگی جواں
آج لیکن ہوش ہو تو اپنا حالِ زار دیکھ

اٹھ بنی نوعِ بشر کے واسطے جرمن سے لڑ
پھر تو اپنے پہ بھی اک طرۂ طرار دیکھ

موت تو مردوں کی ہے محبوبۂ رنگیں نظر
تو اگر اس پر فدا ہو تو پھر اس کا پیار دیکھ

تیری بھی اک یادگارِ جنگ ہو انگلینڈ میں
ہمتِ مردانہ ہو تو یہ میرے اشعار دیکھ

گپّو چچا اور اٹلی

کھانستے جاتے تھے اور فرماتے تھے گپّو چچا آ تو جائے ہاتھ میں اٹلی کا اک دن ٹیٹوا
جرمنی شہ پہ اب الجھا ہے یہ یونان سے میں سمجھتا ہوں مگر جو اس کے دل میں ہے دغا
میں نے گھبرا کر کہا، یعنی، چچا یہ کیا کہا؟ بڑبڑا کر بولے یوں، یہ صاحبِ علمِ غذا
کیا کہوں بیٹا میں تجھ سے آج اٹلی کے لیے کاش میں تھوڑا ہی ہوتا آج کو لکھا پڑھا
ہاں مگر اتنا مجھے معلوم ہے اٹلی کا حال یہ وہی ہے جس نے ترکوں کا علاقہ لے لیا
پھر بڑھا تو اس نے پھر لوٹے مسلمانوں کے گھر یعنی اس نے ہی سنوسی قوم کو پٹوا دیا
حبشہ میں اس نے مسلمانوں کو لوٹا خوب خوب اور زہریلی ہوا سے خاک میں ملوا دیا
اور تو جانے دے تو یہ تو تجھے بھی یاد ہے کل لیا اس نے مسلمانوں ہی سے البانیا
مصر پر بھی اب سنا ہے حملہ کرنے کو ہے یہ لے لیا جب یہ تو یارو پھر ہمارا کیا رہا؟
پھر تو پانچوں گھی میں ہیں اس کی، کرے گا کیا کوئی اس لیے کہتا ہوں یارب اس کو تو کر دے فنا
پھر چلم بھرتے ہوئے مُڑ کر یہ فرمانے لگے میں یہ کہتا ہوں غنیمت ہی ہے برطانیا
کڑوی تمباکو کا شکوہ کر کے پھر کہنے لگے اب اگر کچھ رہ گیا ہو مجھ سے تو پھر تو بتا؟

مرحبا گپّو چچا میں اتنا تو احساس ہے
قومِ مسلم کا نشیلے پن میں اتنا پاس ہے

نوجوان ہندستان اور جنگ

فصلِ گل کے جوش کی دوشیزہ نکہت چاہیے　　شبنمِ شاداب سے غنچوں کی نزہت چاہیے
جگمگا دے جو مرا افسانۂ عشق و نظر　　آفتابِ صبح سے اک ایسی حشمت چاہیے
اک جنت جنت افسانہ سنانے کے لیے　　خضری خاموش اور آسودہ فرصت چاہیے
آسماں افروز غزلوں کی لطافت کے لیے　　مطلعِ ناہید سے تابندہ شوکت چاہیے
وہ جو پردے پردے میں گرتے ہیں دردِ ہجر سے　　ایسے رنگیں آنسوؤں سے ایک طلعت چاہیے
عرش سے تحسین کی اک مسکراہٹ دیکھ لوں　　عشق کے ہر ہر قدم پر اتنی رفعت چاہیے

یہ تو سب کچھ ہے، مگر اے روٹھنے والی نظر
جان دے کر بھی مجھے تیری محبت چاہیے

نوجواں ہندوستاں کے نوجواں مردانِ کار　　مردلندن کے لیے بھی کچھ مروّت چاہیے
یاں سوالِ ہندولندن ہی نہیں اس جنگ میں　　اب فقط نوعِ بشر کی ہم کو خدمت چاہیے
ظلم ہے، ہوں عورتیں لندن کی پامالِ جفا　　ان کے حق میں کچھ تو دہلی میں بھی غیرت چاہیے
یورپی ہوں یا ہوں ہندی عورتیں پھر ناز ہیں　　ناز اٹھانے کے لیے مردانہ ہمت چاہیے
عورتیں قربان ہوں جس نام پر وہ نام ہے　　ہاں مگر اس کے لیے پہلے مصیبت چاہیے
موت اور تلوار تو مردوں کا زیور ہے، مگر　　موت کے میدان میں، شیروں کی جرأت چاہیے

جس کو تو چاہے اسے تو شیشہ و پیمانہ دے
مجھ کو اے مالک مرے اک ہمتِ مردانہ دے

فرانس اور ہندستان

ہند کے مردِ مضمحل، اٹھ اور اک انتشار دیکھ — یعنی بہارِ حسن کو مضطر و بے قرار دیکھ
مرکزِ حسن لٹ گیا، یعنی فرانس مٹ گیا — عشقِ فرنگ کی عبا ہوگئی تار تار دیکھ
جس کی حکومت نظر تھی کبھی برو بحر پر — آج اسی نظر میں اک کلفت اشکبار دیکھ
جس کی جھلک پہ مرمٹے ارضِ عرب کے سورما — حسن فرانس کا وہی اب رُخ سوگوار دیکھ
تاجوری کی شوکتیں قدموں میں جرمنی کے ہیں — کل کا چڑھاؤ دیکھ کر آج کا یہ اتار دیکھ
روح نپولین کہ تھی تاج فرانس کی ہیں — پرچم جرمنی کو آج نصب سرِ مزار دیکھ
روح جدال مٹتے ہی خوئے وفا بھی جاچکی — اپنے رفیق جنگ سے آج یہ کارزار دیکھ
ایک شکست کا اثر ہوگا ہزار سال تک — اس کو کتاب جنگ میں غور سے بار بار دیکھ
ہند کے مردِ مضمحل، سانس ہے تجھ میں کچھ اگر — حشر فرانس آج بھی ہو کے تو ہوشیار دیکھ
حفظ وطن کے واسطے صرف ہے جان بل جواں — اس کے جلال وعزم میں شوکتِ تاجدار دیکھ
تجھ میں جلال کے عوض شوقِ جمال ہے فزوں — مرد کی آنکھ سے ذرا اپنا یہ حال زار دیکھ
حفظِ وطن کا کام کر سارے جہاں میں نام کر — پھر مرے زورِ شعر سے اپنا تو اعتبار دیکھ

ساتھ دے جان بل کا تو یعنی بہادروں کا ساتھ
اپنی غلام پھر خود ہی عزتِ روزگار دیکھ

جرمن اور فتح روستاف

ہٹلر کی ہر شکست جو بالکل ہی صاف ہے
برلن کے ریڈیو کو بھی اب اعتراف ہے
جو ٹینک اور صدقے کے بکروں سے تھا جواں
کھانسی میں مبتلا وہ خروش مصاف ہے
دعوے جو کر رہے تھے فتوحات روس کے
چانٹے پڑے تو ان سے بھی اب انحراف ہے
جو روز روز ڈالتے تھے ہر محاذ میں
اب وہ دراڑ اور نہ کوئی شگاف ہے
لے کر گئے تھے چندہ سے سردی کے واسطے
بھاگے تو چیسٹر ہے نہ تن پر لحاف ہے
فدوی بنے ہوئے ہیں میاں گوئے بلز تک
اب ریڈیو پہ جوش نہ لاف و گزاف ہے
منہ دھو کے آیئے یہ کہا لال پریوں نے
برلن نہیں یہ آپ کا یہ کوہ قاف ہے
یاں دلدلیں ہیں جادو کی اس واسطے جناب
جو بھی بڑھا وہ غرق معاً تابہ ناف ہے
ہٹلر کے حق میں جنگ سے بہتر ہے جو وہ اب
تسبیح و خانقاہ ہے اور اعتکاف ہے
جائز ہے مجھ کو یہ کروں پانچواں نکاح
قبضے میں خار کاف اور اب روستاف ہے
گپو چچا نے قافیے سن کر کہا کہ تو
سر کاٹ لے کسی کا تو یہ بھی معاف ہے
پوری ہوئیں جو جنگ کی پیشین گوئیاں
پھر سے جوان مقدرت انکشاف ہے

ساون اور جنگ

مجھ میں وہ جوشِ حسنِ غزل خواں ہے آجکل　　میری غلام صبح گلستاں ہے آجکل
بے میرے جیسے اس میں بھی کچھ زندگی نہیں　　اس طرح کا زمانہ ہجراں ہے آجکل
دو بوندیں پڑ گئی ہیں جو ابرِ بہار کی　　مزدور میں بھی عشق کا ارماں ہے آجکل
اب دیکھیے کوئی تمکنتِ صدر میکدہ　　موسم میں جو شراب کا ساماں ہے آجکل
ساون میں سرخ ساڑی پہ زرّیں چپلیں　　قدموں میں ان کے حسن پرستاں ہے آجکل
ساون کے جوش ورنگ پہ کہتے تھے اک بزرگ　　اللہ بچائے موسمِ عصیاں ہے آجکل
بدھوا جو ڈر رہا ہے ہوائی جہاز سے　　اس بزدلی پہ بیوی بھی نالاں ہے آجکل
باوا کی جائیداد عدالت سے مل گئی　　یوں کالے خاں بھی حاتمِ دوراں ہے آجکل
بدھوا دیوالہ جو ہوا پچھلے ماہ میں　　ایکٹرنی تک بھی اس سے گریزاں ہے آجکل
ایم۔اے کے بعد جنگ سے مردانِ ہند میں　　میں جس کو دیکھتا ہوں پریشاں ہے آجکل
جو جتنے زور شور کا فیشن پسند ہے　　اتنا ہی شور جنگ سے حیراں ہے آجکل
ہیں نوجوانِ ہند کے دلہن بنے ہوئے　　فیشن جو ان کا مذہب ایماں ہے آجکل
ساون نثار اس پہ جو لندن کے واسطے　　ہٹلر کے حق میں خنجر بُرّاں ہے آجکل
ساون تو مرد کا ہے اور اس مرد کا کہ جو　　مردوں کی طرح ملک پہ قرباں ہے آجکل

ہندستان کی آج شجاعت دکھایئے
برلن کے فتح کرنے کو لندن سے جایئے

ہٹلر اُداس

اس طرف اک عشق بیتابانہ و مضطر اداس اس طرف اک جانِ نزہت شوکت کشور اُداس
عشق انساں کی بلندی ہے کہ سوزِ ہجر سے آج اک ناہید رُخ کے بھی ہیں کچھ تیور اُداس
ہجر ہی وہ چیز ہے جس میں یہ حیرت پائی ہے یعنی اک جانِ فراغت اور وہ اکثر اُداس
کون سمجھے گا بجز میرے کہ عاشق کے لیے کون رہتا ہے پری خانوں میں بھی شب بھر اداس
اللہ اللہ عشق کے افسردہ رہنے کے سبب حسن کے غمزے کا بھی ہے آج کرّ و فر اُداس
بعض مقتولین ایسے بھی نظر آئے مجھے قتل کر کے جن کو خود ہے بُرّشِ خنجر اداس
ساقیِ میخانہ کی نظروں میں تھی جو اک کسک جشنِ میخانے میں بھی تھے شیشہ و ساغر اداس
اس کا رنگ سرخ اشاروں میں یہ مجھ سے کہہ گیا دیکھ تیرے واسطے ہے تابشِ گوہر اداس

2

افریقہ میں ہند کی فوجوں کے دم خم دیکھ کر دیکھیے کس درجہ ہے اب ہمتِ محور اداس
وہ جو لندن فتح کرنے آئے تھے فوجوں کے ساتھ ساحلِ ڈور پہ ہیں جرمن کے وہ افسر اداس
کون کہہ سکتا تھا ہٹلر سے کہ اب ہو جائیں گے برٹشی طیاروں سے برلن کے بام و در اُداس؟
جمعہ کے دن رونقیں آجاتی ہیں کچھ دیر کو ہفتہ بھر جب دیکھیے ہے مسجد و منبر اداس
یہ ہے کل ہندوستاں کی کائنات جسم و جاں دق سے بیوی مضطرب اور قرض سے شوہر اداس
تیز تر موٹر چلاتے وقت تو سوجھا نہیں کوتوالی جانے سے رہنے لگے شوفر اداس

ہنہناہٹ ، بھنبھناہٹ، دندناہٹ رہ گئی
برٹشی ہمت سے اب رہنے لگا ہٹلر اداس

یونان اور اٹلی

عشق کا گلزار، اور اس درجہ ویراں الاماں　　اس کے پھر شام و سحر بھی وقفِ حرماں الاماں
وہ اگر ہوتا تو بیگانوں میں موزوں تھا مگر　　عشق والوں کے لیے بھی جبرِ ہجراں، الاماں
جس نے دیکھا ہی نہ تھا عنوان رنج و غم کبھی　　اس محبت میں مگر وہ چشمِ گریاں، الاماں
عیش قرباں ہو رہا ہے عشق کے جذبات پر　　حسن میں یہ عشق کا جوشِ فراواں، الاماں
ہجر کی دشواریوں کو فتح کر کے ایک دن　　سیر ہو کر بات کرنے کا اک ارماں، الاماں
ربطِ جسم و جاں کی طاقت ہے کہ ہم دونوں کے آج　　دل کھنچے جاتے ہیں، لیکن جان لرزاں، الاماں

دل کی لاکھوں دھڑکنیں، کچھ لغزشیں کچھ ہمتیں
یہ گلے ملنے کے پہلے دن کا ساماں، الاماں

روم کی لشکر کشی اور دولتِ یونان پر　　مرکزِ حکمت پہ یہ یلغارِ حیواں، الاماں
حکمتِ یونان تو تھی خادمِ انسانیت　　آج اسی کے قلب پر اک تیغِ براں، الاماں
مرکزِ علم و فراست آج توپوں کا ہدف　　اور بم کی بارشیں طوفاں بہ طوفاں، الاماں
نعشِ حکمت مادرِ یونان کے آغوش میں　　اور اس پر عقلِ رومہ شاد و فرحاں، الاماں
جو حیاتِ جاوداں کی کیمیا دیتا رہا　　آج خود اپنے لیے گریاں و نالاں، الاماں
مٹ رہا ہے مرکزِ تہذیب انسانِ قدیم　　اور اس پر ہند کا خاموش انساں، الاماں

ملتِ یونان کی خاطر بھی ہو پھر سے جواں
یعنی اٹلی سے لڑے اب لشکرِ ہندوستاں

ہٹلر نثار

چشمِ ساقی کی ادا پر طلعتِ خنجر نثار — اور نشیلی لغزشوں پر رونقِ ساغر نثار
وہ نظر ملتے ہی ہلکی مسکراہٹ زیرِ لب — اس پہ حسنِ موجِ مروارید اور گوہر نثار
جو نگاہوں کی نفاست میں ہے اور ظاہر نہیں — اس تبسم پر جمالِ شوکتِ کشور نثار
مجھ سے اس کی پردہ پردہ دردمندی کے لیے — اپنے دل کے خون کے قطروں کے اشکِ تر نثار
عشق کی منزل بہ منزل مشکلیں اور ہمتیں — اُن پہ ہر حسنِ جلال ہمتِ قیصر نثار
بے ملے اس نے مری ہر آرزو پہچان لی — اس کے اس احساس پر پندار دانشور نثار
اس کی خاطر مٹ کے بھی اب بھی ہیں جتنی ہمتیں — ان پہ تمکینِ فریدوں ، صولتِ سنجر نثار
اس کی اس عمرِ محبت اور عمرِ حسن پر — عنفوانِ گل کا ہر اک غمزۂ بہتر نثار
مجھ سے باتیں ہو رہی ہیں جیسے ہوتی ہی نہیں — اس کے اس اندام پر حکمت کے سو دفتر نثار
دیکھ لیجیے گا کہ اس کے میرے حسن و عشق پر — رہتی دنیا تک رہے گی شہرتِ خاور نثار

(2)

جو سپاہی آگ پر گرتا ہے جوشِ جنگ سے — اس پہ توقیرِ وطن اور صولتِ لشکر نثار
جو گرجتا ہے صفوفِ جنگ میں مردانہ وار — اس پہ حسنِ فتح مندی، عظمتِ صفدر نثار
ڈٹ کے لندن کو بچانے والے استقلال پر — رستم و چنگیز کا مردانہ کرّ و فر نثار
بھانپ آئے جو ذخائرِ جرمنی کی جنگ کے — ان ہوا بازوں پہ رمزِ دانشِ ہملر نثار
عورتیں لندن کی آئیں جنگ کرنے کے لیے
ان کی اس غیرت پہ جوشِ غیرتِ ہٹلر نثار

گپّو چچا اور لیبیا

جاڑے کی شدت سے ٹھٹھرے بیٹھے تھے گپّو چچا
ان کا تیتر بھی تھا پنجرہ میں بہت پھولا ہوا
داڑھی کے نیچے بندھے تھے روئی کے ٹوپے کے بند
جھاڑ پر جیسے کوئی لنگور ہو بیٹھا ہوا
ایک باسی پرچہ خبروں کا لگا کر منہ کے پاس
پڑھ رہے تھے جیسے ہونٹوں پر ہو لاحول، ولا
رات کی چنگاریاں تھیں کچھ الاؤ میں پڑی
تاپتے تھے ان کو یوں جیسے جہنم ہو کھلا
میں ہوا حاضر تو آؤ کہہ کے بھنّانے لگے
اور چچی کی سست عادت کا کیا مجھ سے گلا
صبح کب کی ہو چکی تھی اور گانجا تھا نہیں
یہ بھی تھی جیسے چچی ہی کی حماقت اور خطا
اک جمائی کے ترنم میں کہا مجھ سے کہ ہوں
یعنی لائے ہو کوئی اخبار یا قصہ نیا
عرض کی میں نے کہ قبلہ اتحادی فوج نے
لے لیا آخر کو اٹلی سے مقام لیبیا
کھانس کر بولے کہ آخر اس مسولینی کے ہاتھ
اور تو جو کچھ ہوا اٹلی کا سلفہ ہوگیا

جاپان اور گپّو چچا

چوک سے اک گشت کر کے آئے تھے گپّو چچا
پنجرہ پر تیتر کے تھا اک ہار موٹا سا پڑا
نصف مونچھیں تھیں سفید اور نصف داڑھا بے خضاب
چہرہ کا ہر بانکپن جاڑے سے تھا ٹھٹھرا ہوا
نصف بیڑی پی کے دی مجھ کو زراہِ عشق خاص
کش لیا میں نے تو دم میرا لبوں پر آگیا
یعنی اس میں تھا چرس اور میں نشیلا ہوں نہیں
اس لیے پیتے ہی اس کے جیسے دم اکھڑا مرا
ضبط کر کے عرض کی میں نے کہ میرے محترم
یہ تو فرمائیں کہ اب جاپان رنگ لائے گا کیا؟
بھن بھنا کر دوسری بیڑی جلا کر بولے یہ
ہند کے مانند ہوگا بے خبر کیا دوسرا
جنگ کے بدلے یہ کہیے خوش ہیں چاروں بیویاں
میری جانب سے انھیں کہیے دعا اور مرحبا

شبراتی ماموں اور جنگِ مصر

مصر کی جنگی خبر کو آج جب میں نے پڑھا
رکھ کے حقہ ہاتھ سے ہنسنے لگے کچھ چچا
پھر یہ فرمایا کہ ہاں پڑھیے تو پھر اس کو ذرا
پھر پڑھا تو سن کے فرمایا کہ لاحول ولا
اونگھنے والی ادا سے پھر یہ فرمانے لگے
اپنی چادر سے سوا ہے پاؤں پھیلانا بُرا
مصر پر چڑھ دوڑنا اک سانس میں ٹھٹا نہیں
چانڈونوشوں کو مگر چچ کہتے ہوئے سمجھائیں کیا؟
دیکھنا آتا ہے ان کو سوچنا آتا نہیں
اس پہ کیا سمجھیں گے یہ پیچیدہ فوجی ماجرا؟
آج کی پسپائی کل کی فتح ہوجانے کو ہے
پیچھے ہٹنا تو لڑائی کا ہے ادنیٰ چٹکلا
یاد رکھنا آج سے بیٹا مری اس بات کو
ایک دن لے لیں گے پھر انگریز سارا لیبیا
جنگ پر شبراتی ماموں بحث کرتی ہوں جہاں
ہوگا کیا واں خوف کھانے اور ڈرنے کے سوا؟

جرمنی کی جنگ سے ڈرنا بھی بیماری سی ہے
سخت حیراں ہوں کہ دہشت مرد پر طاری سی ہے

روسی فتح اور گپّو چچا

چائے گڑ کی پی رہے تھے، صبح کو گپّو چچا
ناک سے جاری تھا مونچھوں تک زکامی شوربا
کپڑے سے پکڑے ہوئے تھے گرم پیالہ چائے کا
گھونٹ لے کر منہ بناتے تھے دوا کی طرح کا
سونٹھ اور ادرک تھا اس قہوہ نما سی چائے میں
اور خدا جانے کہ اس قدح میں تھا کیا کیا ملا
ان کی تحقیقات میں اس چائے سے سارا زکام
پیتے ہی کافور ہو جاتا ہے، ہوتی ہے شفا
میں تھا حیراں ان کے اس ملغوبے کے پی جانے پر
کیونکہ میں ہوں عرصہ سے سائنس کا مارا ہوا
میرا ایماں علم پر، اور ان کا ایماں عقل پر
اب خدا جانے کہ ہم میں کون ہے اصلی گدھا؟
ہاں مگر ہے ان کی صحت اب بھی شیروں کی طرح
اور میں انجکشن اور ہوں آپریشن کی غذا
بل دیا مونچھوں کو پی کر چائے اس انداز سے
جیسے اب نزلہ تو کیا دب کر رہے گی ہر بلا
اخ تھو اک بار کر کے مجھ سے فرمایا کہ یار
مانتا ہوں شع تیرا ہر لکھا پورا ہوا
اب پنپنے کا نہیں ہٹلر بھی ملکِ روس میں
مار کھائے گا خدا چاہے تو اس سے بھی سوا
ہاتھ میں دے کر چلم کہنے لگا چھوٹا اِشاق
سچ کہا استاد میں بھی مانتا ہوں با خدا

ترک اور گپّو چچا

فکرِ عقبیٰ تک سے جیسے پاک ہو مردِ خدا　　اس فراغت کی ادا سے بیٹھے تھے گپّو چچا

کوئی دس بارہ تو ہوں گے چانڈو نوش ان کے قریب　　شہد کی سی مکھیوں کا جیسے ہو چھتہ بنا

نزع کی حالت کے لہجے میں تھی جن کی گفتگو　　یعنی اک اخبار تھا اور تھے یہ اخوان الصفا

ایک کہتا تھا تو دس سنتا تھا ان میں کا ہر اک　　یہ طریقِ بحث تھا اور یہ تھی اخباری ادا

جنگ جرمن اور ترکی پر ڈٹاٹ بحث تھی　　ناپ کرفٹ سے تھا ہر اک کا "فٹافٹ" فیصلا

ان میں تھے گپّو چچا بھی صدرِ جلسہ کی طرح　　یہ بھی کہتے جاتے تھے مولی علی مشکل کشا

ایک کہتا تھا علی مولا کی ہیں اولاد ترک　　ایک بولے ان کا ہر سردار ہے سیفِ خدا

ایک بولے سات ولیوں کا ہے سایہ تُرک پر　　ایک بولے ہے رسولِ پاک کی ان کو دعا

ایک بولے مہدیٔ آخر زماں ہیں تُرکوں میں　　ایک بولے تُرک کی تلوار ہے برقِ قضا

ایک بولے اب کے ہیں انگریز بھی تُرکوں کے ساتھ　　دوسرے بولے کہ ہیں انگریز بھی تو اک بلا

ایک بولے اور مسلم لیگ والے کیوں ہیں چپ　　کیوں نہیں کہتے کہ ہم بھی تُرکوں پر ہوں گے فدا

ایک بولے لیگ ہی کیا، ہر مسلماں بول اٹھے　　تُرکوں کے بھائی ہیں ہم وہ ہیں ہمارے پیشوا

کھانس کر گپّو چچا بولے کہ بس چپ بھی رہو　　تُرک ہو سکتے نہیں جرمن کے حملے سے فنا

کیسے مٹ سکتا ہے تُرکی جب کہ چانڈو نوشوں میں

قومی رشتہ کا یہ تھا ہنگامہ اور یہ ولولا

فاتح اسٹالن گراڈ

پھر غلامی میں ہے میری آج طبع نوجواں
دے رہی ہے خود خوشامد سے یہ نظم شائیگاں
میری طبع نوجواں میں جوش ہے یہ اس لیے
جانتی ہے یہ کہ میں تلوار کا ہوں مدح خواں
بزدلی دم توڑتی ہے میرے شعرِ گرم سے
ہمتِ مردانہ کو دیتا ہوں عمرِ جاوداں
میرے ہاں چشمے رواں ہیں ہمتِ طرارہ کے
نثر میری جوش پرور نظم میری خونچکاں
جب عقولِ عام پر چھائی ہوئی تھی موت سی
میں تری نصرت کے امکانات کرتا تھا بیاں
ابتداء سے دے رہا تھا تیری نصرت کی خبر
انتہا پر لکھ رہا ہوں فتح کی یہ داستاں
تیری ہمت گرم تھی اور میرا اندازہ حسین
آشائیں دونوں مل کر ایک جشن گل فشاں
آ خراج ہمت و دانش بھی لیں پریوں سے اب
اور ہو جائیں حسینوں کے دلوں پر حکمراں
آ مزاج حور کے ہر بانکپن کو دیں شکست
آ مٹائیں نخوت و تمکین اوجِ کہکشاں
سختیوں کے دور میں جب ہمتیں ہاری نہیں
ہم سے اب دب کر ملے گا خود غرور آسماں
اپنی تن آسانیاں قربان جب ہم کر چکے
مختصر یہ ہے کہ ملکیت ہیں اب دونوں جہاں
فاتح اعظم ترے کردار کے ہمسایہ ہو
مایہ دار جرأتِ اعلیٰ میرا ہندستان

پھر ہو رہا ہے ظالم چرچل وزیر اعظم؟

فرما رہی تھیں مجھ سے کل شب یہ میری بیگم
پھر ہو رہا ہے ظالم چرچل وزیر اعظم
جغرافیہ کا نقشہ اب بھی نہیں ہوا فٹ
کل دیکھیے کہ کیا ہو جغرافیہ کا عالم؟
اللہ بچائے رکھنا اس انڈونیشیا کو
ناگاہ جس کے بندے لڑنے لگے ہیں باہم
تدبیر یورپی سے لڑنا ہے ایشیا کو
دیکھیں یہ قابلیت ہوتی ہے کب فراہم؟
جس قوم میں ہو چرچل جس قوم میں ہو ایڈن
اُس قوم کے منافع کیا ہو سکیں گے پھر کم
اونچی کہاں سے سوچیں ایجاد کیا کریں کچھ
جاڑے میں بھی ملیں جب کھانے کو سوکھے شلجم
اللہ خیر کرنا یہ روس و امریکہ پھر
لشکر اتارنے کو تیار ہیں دما دم
جس نوکری کے حق میں حاکم کی بیوی خود ہی
ڈٹ کر کرے سفارش پھر اس کو ہوگا کیا غم؟
جاری کروں گا ایسا اخبار میں بھی اک دن
بیوی کا اس میں ہوگا روزانہ ایک کالم
اخبار سے زیادہ جو قوم دیکھے ناٹک
اُس قوم کا رموزی کب تک کروں میں ماتم؟

ہٹلر سے

عالی جناب ہٹلر ہر سمت ڈٹ رہے ہیں
مجبور ہو کے لاکھوں انسان کٹ رہے ہیں
قابو سے ہوگئے ہیں باہر کچھ اس طرح سے
فتح و ظفر کا کلمہ ہر روز رٹ رہے ہیں
برلن میں بم بنائے تھے جو جناب نے وہ
بے جرم بال بچوں کے سر پہ پھٹ رہے ہیں
یہ آپ ہی کے دم سے اس سال ہورہا ہے
پُرامن سارے میداں نعشوں سے پَٹ رہے ہیں
باوا کا گھر سمجھ کر برطانیہ تک آئے
اب دُم دبا کے واں سے کیوں آپ ہٹ رہے ہیں
منڈلائے تھے جو بادل سائنس کے ذریعہ
لندن سے اور پیرس سے کیوں وہ چھٹ رہے ہیں
صدقہ سے جن مشینوں کے آپ بڑھ گئے تھے
ان کے چلانے والے سنتا ہوں گھٹ رہے ہیں
سن لیجیے گا اک دن جو ملک آپ کے تھے
جمعیۃ الامم میں وہ ملک بٹ رہے ہیں

نادان ہے اٹلی

بظاہر جنگ والوں کے لیے طوفان ہے اٹلی
مگر میری نظر میں بے خرد انسان ہے اٹلی
غریبوں اور محتاجوں کے حق میں شیر ہو تو ہو
مگر خود شیر کے میدان میں بے جان ہے اٹلی
نہتے حبشیوں نے جب چنے چبوا دیے اس کو
تو اس میدان میں تو بس خدا کی شان ہے اٹلی
یہ مانا تازہ دم ہے اور کچھ فوجیں بھی رکھتا ہے
مگر جنگی شجاعت میں ''کریمن جان'' ہے اٹلی
سمجھ بیٹھا ہے ظالم اتحادی فوج کو تھرڈ
یہی اندازہ کرنے میں بڑا انجان ہے اٹلی
چلانا چاہتا ہے جرمنی یورپ میں جو گاڑی
اسی گاڑی کا اک موٹا سا گاڑی بان ہے اٹلی
نہ ہو ایسا کہ بحر روم میں لے ڈوبے گاڑی کو
کہ گاڑی بان ہونے میں بڑا انجان ہے اٹلی
سپاہی کی کمر پر لد کے سمجھا ہے سولینی
کہ اس گھوڑ دوڑ میں گویا سر آغا خان ہے اٹلی
اس آخر وقت میں ہٹلر سے یوں شانہ بشانہ ہے
کہ جیسے آج کل ہٹلر کا ماموں جان ہے اٹلی
بہت کچھ لینے کی خاطر بہت کم لڑنے آیا ہے
میاں ہٹلر سے اتنا صاحب پیمان ہے اٹلی
قدم ترکوں کے جس دن آگئے شاداب اٹلی میں
تو خود ہی دیکھ لیجیے گا کہ قبرستان ہے اٹلی

شعر لطیف

ہمیں محسوس یوں ہوتی ہے بلبل کی صدا رنگیں
کہ وہ خود ہے چمن میں اور چمن کی ہے فضا رنگیں
یہی تاثیر دیکھی ہے، ترے حسنِ لباب کی
ادا رنگیں، حیا رنگیں، وفا رنگیں، جفا رنگیں
مریضوں میں، مریضِ عشق ہی میں، میں نے یہ دیکھا
مرض رنگیں، دوا رنگیں، دعا رنگیں، شفا رنگیں
شفق جس طرح نورِ صبح میں جادو جگاتی ہے
کچھ ایسی ہی ترے ہاتھوں میں ہوتی ہے حنا رنگیں
اگر میرے لیے تا عمر تو ہو سوگواری میں
مجھ ایسے مرنے والے کی بقا رنگیں فنا رنگیں
اگر اظہارِ الفت جرم ہے تو جرم ہونے دو
یہی تو جرم ہے جس کی ہے تاثیر سزا رنگیں
خطا آخر خطا ہے، اس کو حسن و رنگ سے نسبت؟
مگر جس پر ہو تو نادم وہی ہے اک خطا رنگیں
کچھ آنسو اس کی آنکھوں میں ہے کچھ الفاظ ہے لب پر
سفر کے وقت یوں دیکھی تھی میں نے اک دعا رنگیں
رموزی کے لیے یہ جگمگاتی دولتیں کم ہیں؟
وہ خود رنگیں، غزل رنگیں اور اس پر دلربا رنگیں

اولیاءاللہ اور فضل حسن صابری

شکر کرم بھائی جان، فضل حسن صابری — شعر میں کیا ہو بیان، فضل حسن صابری
آپ نے جو داد دی میرے لیے ہے سند — آپ ہیں ایک نکتہ داں، فضل حسن صابری
میرے لیے اولیاء مشعل راہِ خدا — جلوۂ کون و مکاں، فضل حسن صابری
ان کے مقامات ہیں، ان کے مزارات ہیں — لوگوں کے دارالاماں فضلِ حسن صابری
سب ہیں غلام رسول سب ہیں پیام رسولؐ — اس سے ہیں رفعت نشاں، فضل حسن صابری
پست نظر کے لیے ہے تو سمجھنا محال — ان کا عیاں اور نہاں، فضل حسن صابری
ان کی ریاضت کو آج ان کی ریاست کو آج — پہنچے نہ وہم و گماں، فضل حسن صابری
دین کی تبلیغ کو دین کی تشویق کو — گھومے ہیں سارا جہاں، فضل حسن صابری
مصلحت وقت کا ان کو نہ خوف اور خطر — حق کے لیے ہے زباں، فضل حسن صابری
یہ نہیں کہتے ہیں کچھ کہتا کوئی اور ہے — یہ ہیں فقط ترجماں، فضل حسن صابری
ان کا لباس اور ہے ان کی زبان اور ہے — ان کی الگ داستاں، فضل حسن صابری
خلق پہ آئے بلا، لیں یہ معا اپنے سر — ایسے ہیں کچھ پاسباں، فضل حسن صابری

فقر ہے ان کا نشاں پھر بھی رموزی ہیں آج
قدموں میں ہفت آسماں، فضل حسن صابری

ایک پینشنر بزرگ

ہوئے جو بخت کی شومی سے قبلہ پینشنر
تو چاہتے ہیں کہ اب قوم کے بنیں لیڈر
خضاب چھوڑ کے داڑھی بڑھائی ہے خاصی
مکان چھوڑ کے مسجد ہی میں ہے اب بستر
بجائے سوٹ کے اب دودھ سالباس ہے سب
خموش رہتے ہیں اب کوئی شور ہے نہ ہے شر
مطالعہ میں ہے روزانہ اردو کا مذہب
سمجھ رہے ہیں کہ مذہب میں بھی ہیں دانشور
تھے نوکری پہ تو انسان کو ستاتے تھے
خدائی کرتے تھے جب کرتے تھے بڑا دفتر
زراہِ دفعہ انگریز حکم دیتے تھے
ملازمت میں تھے اس طرح معدلت گستر
یہ راستہ میں نہ ملتے تھے گھر میں تھے مصروف
کسی کی سنتے نہ تھے اس لیے کہ تھے افسر
اب آج حال ہے یہ خود سلام کرتے ہیں
مصافحہ بھی بہت جھک کے کرتے ہیں اکثر
جہاں تھا فرض مروّت وہاں رہے مغرور
یہ جانتے ہی نہ تھے کیا ہیں مسجد و منبر
یہ ضعف عمر ہے جو آ گھسے ہیں مسجد میں
رموزِ دین کہاں آ پڑی ہے اب سر پر

حسنِ تاجدار

میں حسن کے لیے گو لاکھ بے قرار رہا
مگر طریق طلب میرا باوقار رہا
میرا یہ طرزِ معزز حسین دنیا میں
ہمیشہ محترم و وجہِ افتخار رہا
قتیل غمزۂ طرآز ہو کے جب نہ گرا
نگاہِ حسن میں تب میرا اقتدار رہا
جمال و حسن منور کے لاکھ جلووں میں
حواس کھو نہ دیے تب میں جلوہ وار رہا
حریم شاہ کی آسودگی میں میرے لیے
عوام سمجھیں گے کیا، کون اشکبار رہا؟
میں ناز اٹھانے میں خود لاجواب ہوں جب تو
نیاز مند مرا حسنِ تاجدار رہا
پسند ہے غزلِ شاعرِ عوام بہت
مذاق ہند جو خود پست اور خوار رہا

میری دنیا

اک فضا صبح گاہی ایک دوشیزہ نظر
یہ مری شاداب دنیا کی ہے شرح مختصر
اک اشارہ کے برابر مسکراہٹ زیر لب
ایک عمرِ جاوداں کا مجھ کو دیتی ہے اثر
اک ادائے دلبری، اک غمزۂ روشن سے ربط
یہ محبت کا میری ہے مایۂ شاداب تر
ایک موجِ لالہ اک لچکیلی شاخِ ارغواں
اک دلہن کی چال اور اک لرزۂ آبِ گہر
نور کے سینہ سے کھلنے والے غنچوں کی مہک
نزہت نسرین کی طلعت اور نورِ نیلوفر
ارتعاشِ حسن نیلم لرزشِ موجِ شہاب
شوکتِ ناہید و رنگ آسمانِ فتنہ گر
کبک عاشق حال کا نظارۂ پرواز شب
کہکشاں کا طرز روشن مطلعِ مہر و قمر
بنسری کی لے کا جادو نغمۂ دُرّاج اور
رقص طاؤسی میں طاؤسوں کا حسنِ بال و پر
نشہ علم و فراست، زعم حسن دود مان
قدر افزائی کو ہر لطف نگاہِ تاجور
قلب انساں میں مری توقیر و عظمت کی جگہ
خدمتِ خلقِ خدا کی سربلندی میرے گھر
صدر توفیقات نے ان دولتوں پر پھیر دیا
اک دماغ نکتہ رس اور اک مزاجِ خودنگر

صبح ارغوان

ایسا سمجھ رہا ہوں کہ حاصل ہیں دو جہاں
جب سے عطا ہوئی ہے مجھے صبح ارغواں
جب صبح ارغواں مجھے حاصل ہوئی تو اب
قدموں میں ہے جلالت تمکین آسمان
اس کی نظر کا ایک تبسم اگر کبھی
دیکھے تو احترام کرے حسن کہکشاں
اک اک ادا میں جادوئے تسخیر سلطنت
اک اک غمزہ، غمزۂ خوں ریز و خوں چکاں
اک ہی نظر میں بخشش عمر دراز تر
اک ہی اشارہ حاصلِ تفصیل داستاں
پائی ہے میں نے اس کی نظر کے شباب میں
دوشیزگی کی شوکت نوخیز و نوجواں
میرے کہے بغیر ہی سب اس نے سن لیا
یہ ہے کمال جودت احساس شائیگاں
مجھ میں یہ بات ہے کہ میں اس پر نثار ہوں
لیکن کمالِ عشق کا ظاہر نہیں نشاں
شرمائی جارہی ہے مرے پاس آنے سے
وہ موج موج تمکنت جام زرفشاں

راز میں

جنت کے بانکپن کا گلستاں ہے راز میں
ایسے کمالِ حسن کا ارماں ہے راز میں
ہے تو وہ اک لطافت شاداب و جان گل
لیکن اک ایسی شاخِ گل افشاں ہے راز میں
ہے ندرتِ جمالِ پرستاں تو سامنے
البتہ داستانِ پرستاں ہے راز میں
تشہیر ہے جلالت سلطاں کی ہر طرف
تفصیل عشقِ طلعت سلطاں ہے راز میں
جس کی غلامی کے لیے ناہید ہے جواں
وہ حسن وہ نگاہِ غزل خواں ہے راز میں
گلشن میں جو چٹکنے ہی والی تھی اک کلی
اس کے شباب و رنگ کا ارماں ہے راز میں
مغرور اس کلی کی ہے نزہت پہ باغباں
لیکن کلی غضب کی پریشاں ہے راز میں
یہ دل زدہ کلی ہے گلستاں سے کیا کہے
وہ دل کے ہاتھوں کیسی پشیماں ہے راز میں
بیرون گل کدہ ہے جو اس کا مقامِ دل
اس کی طلب میں آج وہ نالاں ہے راز میں
اک دن وہ آئے گا کلی گلستاں سے جائے گی
شیشے کی ہے پری یہ پرستاں سے جائے گی

اک پہلی ملاقات کی ترکیبِ خبر دیکھ

تاریک سے تاریک مرے شام و سحر دیکھ
ان پر بھی ہوں ہر لمحہ میں شاداب مگر دیکھ
اب میری شرف یاب خرد ایک نظر سے
مسحور و مسخر ہیں جو وہ مہر و قمر دیکھ
یا دیکھ کبھی اس کی جوانی کی لطافت
یا رنگ و لطافت میں کبھی لالۂ تر دیکھ
تابانی رخسار اگر چاہے کہ دیکھے
اک بار کمال در شہوار و گہر دیکھ
اک عاشقِ خوددار کی خاطر زرہ شوق
جو چوری سے اٹھتی ہے وہ مفرور نظر دیکھ
اب دل ہی کہاں حسن کا کہنے ہی کا دل ہے
اس دل میں ذرا عشق کی فرقت کا اثر دیکھ
اک نخوتِ شاہانہ مری ایک نظر سے
جو ڈال چکی ہے مرے آگے وہ سپر دیکھ
اک جان ادب خط میں ہے اُس جانِ غزل کی
اک پہلی ملاقات کی ترکیب خبر دیکھ

ہفتۂ گل بار مبارک

یہ ہفتۂ گلریز ہے یہ ہفتۂ گل بار	پھر میں ہوں مری صبح ہے اور رونقِ گلزار
میں صبح فروزاں کی جوانی سے جواں ہوں	تہذیب کے انسانوں پہ ہے نیند کا ادبار
اصحابِ فراست ہی سمجھتے ہیں کہ اب ہے	ایوانوں کی شوکت سے شوکتِ کہسار
بارش سے جواں سبزۂ ہم رنگ زمرّد	ہیرے کی نفاست کے ہیں ہر بوند میں آثار
جو طلعت یاقوت کو شرمائے وہ لالہ	اک بار اگر دیکھیں تو جی چاہے کہ سو بار
ہر چشمۂ شفاف میں نیلم کے اشارات	اور ان پہ پھواروں میں مچلتے ہوئے اشعار
پتوں پہ جو بوندیں ہیں ذرا دیکھئے اُن کو	ترتیب سے جس طرح ہوں غلطاں درِ شہوار
بدلی سی جو نکلی ہے دھنک اس میں ہے رخشاں	فیروزہ کی تابانی درخشانی کا شہکار
دلہن سے حسیں شاخِ گل اور اس پہ بھی پھر آج	مرجان و عقیق یمنی آئینہ بردار
کچھ دھوپ نکل آئے تو مغرب کی فضا میں	پکھراج سی کرنیں شفق سرخ سے زر بار
اس ہفتہ گل بار کے میلے میں ذرا دیکھ	دوشیزہ پری زادی کی الجھی ہوئی رفتار
فطرت کا تو یہ حسن ہے اور قوم کا احساس	بیمار ہی بیمار نگوں سا رنگوں سار

گل طبع کو یہ ہفتۂ گل بار مبارک
مجھ کو مرا فولاد کا کردار مبارک

جشنِ آزادی

(یہ نظم مصطلحات نجوم سے مزین کی گئی ہے۔ اس لیے اتنی شرح ضروری ہے۔ نجوم کے زائچے کے لیے نو ستارے تسلیم کیے گئے ہیں، ان نو ستاروں کے اثر ڈالنے والے جو منسوبات ہیں ان میں سے ایسی نسبت ان اشعار میں باندھی گئی ہے جو جشنِ آزادی کی کسی دل پسند صورت سے متعلق ہو۔ مثلاً سورج سے صبح کا تعلق۔ عطارد سورج سے قریب رہتا ہے اور اس کے کئی رنگ تسلیم کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس سے قوس قزح کو نسبت دی ہے۔ زحل، راہو، کیتو کو منحوس مانا گیا ہے اگرچہ یہ کبھی کبھی سعد بھی ہو جاتے ہیں۔ مریخ کو قہر و جلال سے تعلق ہے اور ناہید کا رقص و سرود سے اور قمر کو سمندری طوفانوں سے اور برجیس یعنی مشتری سعدِ اکبر ہے۔ لہٰذا غزل کے ردیف و قافیہ میں ان تمام ستاروں کے منسوبات ملاحظہ ہوں۔) — رموزی

اس درجہ بھی رنگین ہوئی صبح گلاب آج
بے رنگ سا محسوس ہوا رنگِ شراب آج
موسیقی کی وہ کون سی تقریب ہے ایسی
ناہید کے ہاتھوں میں ہیں جو چنگ و رباب آج
پیچھے نہ رہا صبح کو سورج سے عطارد
تھی قوس قزح مطلعِ رنگیں کی نقاب آج
کیا بات، کہ مریخ کا طوفانِ غضب بھی
لایا نہیں انساں کے لیے کوئی عذاب آج؟
کیا اب نہیں منحوس زحل راہو و کیتو
ملتا نہیں جو کوئی بھی با حالِ خراب آج
طوفاں نہیں، ہے سطحِ سمندر پہ چراغاں
اتنا تو قمر نے بھی کیا کارِ ثواب آج
برجیس نے کی نظمِ کواکب کی صدارت
منحوس ستارے بھی رہے فیض مآب آج
آزادیٔ ملت کا یہ دن ہے تو ذرا دیکھ
لوگوں میں جوانی کی ادا اور شباب آج
یہ نعمت و بخشش ہے ہمارے شہدا کی
دنیا کے لیے ہم جو ہوئے عالی جناب آج

غزل

ہزار شکر، کہ لائی بہار میرے لیے
شراب و طلعتِ روئے نگار میرے لیے
میں جس کو بھول چکا تھا حریم شہ میں کبھی
ہوئی ہے پھر وہ نظر اشک بار میرے لیے
بس ایک بار ہی دیکھا تھا شوق سے لیکن
ہے اس کو آج بھی اک انتظار میرے لیے
وہ حسن جس کے لیے ایک بار تھا میں حریص
حریص ہے وہی اب بار بار میرے لیے
جتا گیا یہ مجھے اس کا ایک رمزِ نظر
کہ مجھ سے زیادہ ہے وہ بے قرار میرے لیے
مرے سلیقۂ رنگیں سے صدرِ میخانہ
خوشی سے خود بھی ہوا بادہ خوار میرے لیے
مرے مزاجِ محبت کی خسروانہ ادا
نگاہِ حسن میں ہے اک وقار میرے لیے
سجا رہا ہوں جو اس کے جمال و غمزہ کو
جمالِ صبح ہے آئینہ دار میرے لیے
بیانِ ہجر کی نادر ادا سے ہے اب تک
کمال قدر پرستان نثار میرے لیے
جو دیکھتی تھی کبھی از رہِ غرور مجھے
ہے وقف وہ نظر تاجدار میرے لیے
جو دے رہا ہوں غزل سے شباب اردو کو
بہار تک ہے عقیدت گزار میرے لیے

ریڈیو کا شور

ہندوستاں کے ہوٹلوں میں ریڈیو کا شور
کانوں کے بیچ ہی میں چلے جیسے بارہ بور
جیتے نہیں ہیں ریڈیو کے شور کے بغیر
یہ آدمی کہاں ہیں اگر ہیں تو کوئی اور
سنتے ہی رہتے ہیں یہ بجاتے ہی رہتے ہیں
ان کے دماغ وعقل پہ کیجیے کبھی تو غور
دوچار فائدے ہیں، ہیں نقصان ہزار ہا
آنکھیں کہاں کہ عقل بھی ان کو ملی ہے کور
میں تو سمجھ رہا تھا کہ بی۔اے کے صدقے سے
آئے گا ہند والوں میں بھی عاقلانہ دور
لیکن لگائے بیٹھے ہیں لیڈر ہی ریڈیو
کردار قوم کیا ہو جو لیڈر کے ہوں یہ طور
ہوٹل تو اک طرف ہے، سڑک ہی پہ جائیے
اک بھی نہ سن سکو گے یہ ہے ریڈیو کا زور
بازار والے روتے ہیں ہوتا ہے اختلاج
لیکن یہ چیختا ہے بہ انداز شور ثور
چیخیں نہ سن سکیں گے پولیس والے آپ کی
بھاگے نکل کے آپ کے گھر سے ہزار چور
خواجہ حسن نظامی رموزی کریں دعا
شاید اسی سے بند ہو یہ ریڈیو بطور۔

افسانۂ ہند

ہندوستاں بھی آج بڑا ہونہار ہے　　یورپ کی طرح اس کا ہر اک کاروبار ہے
یورپ کے صدقے قحط زدہ ہند میں بھی آج　　تفریح کے لیے سنیما کی بہار ہے
تانگہ چلانے والوں کی ہے نوجوان فوج　　اس میں کہ ہر جواں پہ جہالت کی مار ہے
یہ بے ہنر ہیں اس لیے تانگہ چلاتے ہیں　　اس پر بھی ناچ گانے کا ہر اک شکار ہے
اس بے کمال ٹولی میں دل پھینک بھی ہیں کچھ　　تانگے کے آٹھ آنے کا کل روزگار ہے
نابینا ماں ہے باپ ہے کچھ دن کا میہماں　　ان دونوں کا کفیل بھی یہ بدشعار ہے
یہ دونوں فاقے کرتے ہیں بیمار رہتے ہیں　　اس طرح ان کا رہنا بھی بدھوا پہ بار ہے
کچھ بیوہ عورتیں بھی ہیں اس کے مکان میں　　القصہ جو بھی اس کا ہے وہ دل فگار ہے
بدھوا مگر کما کے جو لاتا ہے شام تک　　وہ سنیما میں دے کے بھی قرضدار ہے
یعنی اک ایکٹرلی ہے جس کی کہ آج کل　　بدھوا کے کالے دل پہ بھی الفت سوار ہے
بے ناچ دیکھے اس کے ہے جینا حرام سا　　یوں تیرِ عشق ان کے کلیجے کے پار ہے
چار آنے والے درجے میں جاتے ہیں روز آپ　　اس درجہ عشق آپ کا بے اختیار ہے
دو تین آنے چائے کا بیڑی کا خرچ ہے　　یعنی تمام آمدنی صرفِ یار ہے
یہ سینما کی صنعتِ ملکی کا ہے اثر　　یعنی غریب طبقہ بھی یوں خارزار ہے

اللہ ہی جانے کن کو ملیں علمی فائدے
اب تک تو سینما کا یہی شاہکار ہے

کالے بازار کی دیوالی

سو طرح ہوئی تیرے گھر بار کی دیوالی
اب دیکھ ذرا کالے بازار کی دیوالی
چوری کے منافع سے آ دیکھ ہے کوٹھی میں
مجبور کی دولت سے زردار کی دیوالی
آسام سے تا پٹنہ، پٹنے سے بنارس تک
سیلاب کے ماروں کے انکار کی دیوالی
کوٹھی میں چراغاں ہے اور دل میں اندھیرا ہے
اللہ رے ایسے بھی اشرار کی دیوالی
دیوالی ڈنر دیکھو یورپ کے قواعد سے
اور اس میں جوئے کی اور مے خوار کی دیوالی
خود میری ہی بیوی نے گھر ایسا سجایا ہے
جیسے ہے اسی کے گھر سرکار کی دیوالی
وہ ساڑی منگائی ہے ظالم نے مجھی سے کل
تابندہ تھی خود جس سے بازار کی دیوالی
بیوی نے منائی ہے شوہر نے منائی ہے
اس سال بھی ماہانہ آثار کی دیوالی
ہُشیار! کہ دیکھیں گے یورپ کی نظر والے
دیوانوں کی دیوالی ہُشیار کی دیوالی
دولت کی چراغاں کی دیوالی ہمیشہ کی
کر اب کے رموزی کے کردار کی دیوالی

تابشِ بے تاب

لطافتِ نگہِ صبح لا جواب کا رنگ
سنوارتا ہے تری عمر اور شباب کا رنگ
نثار گیسوئے طرّارہ پر جمالِ بہار
فدا ہو رنگ نظر پر جواں شراب کا رنگ
کلی کلی تو ہے کھلنے کو فیض باراں سے
تری نگاہ جواں میں مگر حجاب کا رنگ
چمن ہے مقدمِ حسن و شباب کا شائق
خنک شفق میں ذرا دیکھ آفتاب کا رنگ
گزر تو تو بھی سنور کر کہ دیکھ لے دنیا
ترا جمال ہے دلکش کہ ماہتاب کا رنگ
شباب ہے کہ ہے ہیرے کی تابشِ بے تاب
کہیں شراب سا رنگ اور کہیں گلاب سا رنگ
نگاہ غمزۂ خونی کی تمکنت تک میں
ملے گا عشق و محبت کے اضطراب کا رنگ
بدل دیں عزمِ مصمم کی سطوتیں جو کبھی
تری نگاہ میں پایا اس انقلاب کا رنگ
غزل میں اردو کی افسردہ عشق کی شرحیں
مری غزل میں مگر عشق مستجاب کا رنگ

دہقان زادی

دیہات میں آ، دیکھ یہاں حسنِ بیابان   ویران فضاؤں میں گلستاں پہ گلستاں
سنورے ہوئے فطرت کے جمالوں سے یہاں ہیں   شرمیلی جوانی کے پرستاں پہ پرستاں
بدبخت ذرا دیکھ تو لے عمر میں اپنی   ندی کے کنارے کی کبھی صبح درخشاں
تو شوکتِ شاہانہ اگر بھول نہ جائے   آ دیکھ تو لے ایک جواں غمزۂ دہقاں
پریوں کا اکھاڑا ہے کہ ندی کنارا   پریاں ہیں کہ حوریں ہیں کہ طاؤس ہیں رقصاں
اُڑتی سی شرابیں ہیں نگاہیں تو نہیں ہیں   اور ان میں تبسم کا ہے اک غمزۂ لرزاں
آنچل سے ہے اٹھتے ہوئے سینوں کی بغاوت   پنڈلی سے اڑے جاتے ہیں لٹکے ہوئے داماں
جھاڑی میں ابھی چھپ کے ذرا بیٹھے تو رہیے   زندہ ہیں تو ہوجائے گا کفارۂ ایماں
دہقان کی بیٹی ہے حکومت ہے نہ دولت   ہے اس کی غلامی میں مگر سطوتِ سلطاں
موٹر ہے سواری میں نہ خدام جلو میں   اس پر بھی وہ چاہے تو ملائک بھی ہوں قرباں
اک جنبشِ سادہ ہی سے شاہوں کو جھکالے   اُس چاند سے مکھڑے پہ ہے وہ کاکلِ پیچاں
پاؤڈر ہے، لوینڈر ہے، نہ لالی ہے لبوں پر   لیکن رخِ رنگیں کہ شہِ شہر پریشاں
تمکین شہانہ ہے نہ نخرہ نہ تکبر   معصوم جوانی ہے کہ اک موجِ بہاراں
گھر ہے تو مگر وہ کہ نہ پہرا ہے نہ چوکی   قاصد ہے کوئی اُس کا نہ درباں نہ نگہباں
آزاد فضاؤں میں ہے آزاد جوانی   محافظ مگر ایسی کہ قربان ہو ایماں
لیکن وہ جو کہتے ہیں جوانی ہے دِوانی   اس واسطے پیوست ہے دل میں کوئی پیکاں

درکار ہے اب اُس کو محبت کا پجاری
یعنی وہ رموزی سا غزل سنج و غزل خواں

بمبوکاٹ

بھائی یہ بات مولوی عبدالغفور کی
ہندوستاں کو سوجھی نہیں ایک دور کی

سرمایہ دار لوگوں میں برسوں رہا ہوں میں
سنیے تو داستاں کبھی قرب و حضور کی

جس دن سے میں نے گھر میں لگایا ہے ریڈیو
حد ہی نہیں ہے بیوی کے کبر و غرور کی

دن رات گانے سنتی ہے چولھے کو چھوڑ کر
میں دال خود پکاتا ہوں مونگ اور مسور کی

لالہ جی گنگناتے ہوئے کہہ رہے تھے آج
دالوں میں دالیں ہوتی ہیں بس کانپور کی

شعروں میں جب سے حصہ لیا کالجوں نے بھی
گت بن گئی شروط و قیود و بحور کی

بجلی کی روشنی تو مکانوں میں آگئی
لو گھٹ رہی ہے عقل کے اور دل کے نور کی

گھونگھٹ کی اوٹ تک سے وہ جب تاکتی رہی
اک بات پھر تو میں نے بھی اُس سے ضرور کی

ایکٹرنی آئی جب سے مسلماں کے عقد میں
تعریف ختم ہوگئی جنت کی، حور کی

مُلا رموزیوں کے مزاجِ جمیل سے
جب بھی سنو گے تم، تو سیاسی شعور کی

کاہشِ ہجر

یہ دن بھی آیا کہ ہجر میں تیری یاد اس طرح آ رہی ہے
کہ جیسے شادابیوں میں بھی اک خزاں بہاروں پہ چھا رہی ہے
تری جدائی دماغ و دل کی لطافتیں یوں مٹا رہی ہے
کہ جیسے دوزخ کی آگ جھنجھلا کے جنتوں کو جلا رہی ہے
رُخِ نگاریں پہ تیرے ہر لحظہ کاکلوں کی جو برہمی تھی
اسی کی اک یاد ہے جو دل میں ہزار طوفاں اٹھا رہی ہے
وہ تیرا مدہوش سا مرے پاس آ کے بے وجہ مسکرانا
اسی کی اک یاد ہے جو مجھ کو منا رہی ہے رُلا رہی ہے
وہ آخری دن تری طرف سے مرے لیے جو نوازشیں تھیں
نہیں ہیں اب وہ تو جیسے ان کے لیے مری جان جا رہی ہے
یہ وہم ہے یا تری ہی تصویر یوں کھڑی ہے سکوتِ شب میں
کہ جیسے مجھ کو دبی زباں سے وہ رازِ دل اب سنا رہی ہے
یہ ہجر ہے قرب تو نہیں ہے مگر یہ کیا بات ہے کہ پھر بھی
تجھی سے باتیں میں کر رہا ہوں تری ہی آواز آ رہی ہے
یہ اس کے ملنے کی فال ہے جو اسے رموزی مری نظر میں
ہزار پردوں سے کھینچتی ہے، ہزار پردوں سے لا رہی ہے

گاندھی، نہرو، مسلم لیگ

مری اس رائے کو وہ سمجھے جو اہلِ سیاست ہو
مسلمانانِ ہند ہوں اور نہرو کی قیادت ہو
مری درخواست گاندھی جی سے اور نہرو سے ہے اتنی
کہ ہندو کے عوض کچھ دن مسلمان پر عنایت ہو
انھیں خود ہی منظم کیجے اور خود جمع کر لیجے
مگر ایسا کریں تو اور ہی کچھ ان کی حالت ہو
یہ اپنوں سے زیادہ آپ کے ہو جائیں گے اک دن
قسم لیجے جو پاکستان کی پھر ان کو حاجت ہو
مجھے ڈر ہے یہ کھادی پوش مسلم کے نہ ہوں گے اب
ہزار ان میں سیاست ہو، ہزار ان میں رفاقت ہو
مگر ہاں آپ کے جھنڈے کے نیچے خوش رہیں گے یہ
مگر بس شرط یہ ہے آپ ہی کی کچھ عنایت ہو
مرید صادق و راسخ بن جائیں گے اک دن میں
ذرا سی آپ کی جانب سے بھی ظاہر کرامت ہو
بنائیں آپ دونوں ایک مسلم لیگ دہلی میں
مصارف مجھ سے لیجیے گا اگر پھر کچھ شکایت ہو
اگر گاندھی کی اور نہرو کی مسلم لیگ بن جائے
مسلمانوں کا بچہ بچہ پھر رکنِ ادارت ہو
بنائیں آپ ہی اس لیگ کے سب ضابطے ڈٹ کر
اور اس کی آپ ہی کے گھر نیابت ہو صدارت ہو
یہ سہما سا ہوا ہے اس لیے اب بے سبب ہی کچھ
عنایت ہی عنایت ہو عنایت ہی عنایت ہو
میری یہ نظم نہرو جی کو وہ دے دے کہ اب جس میں
فراست ہی فراست ہو فراست ہی فراست ہو

ہوٹل کے ملازم

انسان کو درکار ہیں ہوٹل کے ملازم
یورپ میں تو سرکار ہیں ہوٹل کے ملازم
البتہ ہمارے وطنِ ہند میں بھائی!
ناخواندہ و ہشیار ہیں ہوٹل کے ملازم
البتہ کچھ ایسے بھی ہیں جن کے لیے کہیے
اللہ ہی کی اک مار ہیں ہوٹل کے ملازم
یہ بات کریں تو کہیں خود آپ تڑپ کر
لٹھ بندوں کی تلوار ہیں ہوٹل کے ملازم
ہاتھی کی سی چنگھاڑ وہ آواز خدا داد
اور سستی میں دیوار ہیں ہوٹل کے ملازم
ہر کام یہ کرتے ہیں کہ مرتے ہی نہیں ہیں
وہ کاہل و بے کار ہیں ہوٹل کے ملازم
پبلک کے یہ خادم ہیں نہ آقا کے یہ نوکر
کچھ ایسے وفادار ہیں ہوٹل کے ملازم
تہذیب سے نفرت ہے انھیں گالی سے الفت
اتنے تو خوش اطوار ہیں ہوٹل کے ملازم
انجن کے ملازم کی طرح کپڑے ہیں اُن کے
بدبو کے تو انبار ہیں ہوٹل کے ملازم
مالک بھی ہیں کچھ ان کے چچا زاد رموزی
ان کے ہی تو آثار ہیں ہوٹل کے ملازم

جریدۂ پرچم

کھانے کو جب ہیں شلغم شلجم　　اس پر نکلا جریدۂ "پرچم"
ڈٹ کے کھاتے تھے جو غذائے قوی　　آج کل کھا رہے ہیں غم پر غم
نعمتیں اب نہیں غریبوں میں　　زحمتیں مل رہی ہیں اب پیہم
فرقہ بندوں کے بل پہ اے قربان　　بدھو بھی ہوگیا ہے اب رستم
ہے غریبوں میں پانی سا سالن　　فرقہ بندوں میں دور جام جم
جا کے شہروں میں اور قصبوں میں　　غنڈوں کے دیکھیے ذرا اودھم
نرخ جو جتنا بڑھ گیا ہے حضور　　آج تک بھی نہیں ہوا ہے وہ کم
ہر دکاندار کا نرخ الگ!　　روکتا ہی نہیں کوئی ہمدم
جو نہ رشوت لے وہ ملازم کیا　　نوکری کا یہی ہے اب سسٹم
روشنی امریکہ سے لائیں ہیں آپ　　گھر میں فاقہ ہے در پہ بجلی کا کھم
زیور اور کپڑے کی گرانی سے　　بیویاں اب نہیں رہیں بیگم
نہرو کی کوئی بھی نہیں سنتا　　عیش اسی واسطے ہے سب برہم
فرقہ بندی کے صدقے قحط بھی ہے　　بندر اور ٹڈی دل ہیں اور آدم
فرقہ بندوں کا زور اور غربا　　اللہ اللہ ستم کا یہ عالم

فرقہ بندی مٹے رموزی جب
تب اڑے امن و عیش کا پرچم

جریدۂ ''بے باک''

سن رہا ہوں دور سے لوگوں پہ جس کی دھاک ہے
اک جریدہ وہ سہارنپور کا ''بیباک'' ہے
ہے وہی اخبار قوم و ملک کے حق میں مفید
جو غرض مندی کی آلائش سے بالکل پاک ہے
اس ادا کا جو نہ ہو اخبار اس کے واسطے
یوں سمجھ لیجیے کہ سب کچھ ہے تو لیکن خاک ہے
شوہروں کے علم میں لاتا ہے یہ نکتہ مجھے
ناکوں میں جو ناک ہے وہ بیوی ہی کی ناک ہے
میلے ٹھیلے کی سی آبادی کی یو این او میں آج
چھوٹی سی اک کوریا پر سخت تر ڈیڈ لاک ہے
سوٹ تک پہنے ہوئے میں صادقِ عاشق رہا
عشق سے لیکن ہر اک شاعر گریباں چاک ہے
اس پری پیکر کی ہاں میں بارہ بور اور کارتوس
میری ہاں پر دادا کے وقتوں کی اک فتراک ہے
شہر بھر کا بے وقوف اک نفع خوری کے سبب
شہر والوں سے زیادہ صاحبِ املاک ہے
لوگ کہتے ہیں کہ ہے مزدور و سرمایہ کی جنگ
میں سمجھتا ہوں کہ سب فرمودۂ افلاک ہے
بخت کی شدت تدبر پر بھی غالب آگئی
عقل چر چل ورنہ کیا دنیا میں کم چالاک ہے
سارے جاڑے میں رموزی کے لیے دھستا ہے ایک
چوتھی بیوی کی مگر پشمینہ کی پوشاک ہے

نظمیں کہوں جریدۂ ''اسلام'' کے لیے

نظمیں کہوں جریدۂ اسلام کے لیے — یعنی لنگوٹ باندھ لوں اس کام کے لیے

بیوی نے مشورہ دیا چولھے کے پاس سے — کچھ سوچ لیجیے مگر انجام کیلیے

میں نے کہا کہ آپ ہی کہیے کہ اب لکھوں — اسلام کے لیے کہ میں انعام کے لیے؟

''اسلام'' میں لکھیں نہ کچھ انعام پر کہیں — بولیں کہ لکھتے رہیے فقط نام کے لیے

مسلم ظریف ہو کے جو مسلم کے ہو خلاف — پیدا ہوا ہے صرف وہ سرسام کے لیے

کہیے گا آج شاعرِ بازار سے یہ آپ — رہنا ہے تجھ کو گردشِ ایام کے لیے

ہجرت کہے جو بزدلی سے بھاگنے کو بھی — بے علم ہے فرار ہے آرام کے لیے

جب سے ہوئے فساد شمالی علاقوں میں — منہ کھولے بیٹھے رہتے ہیں بادام کے لیے

تحسین خاص و عام ہے مرنے کے بعد تک — ثروت نہیں ہے بخت خوش ہنگام کے لیے

انگریز سے بچانے کو ہندستان کے — بیوی بھی پھرتی ہوگی مری لام کے لیے

اب ڈاکیے کے ناز اٹھائیے مری بلا — جب ٹیلی فون مل سکے پیغام کے لیے

اس طرح کے مکان بنائے گا امریکہ — زینہ نہ ہوگا اس میں کہیں بام کے لیے

سیلون میں وہ دیکھی گئی بال کاٹتی — اب منتظر نہ رہیے گا حجام کے لیے

ایسا بھی اک مقام صحافت ہے آج کل — جو پختہ کے لیے نہیں ہے خام کے لیے

بیوی کا جھگڑا مجھ سے اگر طے نہ ہو سکا
رکھ دوں گا اس کو مجلسِ اقوام کے لیے

اب لیگ ہی نہیں یہ ''خلافت'' نے کہہ دیا

اب لیگ ہی نہیں یہ ''خلافت'' نے کہہ دیا
جو کچھ تھا وہ سیاسی فراست نے کہہ دیا
اب چھوڑ دیں جناح ہمیں اپنے حال پر
مسلم کے اصل جوشِ شجاعت نے کہہ دیا
مسلم ہی کیا جو دوسروں کے بل پہ ہو کھڑا
ہمت نے اور اس کی جلالت نے کہہ دیا
ہندوستاں میں رہ کے جو ہونا ہے ہو رہے
سابق کے لیگیوں کی بسالت نے کہہ دیا
ہم بخش دیں گے ان کو جنھوں نے کیا تباہ
اخلاق کی بلند شرافت نے کہہ دیا
ہندوستاں ہے سب ہی کے باوا کی جائیداد
تاریخ کی طویل روایت نے کہہ دیا
اک راز جرم تھا تو مگر کوتوال سے
مجھ سے بھی پہلے میری حماقت نے کہہ دیا
کل کے لیے جو سوچتے ہیں لوگ باگ آج
مجھ سے بھی پہلے میری حماقت نے کہہ دیا
اک غمزۂ نگاہ سے اب کیا کہوں کہ آج
مجھ سے جو اس ''جوان قیامت'' نے کہہ دیا

ہفتۂ آزادی

یہ ہفتۂ گلریز ہے یہ ہفتۂ گلبار
پھر میں ہوں مری صبح ہے اور رونقِ گلزار
میں صبح فروزاں کی جوانی سے جواں ہوں
تہذیب کے انسانوں پہ ہے نیند کا ادبار
اصحابِ فراست ہی سمجھتے ہیں کہ اب ہے
ایوانوں کی شوکت سے سوا شوکت کہسار
بارش سے جواں سبزۂ ہم رنگ زمرّد
ہیرے کی نفاست کے ہیں ہر بوند میں آثار
جو طلعتِ یاقوت کو شرمائے وہ لالہ
اک بار اگر دیکھیں تو جی چاہے کہ سو بار
ہر چشمۂ شفاف میں نیلم کے اشارات
اور ان پہ پھواروں میں مچلتے ہوئے اشعار
پتوں پہ جو بوندیں ہیں ذرا دیکھیے ان کو
ترتیب سے جس طرح ہوں غلطاں دُرِ شہوار
بدلی سے جو نکلی ہے دھنک اس میں ہے رخشاں
فیروزہ کی تابانی درخشانی کے شہکار
دلہن سے حسین شاخِ گل اور اس پہ بھی پھر آج
مرجان و عقیق یمنی آئینہ بردار
کچھ دھوپ نکل آئے تو مغرب کی طرف بھی
پکھراج کی کرنیں شفق سرخ سے زربار
فطرت کا تو یہ حسن ہے اور قوم کا احساس
بیمار ہی بیمار نگوں سار نگوں سار

ملاّ رموزی

کیوں نہ ہوں غمگین و محزوں خوش نوایانِ چمن — اب نہیں اس باغ میں وہ عندلیب نغمہ زن
نغمۂ رنگیں سے جس کے یہ چمن معمور تھا — جس کے نغمے بن گئے تھے تازگی بخشِ چمن
وہ ادیبِ خوش بیاں ملا رموزی جو کہ تھے — بے گماں، روحِ روانِ محفلِ اربابِ فن
کس قدر ذوقِ ادب ان کا تھا رفعت آشنا — دلکش، دلچسپ تھی رنگینیٔ شعر و سخن
تھے حقیقت میں وہی شانِ ادب جانِ ادب — جن کے دم سے بن گئی تھی آسماں خاکِ وطن
جن کے مرموزات کی شیریں کلامی دیکھ کر — نام کو باقی نہیں تھی تلخیٔ کام و دہن
پھر مقالاتِ رموزی ہوں حدیثِ شوقِ دل — چھیڑ دے کوئی وہی دلچسپ موضوعِ سخن
مضطرب دل ہے نکاہاتِ رموزی کے لیے — جو کہ ہے اپنی مسرت پر ہمیشہ نوحہ زن
منتظر ہے اک ذرا سی مسکراہٹ کے لیے — دل کہ جو ہر وقت ہے معمورۂ رنج و محن
قلب پر جس کے نہ ہونے سے اداسی چھا گئی — اک کمی محسوس تو کرنے لگے اربابِ فن
دیکھ سکتی ہی نہیں ملا کو یہ آنکھیں کبھی — سن نہیں سکتے زباں سے ان کے کچھ شعر و سخن
رہ گئے بن کر زمانہ میں وہ زیبِ داستاں — جس کو دہراتے رہیں گے شوق سے اہلِ وطن

گو کہ ہیں غمگیں، مگر لب پر دعائے خیر ہے
رکھے ان کی روح کو مسرور ربِّ ذوالمنن

کلامِ رموزی

اشعار میں میرے شۂ خاور کی ادا ہے
اور عشق میں اک رفعتِ قیصر کی ادا ہے
واں حسن میں اک لرزشِ گوہر کی ادا ہے
تیور میں شکوہ شہ سنجر کی ادا ہے
یاں شعر میں پیغامِ پیمبر کی ادا ہے
واں باتوں کی ہر موج میں کوثر کی ادا ہے
جو میرے یہاں صاحب کشور کی ادا ہے
وہ اس کے یہاں اک نگہ تر کی ادا ہے
اک حسن جاں سال ہے اک عشق جواں بخت
دونوں کی محبت میں برابر کی ادا ہے
یہ حسن شہانہ ہی تو حاصل ہے جو مجھ میں
اب اک شۂ منصور و مظفر کی ادا ہے
اُس روٹھنے والی نگہ تر میں تو دیکھو
کس درجہ چھلکتے ہوئے ساغر کی ادا ہے
میں نے تو جوانی کے اشاروں میں یہ دیکھا
اک اچھے سخن سنج و سخنور کی ادا ہے
تخئیل منور ہے اگر میری رموزی
اُس میں بھی اسی مہر منور کی ادا ہے

کلامِ رموزی

آ تیرے لیے چاند سے پیانہ بنادوں
رنگِ شفقِ سرخ سے میخانہ بنادوں
وہ تیرا اشارہ کہ جو ملنے کے لیے تھا
مل جائے تو دیوانوں کو فرزانہ بنادوں
دے دے جو تو آنکھوں کی یہ شرمیلی لگاوٹ
میں دانشِ لقماں کو بھی دیوانہ بنادوں
اس عشق کی باتوں میں یہاں تک تو ہے وسعت
جس لفظ کو کہیے اسے افسانہ بنادوں
یہ حدِ محبت ہے کہ ہوجائے یہ ممکن
آنکھوں کو بساطِ رہِ جانانہ بنادوں
ملنا ترا جنت ہے، مگر ہجر میں میں تو
وعدے ہی کو اک رونقِ کاشانہ بنادوں
انگڑائی کے تیور میں ہیں رنگین خزانے
ہنس دے تو اسے بخششِ شاہانہ بنادوں
دیکھوں جو نظر بھر کے میں اُس جانِ حیا کو
رفتار کو اک لغزشِ مستانہ بنادوں
آ مجھ کو منالے کہ منانے کی ادا کو
حوروں کے لیے جوشِ رقیبانہ بنادوں
یہ تو کوئی جدت ہی نہیں تو بھی ہو ظاہر
ہاں کہہ تو تجھے رمزِ ملوکانہ بنادوں؟

کلامِ رموزی

وہ پہلے دن بار بار تیری نظر مری سمت آ رہی تھی
مری نظر کا جمال تھا جو تری نظر مسکرا رہی تھی

میں اپنے پہلو میں اس کو اس طرح مست و مخمور پا رہا تھا
کہ جیسے ساغر کے بانکپن میں شراب کو نیند آ رہی تھی

سہی کہ اس کے فراق کے بے شمار صدمے سہے ہیں میں نے
مگر مری یاد بھی اسے ہچکیوں سے اک دن رُلا رہی تھی

وہ سیر گلشن میں یاد تو کر کہ اور بھی تو سہیلیاں تھیں
مگر یہ کیا بات تھی کہ مجھ سے تری نظر ہی لجا رہی تھی؟

وہ روٹھتے وقت اس کی آنکھوں میں اشک یوں ڈبڈبا رہے تھے
کہ جیسے بجلی لرز لرز کر شفق کے دامن میں آ رہی تھی

وہ ایک دن مجھ کو سب سے پہلا ترا اچانک جو خط ملا تھا
میں کیا کہوں کس غضب کی مستی دماغ پر میرے چھا رہی تھی

تُو ہے کہاں تجھ کو ہوش بھی ہے کہ رازِ الفت ترے ہی گھر میں
وہی ادا تو بتا رہی تھی کہ جو ادا سب چھپا رہی تھی

بہار نے سجدۂ ادب جس ادا پہ اس کی ادا کیا تھا
مرے قلم کی بہار تھی جو اسے رموزی سجا رہی تھی

کلامِ رموزی

یوں تیرے حسن کا میں ثنا خواں ہوں آج تک
تیری ہی اک نگہ سے گلستاں ہوں آج تک
اُٹھتی جوانیاں ہیں ، شرابیں ہیں اور میں
کیسے کہوں کہ صاحبِ ایماں ہوں آج تک
بکھرائے وہ کبھی، کبھی الجھائے ، اس لیے
آئینہ دارِ زلفِ پریشاں ہوں آج تک
حاصل ہے مجھ کو جب سے وہ کوثر اثر نظر
سرمایہ دارِ چشمۂ حیواں ہوں آج تک
دیکھی ہیں وہ سہانی سی انگڑائیاں تری
جن سے شبابِ صبحِ بہاراں ہوں آج تک
یوں تو حکیمِ عصر ہوں اور نکتہ سنج ہوں
اک حسن کے سمجھنے میں ناداں ہوں آج تک
یہ تاجداریاں تھیں وہاں اک نگاہ میں
دل سے غلام لرزشِ مژگاں ہوں آج تک
یوں مشکلاتِ ہجر کو آساں بنالیا
میں رہ نوردِ ہمتِ مرداں ہوں آج تک
اُس حسن ملتفت کے تبسم کی ثروتیں
یہ ہیں کہ ان سے خلد بداماں ہوں آج تک
مجھ سے سوا امین رموزی یہاں کہاں
میں جلوہ دارِ طلعتِ جاناں ہوں آج تک

بیویاں تین چار کیا کہیے

بند ہے کاروبار کیا کہیے
قحط کی اس پہ مار کیا کہیے
بدلے گیہوں کے اور چاول کے
بھس ملی سی جوار کیا کہیے
بند کردیں جو بے قصور حضور
ایسے کچھ تھانہ دار کیا کہیے
تازہ آباد ہونے والوں کی
حالتِ خوشگوار کیا کہیے
ان کے صدقے قدیم لوگوں کا
آج کا حال زار کیا کہیے
کوٹھیاں اور شگفتہ باغیچے
رشوتوں کی بہار کیا کہیے
گھر جلانے کو نکلے ہیں فرقے
ان کی لمبی قطار کیا کہیے
اس پہ ہیں طالب فراغت بھی
ان کا یہ اعتبار کیا کہیے
فقر و فاقے میں از رہ ہمت
بیویاں تین چار کیا کہیے
سارے ملا رموزیوں میں جناب
ایک میرا وقار کیا کہیے

طوفانِ فرقہ دار

کمزور ہی کے حق میں ہے طوفانِ فرقہ دار
آفت زدوں کے سامنے یہ شانِ فرقہ دار
دکان چھین لی کہیں گھر ہی جلادیے
تاریخ میں رہے گا یہ احسان فرقہ دار
گاندھی کے ضابطے نہ کہیں دھرم کے اصول
بے کس کو مارنا ہے بس ایمانِ فرقہ دار
کثرت پہ اور طاقتِ ناپائیدار پر
آفت زدوں کے حق میں ہے ہیجان فرقہ دار
فرقہ پسندوں کا ہے دماغ آج کل علیل
اس واسطے ہے سارا یہ بحران فرقہ دار
اخبار ان کے دیکھیے تحریر کے عوض
ہوتا ہے ان کے مضموں میں ہزیاں فرقہ دار
کمزور پہ ہیں شیر غضب ہے یہ آج کل
کچھ گاندھی جی کی ٹوپی کے ارکان فرقہ دار
پیوست ہے کلیجہ میں تنہا غریب کے
غنڈوں کے ہاتھوں دیکھیے پیکان فرقہ دار
شرنارتھی بھی خیر سے کچھ ان کے ساتھ ہیں
اس طرح کے بھی ملتے ہیں مہمان فرقہ دار
نہرو سے دوست دار کے پیچھے پڑے ہیں خوب
اس طرح کے بھی آج ہیں انسان فرقہ دار
سہمے ہوئے غریبوں میں اس طرح آتے ہیں
جیسے ہیں اصل واقعی شاہانِ فرقہ دار
تہذیب ہند کے لیے بھائی رموزی آج
اک داغ ہے سیاہ ہر اعلان فرقہ دار

(ایک علمی مقالہ)

مُلّا رموزی

شکریہ!

(از ملا رموزی)

جرمنی اور اٹلی کی طرف سے براعظم یورپ اور براعظم افریقہ میں آج انسانی امن وسکون کے خلاف جو ہوشربا جنگ ہو رہی ہے اور ان مقامات میں لاکھوں بے قصور انسان ان کی گولہ باریوں سے جس دل گداز طریق سے تباہی کے منہ میں آ چکے ہیں اس کی نسبت سے ہندستان بیحد خوش قسمت ملک ہے۔ جس کو آج بھی ہر طرح کا امن وسکون میسر ہے اور حقیقت میں یہ ان خالی دماغ انسانوں کا صدقہ ہے جو ہندستان کے داخلی اور خارجی امن کے ذمہ دار ہیں یا اس کے معاون ہیں۔

لیکن جس طرح دنیا کے ہر ملک میں تعلیم یافتہ انسانوں میں کچھ بے خبر اور سادہ لوح انسان بھی ہوا کرتے ہیں، اسی طرح ہندستان میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جو جنگ کی ہولناک اطلاعات پر اپنے محدود و معذور دماغ سے غلط اور نقصان رساں تبصرے فرمایا کرتے ہیں۔

میرے خیال میں حال ہی میں مملکتِ عراق کو جس خوں ریز حادثے سے اچانک دوچار ہونا پڑا اور آن کی آن میں وہاں جتنا ہی انسانی خون بہہ گیا ہے یہ اسی قسم کے بے خبر، غیر مآل اندیش اور جرمنی کی خبروں سے غیر عقلی طور پر متاثر ہونے والوں کا غیر ذمہ دارانہ اور

بازاری جوش تھا۔

ہمارے عوام ہند کی اس ذہنی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے میں نے بھوپال کے معتبر ادارۂ نشر واشاعت سے ''ندیم'' میں جو ایک سلسلۂ مضمون شروع کیا تھا اس کو میرے محترم مولانا حامد رضوی مدظلہٗ نے اردو اور ہندی میں مقصد امن کی خاطر مکرر شائع فرمایا ہے جس کے لیے میں موصوف کا ممنون ہوں اور ضرورت ہے کہ اس مضمون کو ان نیک دل حضرات تک پہنچا دیا جائے جو عوام کو غلط اطلاعات سے محفوظ رکھنے کے نیک مقصد میں ساعی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنگ کو کون سمجھ سکتا ہے!

انسان کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ۔ عوام اور اصطلاح میں یہ تقسیم حشم و خدم کے اعتبار سے ہے، لیکن علم و فطرت کی تقسیم عقل پر ہے۔ یعنی اعلیٰ عقل والے، اوسط عقل والے اور ادنیٰ عقل والے۔ گویا فطرت کے نزدیک درجہ اعلیٰ کا انسان وہ ہے جس کو اعلیٰ درجہ کی عقل حاصل ہو جس کے لیے حشم و خدم ضروری نہیں۔ آپ یوں سمجھیے کہ درجہ اعلیٰ کی عقل والوں میں موجدین، محققین، موجدین رہنما اور صاحب علم و بصیرت کا رتبہ خاص ہے۔ متوسط عقل والوں میں سے وہ لوگ ہیں جو مذکورہ بالا درجہ کے لوگوں سے کم اور درجۂ ادنیٰ کے لوگوں سے بلند ہیں۔

پس اس علمی و عقلی تقسیم کی رو سے بین الاقوامی مسائل انقلابات امم، فلکیات، طبعیات اور اہم امور و حقائق کے وجود و عدم اور ان کی کشمکش کو صرف طبقۂ اعلیٰ کی عقل احاطہ کر سکتی ہے اور بس۔

متوسط عقل کی رسائی ان مسائل تک اسی حد تک ہوگی جس مقدار سے وہ عقل اعلیٰ سے کم ہے۔ اس لیے متوسط عقل کے معلوم کیے ہوئے نتائج پچاس فیصد بھی اس لیے مشکل سے صحیح ہوں گے کہ متوسط درجہ کے لوگوں کی عقلی ذمہ داریاں، اقوام ملل اور ممالک و مقامات کے حوادث و حقائق سے محبت کرنے کے ساتھ ہی معاش و مفاد کی موشگافیوں سے بھی متعلق ہیں۔ بخلاف اس

کے عقل اعلیٰ بجز عقلی اور تحقیقی مصروفیت کے کوئی دوسری ذمہ داری اور مصروفیت قبول ہی نہیں کر سکتی اور اگر کسی جبر اور ضرورت سے وہ کوئی دوسری ذمہ داری قبول کر بھی لے تو اس کے نتائج ننانوے فیصدی ناکامیاب ہوں گے۔ مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کا واضح قانون شخص ایک اعلیٰ درجہ کا کاشتکار نہیں ہوسکتا اور اگر وہ اعلیٰ درجہ کا کاشتکار ہو جائے تو وہ اعلیٰ درجہ کا واضع قانون نہیں رہ سکتا کیونکہ عقل کا دباؤ تمام جسم پر ہوتا ہے۔ جس کو فطری میلانِ طبع کہتے ہیں اور کوئی شخص میلانِ طبع کے خلاف عمل وحرکت نہیں کرسکتا اس لیے متوسط طبقہ اگر چاہے بھی کہ وہ فلاسفہ، حکماء، محققین، موجدین اور مصنفین کے برابر حقائق اشیاء، انقلابات اقوام اور ملکی اثرات کی تحقیق وصحت اور ان سے وقوف آگاہی حاصل کرے تو وہ اس منزل میں عقل اعلیٰ والے دماغوں سے اس لیے برابری نہ کرسکے گا کہ اس میں عقل اعلیٰ کے اجزاء کے مقابل کم اجزاء ہیں۔ اور اگر یہ فرق عقلی نہ ہوتا تو پھر اس طبقہ کو متوسط ہی کس طرح کہا جاتا؟۔ اب رہی عقل ادنیٰ تو اس کی مقدار تعقل اس حد تک کم ہے کہ اگر اس کو عقل متوسط یا عقل اعلیٰ کی امداد حاصل نہ ہو تو عقل ادنیٰ کے انسان چوپایوں سے اونچے نہ ہوسکیں اور اسی لیے عوام کے اعمال وحالات چوپایوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ مثلاً قتل وخوں ریزی، ڈاکہ، چوری، لُچیت، لامذہبیت اور بے حیائی انہی لوگوں کا پیشہ ہے جو متوسط عقل سے بھی بہرہ یاب نہیں۔ اس لیے غور اور تصفیہ فرمائیے کہ یورپ کی عظیم الشان اقوام کی اس عظیم الشان جنگ کے صحیح حالات، نتائج اور اصول جنگ ومقابلہ اور فتح وشکست کا صحیح اندازہ کون سا طبقہ کرسکتا ہے؟

اس کے بعد اصل جنگ یا اس کو سمجھنے یا دوسروں کو سمجھانے کے لیے خود کے پاس ذیل کے اسباب ولوازم کی ضرورت ہے۔

میدانِ جنگ، اصولِ جنگ، سامانِ جنگ اور افرادِ جنگ سے، ذاتی یا عینی واقفیت۔ یعنی جو شخص ان تینوں اجزائے جنگ سے ذاتی طور پر واقف ہو وہی صحیح اندازہ بھی کرسکتا ہے، لیکن ہندستان کو ایسی واقفیت حاصل نہیں لہٰذا یہاں کے باشندوں کے تخمینی اندازے سے بھی صحیح نہیں کہے جاسکتے۔ اس کے بعد جنگی اطلاعات کی ترتیب وصحت ہے، لیکن جنگ کے زمانے میں خود متعلقہ حکومتوں کو اپنے جنگی میدانوں کی اطلاعات مشکل سے حاصل ہوتی ہیں۔ تو پھر غیر جنگی

ممالک کے باشندوں کے پاس وہ کون سی روداد و تفصیل ہے جس پر وہ بحث کر کے فیصلہ کرتے رہتے ہیں؟

البتہ ایک چیز اور ہے جس کے زیرِ اثر کامل ناواقفیت پر بھی جنگ سے بحث کی جاتی رہتی ہے اور وہ ہے عقلی قوئی کا کسی عظیم الاثر حادثے پر متوجہ ہو جانا لیکن عقل اعلیٰ اگر کسی حادثے اور تحریک تک ذاتی طور پر نہیں پہنچ سکتی تو حادثے کی اطلاع پا کر بھی وہ ناواقفیت کی وجہ سے اس پر بحث نہیں کرتی اور ناقص اطلاع سے پرسکون رہتی ہے۔ لیکن ناقص عقل کی دوڑ دھوپ ویسے بھی زندگی کے ناقص گوشوں پر صرف ہوتی رہتی ہے، اس لیے ناقص اطلاعات پر بھی ناقص قیاس آرائی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے جو آج اخبار اور ریڈیو سے حالات جنگ کو وہی لوگ زیادہ سمجھنا چاہتے ہیں جو اخبار و اطلاعات سے ہمیشہ دور ہی رہے۔ حالانکہ اخبار اور ریڈیو سے جنگ کو سمجھنے کے لیے ان باتوں کی ضرورت ہے:

1۔ ساری دنیا کے خشکی اور تری اور ہوائی راستوں سے کامل واقفیت ہو تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ بندرگاہ مصوع پر انگریزی قبضہ سے کس طرح امریکہ کو مصر تک امداد بہم پہنچانے میں آسانی ہوگی؟

2۔ تمام لڑنے والی قوموں کی موجودہ تاریخ یعنی ان کے تمدنی، اخلاقی، مالی، سیاسی اور جنگی حالات کا علم ہو جس سے لڑنے والوں کے ایثار، جرأت اور فنِ حرب سے واقفیت کا اندازہ کیا جا سکے۔

3۔ جن میدانوں میں جنگ ہو رہی ہے، ان کے ندی نالوں، پہاڑوں اور چپہ چپہ سے واقفیت ہو تا کہ کسی فوج کے حملے پسپا ہونے نرغے اور محاصرہ کا اندازہ کرنا آسان ہو۔

پس یہ تو آسان ہے کہ دکانوں پر تاجر، دفاتر میں اہلکار، مدارس میں اساتذہ اور بازاروں میں عوام اخبارات پڑھ لیں اور دولت مند ریڈیو پر سب سے پہلے خبریں سن لیں مگر بغیر مذکورہ بالا اسباب کے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ یہ لوگ جنگ کے صحیح نتائج و اثرات کو معلوم کر سکیں اور اسی لیے بعض ہوش مند لوگ بے سمجھے بوجھے حالات سے اپنے دماغ کو متاثر نہیں ہونے دیتے۔

لیکن ان عقلی اصول و امور کی صحت کا اقرار ہونے پر بھی جو اخباری اور افواہی ہڑبونگ

موجود ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ عام درجہ کی عقل اونچے درجے کے شور و غوغا اور پر پیچ حالات کے ہجوم میں بدحواس اور منتشر ہو کر اس غالب شور اور غیر معمولی واقعات کے اتار چڑھاؤ سے مرعوب ہو کر اس سے دور ہونے کے عوض اس میں جذب ہو جاتی ہے۔

زیادہ واضح یوں سمجھ لیجیے کہ عقل اعلیٰ میں مقناطیسیت زیادہ ہے اور عقل ادنیٰ میں کم، اس لیے جب کم عقل کے انسان بلند عقل کے انسان یا بلند تر عقلی مظاہروں سے قریب ہوتا ہے تو اپنے ذاتی قلت کی وجہ سے اپنے سے بھاری کشش کی طرف بے ارادہ کھنچ جاتا ہے اور اس میں جذب ہو جاتا ہے اور مبہوت۔ مثلاً ہندستان کے جو باشندے ہٹلر کے طرفدار ہیں اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ آپ ہٹلر اور اس کے حالات کو دیکھے اور پرکھے بغیر کیوں اس کے طرفدار ہیں تو ان کے پاس اس کا عقلی جواب نہ ہوگا۔ بجز اس کے کہ وہ ہٹلر کے طریق جنگ کے شور اور طوفانی بمباری کے دباؤ میں حواس کھو بیٹھتے ہیں اور ان کی درجہ ادنیٰ کی عقل بمباریوں کے طوفانوں کر چیر کر ہٹلر کی شکست کھا جانے والی کمزوریوں کو محسوس نہیں کر سکتی۔

عقل عام یا بھونڈی عقل کی دوسری پہچان یہ ہے کہ وہ عقل اعلیٰ کے مقابل ہمیشہ ذاتی قوت کو کھو کر عقل اعلیٰ میں جذب ہونے پر مجبور رہتی ہے اسی لیے دیکھا ہوگا کہ:

1۔ درجہ اول کے ذی علم لوگوں کی تقریر میں درجہ ادنیٰ کے لوگ زیادہ ہوتے ہیں۔

2۔ سینما کے سبق آموز اور دقیق مسائل اصلاح کے پُر پیچ تماشے دیکھنے عوام ہی زیادہ جاتے ہیں۔

3۔ اسی طرح جنگ عظیم ایسے عقل آزما طوفانوں کو سمجھنے کے لیے عوام اور درجۂ ادنیٰ کی عقل والے ہی زیادہ بے تاب و بے قرار نظر آتے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ تقریر، سینما اور جنگ، بلند ترین عقل والوں کے عقلی اور عملی مظاہرے ہیں، اس لیے چھوٹی عقل والے ان بڑے عقلی مظاہروں کی طرف اپنے ہلکے پن کی وجہ سے بے تحاشا کھنچ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندستان کے اکثر بے قرار اور پریشان لوگوں کے مقابل لندن کے بلند عقل والے باشندے زیادہ مطمئن اور پُرسکون ہیں۔ حالانکہ گولہ باری لندن پر ہو رہی ہے۔

پس جنگ جرمن اور برطانیہ بھی چونکہ عقل اعلیٰ والے انسان کے عقلی اعمال اور عقلی تراکیب فتح و تسخیر کا ایک عظیم الاثر مظاہرہ ہے۔ لہٰذا درجہ ادنیٰ کی عقل والوں پر اس کا اثر اور دباؤ بھی مقدار سے زیادہ ہے اور اسی عقل اور دباؤ سے جنگ جرمنی کے لیے درجہٴ ادنیٰ کے وہ اول فول اقوال پیدا ہوتے ہیں جس کو افواہ یا افواہیں کہتے ہیں۔

میرے خیال اور ذاتی تحقیق سے ثابت ہے کہ افواہ کسی غلط چیز کا نام نہیں، نہ یہ زیادہ تعداد میں گھڑی جاتی بلکہ عقل ادنیٰ کے یہ وہ متین، سنجیدہ اور سوچے سمجھے فیصلے اور نتائج عقل ہوا کرتے ہیں جو درجہٴ اعلیٰ کی عقل کے نزدیک افواہ اور یاوہ گوئی کا رتبہ پاتے ہیں مگر افواہ کا مصنف اپنے قول اور فیصلے کو ہمیشہ سنجیدہ رائے ہی سمجھے رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عقل اعلیٰ والے اس اس کا مذاق اڑائیں اور وہ بھی عقلاً مذاق ہی کے قابل ہو۔

لہٰذا جرمنی کی موجودہ جنگ چونکہ ایک قیامت خیز معرکہٴ عقل و خرد ہے اور اس میں ایک دوسرے کو رام اور غلام بنا لینے کے لیے محیر العقول واقعات و حوادث کا اظہار ہو رہا ہے، اس لیے درجہ ادنیٰ کی عقل پر ایک شدید بحرانی دورہ پڑ رہا ہے اور وہ اس بھاری کشش کی طرف کھنچ کر اپنے ذاتی رقیاس کو بڑے قیاس کے تابع بنا رہی ہے۔ یعنی عوام کے مقابل اخبارات یقیناً بڑی عقل والوں کی چیز ہیں یا ریڈیو کم عقلوں کے لیے بڑی عقل والوں کا آلہٴ خبر ہے، اس لیے غریب عوام اور وہ سب لوگ جو خواہ کتنے ہی بڑے سرمایہ دار ہوں مگر عقلاً جو وہ عوام سے اونچے نہیں تو خود کو اخبار اور ریڈیو کے تابع کر کے 24 گھنٹے جنگ اور حالات جنگ سے متاثر ہیں۔

اس حد تک تو ہندستان کے عوام و خواص برابر ہیں کہ جنگ عظیم کی اطلاعات سے متاثر ہوں۔ کیونکہ یہ تو احساس و شعور کا فطری لازمہ ہے، لیکن بدعقل اور بدنصیب وہ ہیں جو بغیر عقلی اصول کے خود ہی فتح و شکست کے فیصلے کرتے ہیں اور بدحواس بھی رہتے ہیں۔

پس بہتر طریقہ یہ ہے کہ اول تو جنگ کے لیے مذکورہ بالا اسباب فراہم کیجیے اور جو ناممکن ہوں تو اپنی بستی کے لائق اعتبار اشخاص کے اقوال پر کاملاً اعتماد کیجیے تو جنگ کی خواہ مخواہ ہی وحشت اور گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

ذہن عام یا عقل عام کو عربوں نے تو چوپایہ سے مشابہ کہا ہے، لیکن میری عملی اور مشاہداتی

تحقیق کی رو سے عوام کو اگر بچوں سے مشابہت دی جائے تو بھی صحیح ثابت ہوگی اور بچوں کی ذہنیت میں اہم اور متاثر کرنے والے حالات کے لیے حیرت، وحشت، گھبراہٹ، عجلت، ضد اور حیرت ناک حرکت کی طرف کشش ہوتی ہے۔ مثلاً بازار میں مداری کے تماشے میں جس مقدار میں بچے جمع ہو جاتے ہیں، اسی مقدار میں عوام بھی تماشہ ملاحظہ فرماتے ہیں۔ اسی طرح مداری کے طلسمات سے جس طرح بچے حیران رہ جاتے ہیں عوام بھی مبہوت ہو کر داد اور تعریف کے پھول نثار کرتے ہیں۔ تہوار پر جس درجہ کے رنگین، شوخ زرق، برق اور چمکیلے لباس سے بچے خوش ہوتے ہیں عوام بھی ایسے ہی انداز کے لباس سے مسرور نظر آتے ہیں۔ یہی حال خوف و وحشت اور رائے کی تبدیلی کا ہے یعنی جس طرح ایک بچہ ذرا سے دہشت ناک اثر سے جلد سہم جاتا ہے اسی طرح عوام بھی جنگ کی ہر طوفانی خبر سے چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ایک بچہ جلد جلد اپنی فرمائشوں، کھیلوں اور مشاغل کو بدلتا رہتا ہے عوام بھی جنگ کے خلاف اور موافق رائے کو بدلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہر معمولی ڈانٹ سے جس طرح ایک بچہ پوری شدت سے ڈر جاتا ہے، اسی طرح عوام ایک شدید حملے کی اطلاع کو قیامت سے جا ملنے والی رفتار کی شدت محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً جرمنی کے فرانسیسی میدان کے حملوں کی شدت کے وقت عوام نے اس کی شدت کا جو اندازہ کیا تھا اس کے حساب سے اب تک جرمنی کو ساری دنیا فتح کر کے آسمان تک جا پہنچنا چاہیے تھا۔ یہی حال بازاری اخبار بینی کا ہے کہ دکانوں پر آج جو جنگی فیصلے صادر ہوا کرتے ہیں، ان کی مقدار، رفتار اور تباہی کا علم و اندازہ فرشتے ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا خواص کا عقلی فرض ہے کہ وہ ان مجبور لوگوں کو بدحواسی سے محفوظ رکھنے کے لیے، ان کو کبھی کبھی متین اور باوقار طریق سے اصل حالات بھی انہی کے دماغ کے موافق انداز میں سمجھا دیا کریں۔ فقط۔ والسلام۔

◆◆◆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس کتاب فیض مستطاب کا دیگر احوال یہ ہے کہ یہ اصل میں نتیجہ ہے ملا رموزی کے احساس کی ہمہ گیری اور چند مشاہدات کا یعنی 1924 میں جب میں ... میں مقیم تھا اس وقت وہاں کے بعض ذی ہوش اور قوم کے سچے خیر خواہ قوم کے اثر معائب اور خصوصی حالات کی خفیہ حالات اس لیے بہم پہنچایا کرتے تھے کہ وہ خطا کاروں کو گلابی اردو کے ناقابلِ برداشت شکنجے میں کس کر متنبہ کردے کہ وہ آئندہ ہوشیار ہو جائیں۔ پس انہی دنوں مسلمانانِ ہند کے ایک نہایت درجہ مقدس و محترم مصلح اور ہمدرد بزرگ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور ایک ہوٹل کے سامنے لے جا کر فرمایا کہ "اس ہوٹل میں زنانِ بازاری کے ساتھ اطفالِ بازاری بھی رہتے ہیں"۔ یہ تھی اس بزرگ اور محترم ہستی کی وہ اطلاع جس نے میرے دل و دماغ کو چند لمحوں کے لیے بالکل بے کار کر دیا اور ایک ایسا صدمہ دل نے قبول کیا جو شاید موت کی اذیت بخش ساعتوں میں بھی فراموش نہ ہوگا، مگر اب سوال تھا ان ایسے آوارہ اور ذلیل فطرت لڑکوں کی اصلاحِ عام کا، لیکن کیا کرتا کہ کوئی پرچہ اس طرح ہاتھ میں نہ تھا کہ ان کے خلاف حسبِ منشا جہاد شروع کر دیتا۔

آخر 1926 میں جب برادرِ گرامی حضرت سالک نے اخبار "زمیندار" لاہور کے بہرۂ

لطافت نگاری سے چھ ماہ کی رخصت لی اور قبلہ محترم مولانا ظفر علی خاں مدظلہٗ نے اس مخصوص کالم میں میرے مضامین کی اشاعت منظور فرمائی تو میں نے ایسے بداخلاق و بداعمال نوجوانوں کی مکروہ تر زندگی کا بھانڈا پھوڑنے کے لیے اس کالم میں اعلان کیا۔

اب ''زمیندار'' لاہور کے فائل موجود ہیں دیکھ لیجیے کہ بداخلاق اور فیشن زدہ فرزندانِ ہند کے اس حال کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے میں نے آواز بلند کی تھی یا نہیں، لیکن پھر وہی معذوری تھی کہ کسی اخبار کے صحیح معنی میں قبضے میں نہ ہونے کے باعث میں اس موضوع پر کچھ نہ لکھ سکا اور اس لیے کہ یہ چیز ایسی نہ تھی کہ اس پر ایک بار کچھ لکھ کر خاموش ہو جاتا۔

بالآخر 192ء میں رسالہ ''صوفی'' پنڈی بہاء الدین پنجاب کے ایڈیٹوریل صفحات قبلہ مکرم ملک محمد دین اعوان کی نوازش سے میرے قبضے میں جو آئے تو میں نے اس موضوع کا آغاز کیا اور خدا کا شکر ہے کہ آج چار پانچ برس کی لگاتار کوشش سے ملک میں اس عنوان کا سے دلچسپی نظر آتی ہے۔

حکیم امت قبلہ اکبرالٰہ آبادی مغفور نے عہدِ جدید کی بداخلاق لڑکیوں اور فیشن زدہ عورتوں پر لکھ کر تو صنفِ لطیف و جمیل کی اصلاح کا حق ادا کر دیا تھا مگر کوئی نہیں تھا جو ''صنفِ غلیظ'' عرف نوجوان مردوں کی اس بدحالی و بداخلاقی پر فاش گوئی کی جرأت کرتا۔ یہاں تک کہ آج جب کہ میری یہ آواز ملک کے مقتدر ترین اخباروں اور رہبروں کی تائید حاصل کر چکی ہے اسکولوں کے فیشن زدہ لونڈوں پر صاف صاف لکھنے سے اب بھی لوگ ہچکچاتے ہیں۔ اسی لیے مجھے سخت ہوئی کہ جب لوگ اس عہد کے نوجوانوں کو فیشن کی اخلاق سوز حد پر پہنچا ہوا پا کر اذیت بھی محسوس کرتے ہیں اور آواز بھی نکالتے تو آخر اس کا کیا باعث؟

کافی غور کے بعد اس نتیجہ بلکہ تجربے پر پہنچا کہ بدقسمتی سے آج کل کے لونڈوں میں جس ذلیل ذہنیت نے جگہ پائی ہے اس کے خلاف کچھ کرنے پر ان کے والدین اس لیے مستعد نہیں کہ وہ خود بھی عہدِ جدید کی پیداوار اور اس کے مغربی تمدن سے مرعوب کن اثرات سے متاثر ہو چکے ہیں لہٰذا جو باپ کی ذہنیت وہی بیٹے کی، جب باپ بھی ریشم کی قمیص اور ریشم کے موزے سے آراستہ ہونے کو جلالِ مردانگی کے خلاف کام نہیں سمجھتا تو بیٹے پر کہاں کا حجاب ہے جو وہ ان چیزوں کو اختیار نہ کرے؟

یہی حال مصلحین وقت کا ہے جب وہ خود اسی دور اور اسی تمدن سے بن کر نکلے ہیں تو انھیں جدید نسل کے لڑکوں پر ریشم کی قمیص اور ریشم کی بنیائن کیوں بری معلوم ہو۔ یہی حال موجودہ نسل کے بزرگوں اور سرپرستوں کی غیرت اور حمیت کا دیکھا۔

پس جب اسکول اور کالجوں کے استاد ہی فیشن کی نزاکتوں اور نفاستوں سے دُلہن بنے رہیں تو ان کے پاس روزانہ چھ گھنٹے بیٹھ کر پڑھنے والے ان کے ان حالات سے کس طرح متاثر نہ ہوں گے؟ اس لیے جایئے اور ایک ایک اسکول اور ایک ایک کالج میں جا کر دیکھ لیجیے کہ آج ماسٹر اور پروفیسر مغربی فیشن کی تقلید کے کیسے حسین و جمیل نمونے بنے پڑھا رہے ہیں۔ کیسے اس جماعت کو جو کل ہماری روایات ہمارے ملک اور ہماری تمام تر بزرگی کی ورثہ یاب اور قائم مقام ہوگی۔

سب سے بڑا یہ ستم ہوا کہ آج فیشن کی نسوانی نزاکتوں اور نفاستوں کو وہ نوجوان بھی قبول کرتے جا رہے ہیں جنھیں اسکول اور کالج سے دور کا بھی تعلق نہیں اور جنھیں عرف عام میں ''غنڈہ'' کہا جاتا ہے۔ میرے نزدیک غنڈہ اس نوجوان کو کہا جاتا ہے جس کی صورت سیرت اور چال ڈھال سے مردانگی، شجاعت، دلیری اور تیغ زنی کے غازیانہ آثار ہویدا ہوں اور جو تو پر تلوار مار دینے کو تیار ہو، لیکن آپ اس عہد کے ان بہادر غنڈوں کو دیکھیے تو ان کے سر پر عورتوں سے زیادہ حسین اور سنورے ہوئے بال ہوں گے جن کی شوخی اور معشوقانہ برہمی کو ریشم کے ایک رنگین ریشمی بنیائن سے قاف کی پری بن جانے پر حریص اور مائل ہوں گے، مگر دماغی ذلت اور بے غیرتی اس حد کو پہنچی ہوئی ہوگی کہ آپ ان کی ان زنانہ اطوار و حرکات پر شرمایئے تو نہ شرمائیں گے۔ بارے اس صدمہ کو میری اس کامیابی کی مسرت نے کم کر دیا ہے کہ اب میری اس حقیر آواز پر میرے ساتھ ملک کے مقتدر مصلحین اور ممتاز اخبارات شریک ہو رہے ہیں خصوصاً حضرت جوش ملیح آبادی ایسا جلیل القدر اور نگر یز شاعر اعظم بھی میرے ساتھ ہے جس کی نظم کو میں اپنی نظموں کے طرازِ عنوان کے طور پر نقل کرتا ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرتِ گرامی جوش ملیح آبادی ایسے عظیم المرتبت شاعر کی نظم کے بعد ملا رموزی کا نظم کہنا کہاں تک درست اور ضروری تھا سو اس کا جواب یہ ہے کہ جوش کا تخیل اور شعری مرتبت جس درجہ نفیس اور بلند ہے ان کے اشعار بھی اتنے ہی بلند اور حکیمانہ ہوا کرتے ہیں جن کے سمجھنے کی صلاحیت اسکول کے اے۔ بی۔ سی۔ ڈی قسم کے لونڈوں میں نہیں اور نہ یہ

بازاروں میں قاف کی پری بن کر گھومنے والے غنڈوں میں، اس لیے ملا رموزی کا حضرت جوش کی نظم کے بعد بھی نظم کہنا ضروری ہوا۔

اب یہ سوال ہے کہ آخر آپ کے ملا رموزی صاحب ضیاء الملک سہی، فاضل الٰہیات سہی مگر وہ جواب شاعر ہوتے جا رہے ہیں سو آخر کس قانون کی رو سے؟ سو اس کا جواب اگر یہ دیا جائے کہ الحمدللہ ملا رموزی اصناف شعری اور اصول شاعری سے واقف ہے سو کون ہے جو یقین کرے۔ ادھر اس کے اشعار کا ''بے جوڑ'' خود بتاتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ اشعار اس نے خود نہیں کہے ہیں بلکہ یا تو اسے کسی نے رشوت دے کر لکھوائے ہیں یا پھر کسی پولیس والے نے ڈنڈے کے زور سے لکھوائے ہیں اس لیے تو کئی اشعار شعر بنتے بنتے ''غیر شعر'' سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ سو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ مثل مشہور ہے کہ ''ضرورت اگر ایجاد کی ماں ہے تو پھر بھی ضرورت اصلاح ملا رموزی کے اشعار کی ''والدہ صاحبہ'' کیوں نہ سمجھی جائے۔ لہٰذا شعر کہنا تو یوں جائز ہو گیا کہ لونڈے کسی ''مبلغ العلیٰ بکمالہ قسم کے'' مضمون پڑھنے اور سمجھنے سے پہلے شعر پڑھنے پر تیار ہو جاتے ہیں اور ہو جاتی ہیں اس لیے شعر کہے یا اشعار کہے۔

اب رہا اشعار کا کہیں کہیں سے ''غیر اشعار'' ہو جانا سو ایمانداری کا جواب تو یہ ہے کہ آتا ہی نہیں کہیں کس طرح مگر یہ جواب بھی ''جواب بالکل نہیں ہے'' بلکہ معاملہ یوں ہے جسے اب تک پولیس والوں کے خوف سے نہیں کہتے تھے کہ بدقسمتی سے ملا رموزی کو اب تک کسی سے عشق ہی نہیں ہوا جو دنیا بھر کی شادی میں شعر کہنے کی مشین ہے اس لیے اگر شعر نہیں کہا جاتا تو کیا خطا ہے؟ لیکن پھر کہا جائے گا کہ اچھا اگر کسی سے عشق نہیں ہوا تھا تو پھر بے عشق و محبوب اتنے اشعار کیا کسی پر ''عارضی عاشق'' ہو کر کہہ لیے گئے سو اس کے جواب میں ''آدھی ہاں'' کہنے پر یوں تیار ہیں کہ ابھی یہ مصیبت باقی ہے کہ مصرع تو بڑی آسانی سے کہہ گزرتے ہیں لیکن مصرع کو مصرع سے جوڑ دینے کا معاملہ ابھی بس کی بات نہیں۔ لہٰذا ایک نظم یا غزل کے لیے دنوں آسمان کی طرف منہ اونچا کیے پھرتے رہتے ہیں تب کہیں اشعار جوڑے جا سکے تو جوڑے جا سکے ورنہ اپنے 'غائبانہ محبوب'' کی روح پر مصرعہ ہائے غیر آویختہ کا ثواب پہنچا دیا اور چپ ہو رہے۔

مصیبت تو یہ ہے کہ ملا رموزی معمولی قسم سے عاشق ہونا بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ وہ تو ایسے

محبوب کی تلاش میں کھویا ہوا ہے جو الٹا ملا رموزی کا عاشق ہو۔ رنگینوں، رعنائیوں، نفاستوں اور نزاکتوں کا اگر یہی عالم رہا تو پھر اس لیے بھی کسی پر مرنا ہی پڑے گا کہ دنیا پھر یہ نہ کہے گی کہ ملا رموزی شگفتہ نگاری پر اتنا بد مذاق تھا کہ وہ اتنی رنگینوں کے نکھار ہی نہ سمجھا ورنہ حسن و رنگ کی جو فراوانی آج ہندستان کے ہر شہر میں ہے مغل بادشاہوں کے فرشتوں کے زمانے میں بھی نہ تھی اس لیے اطمینان رکھیے کہ جہاں ملا رموزی کا یہ معاملہ طے ہوا کہ اسے اشعار کہنا آ گیا۔ اسی لیے اشتہار بھی دے دیا ہے کہ "ضرورت ہے ایک محبوب کی"۔

اس لیے بکمال ادب عرض ہے کہ ان اشعار میں شعری حساب کتاب کو تلاش ہی نہ کیجیے آپ تو یہ دیکھیے کہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ آپ کی اخلاقی، قومی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے لیے مفید ہے یا نہیں؟ اور مردوں کی یہ نئی نسل جو پنجاب میل کی رفتار سے عورت بنتی چلی جا رہی ہے یہ کل کو آپ کی دینی، قومی، سیاسی، معاشرتی اور فاتحانہ روایات کی وراثت کو کس طرح محفوظ رکھے گی؟

اب وہ ماں باپ اور لڑکے بھی "تاریخ ہند" میں دیکھنے کے قابل ہوں گے جو ان نظموں کو سن کر اور پڑھ کر بھی "پری جمال صاحبن" ہی بنے رہیں گے یا بنے رہنے دیے جائیں گے۔

ارے بھئی سب چولھے میں جھونکو معاشرتی اور مالی نقطۂ نظر سے سوچو کہ آج ایک باپ صرف ایک بیٹے کا باپ ہو کر بھی صرفہ کے حساب سے دس بیٹوں کا باپ بنا رہنے پر مجبور ہے کہ نہیں کیونکہ ایک صاحبزادے اور ایک ایک "زادی" کا ماہوار تیل، لونڈر، پاؤڈر، پالش، منجن، کنگھیوں، آئینوں، موزوں، ریشمی کمر بندوں، گھڑیوں، چشموں، جوتوں، بنیائنوں، ٹائیوں، مفلروں، ہیٹوں، چھڑیوں، استروں، صابنوں، تولیوں اور ہاتھ کے ریشمی رومالوں کا کل حساب لگا دیجیے تو دنیا کے جس وزیر مالیات اور جس کروڑ پتی کو کہیے ملا رموزی خرید کر دکھا دے گا۔ غرض اللہ ان ہندی پری زادوں کی عقل درست کر دے۔ آمین برحمتك يا ارحم الراحمين۔

چونکہ کتاب اور دیباچہ دونوں مختصر ہیں اس لیے بعوض کسی دیباچے کے یہ "دیباچی" لکھ دی کہ کام آئے۔

ملا رموزی

27 جنوری 1932 مطابق 18 رمضان المبارک 1350 ہجری اسلامی

نازک اندامانِ کالج سے

(رشحاتِ فکر حضرت جوش ملیح آبادی)

مانگ لی نسوانیت سے تم نے ہر شیریں ادا
مرحبا اے نازک اندامانِ کالج مرحبا
جنگ سر پر اور یہ محبوبیت چھائی ہوئی
ناز سے نیچی نگاہیں چال اٹھلائی ہوئی
انکھڑیوں میں عشوۂ تُرکانہ در کھولے ہوئے
سینٹ کی خوشبو میں روحِ ناز پر تولے ہوئے
خال و خد سے جذبہائے صنفِ نازک آشکار
"کرزنی" چہروں میں زن بننے کے ارماں بے قرار
الحذر یہ لرزشِ مژگاں کا خونی ارتعاش
عزتِ آبا کا دل ہے جس کے اندر پاش پاش
الاماں یہ زینتیں، موزے ہیں گو اترے ہوئے
ذوقِ گھنگرو کا ہے گیٹس پاؤں میں پہنے ہوئے

اوڑھنی کی آرزو ہے، راہ کا فرضی غبار
ریشمی رومال سے ہے فرقِ نازک پر بہار
نازکی کا مقتضیٰ، پتلی چھڑی باندھے ہوئے
شوق کنگن کا کلائی پر گھڑی باندھے ہوئے
جنگ اور نازک کلائی، پیچ ہیں تقدیر کے
مڑ نہ جائے گی کلوڑی بوجھ سے شمشیر کے
پاؤں رکھتے ہو دمِ گلگشت کس کس نام سے
اے میں قرباں، رن میں نکلو گے اسی انداز سے
دیر سے توپوں کے منہ کھولے ہوئے ہے روزگار
سینۂ گیتی میں ہے جس کی دھمک سے خلفشار
شغلِ زینت سے تمھیں فرصت مگر ملتی نہیں
کیا تمھارے پاؤں کے نیچے زمیں ہلتی نہیں

جن کے سینے تنگ ہیں مردانہ سیرت کے لیے
زندگی ان کی وبا ہے آدمیت کے لیے
مرد کہتے ہیں اسے اے مانگ چوٹی کے غلام
جس کے ہاتھوں میں ہو طوفانی عناصر کی لگام
مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لیے
گردنیں سرکش حوادث کی جھکانے کے لیے
مرد ہے سیلاب کے اندر اکڑنے کے لیے
بحر کی بپھری ہوئی موجوں سے لڑنے کے لیے
مرد کہتے ہیں اسے اے بندگانِ طمطراق!
جو جلالِ ابر و باراں کا اڑاتا ہو مذاق

جنگ میں ہو بانکپن جس کی شجاعت کا گواہ
رزم کے شعلوں میں کج کرتا ہو ماتھے پر کلاہ

دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے

مشغلہ کرتا ہو خوں آشام تلواروں کے ساتھ
کھیلتے ہوں، جس کے پہلو سرخ انگاروں کے ساتھ

تم مگر اس زندگی کے کھیل سے رہتے ہو دور
آفریں اے عصرِ حاضر کے جوانانِ غیور

ہے تمھارا ارتقا پروردۂ سعیِ زوال
الاماں، تعلیم ناقص کا اجل پرور مآل

یوں تمھارے منہ کے اندر ہے فرنگی کی زباں
خوف سے گونگا نہ ہوجائے کہیں ہندوستاں

یہ لباسِ مغربی جلووں کو چمکاتا نہیں
تم کو اس بہروپیے پن سے حجاب آتا نہیں

جیب میں کوڑی نہیں اور اس قدر شان و شکوہ
سر جھکالے شرم سے اے فاقہ مستوں کے گروہ

یہ بھی کوئی زندگی ہے غم کی ماری زندگی
نوعِ انسانی کی ذلت ہے تمھاری زندگی

یہ بھی کوئی زندگی ہے مست و غافل زندگی
فکر سے کچلی ہوئی بیمار و لاغر زندگی

مفلسی کی یورشِ پیہم سے گھبرائی ہوئی
غیر کی روندی ہوئی دشمن کی ٹھکرائی ہوئی

یہ بھی کوئی زندگی ہے بے نظام و بے لباس
نقلِ مغرب کی تمنائے زبوں میں بدحواس

جس کو اک دن بھی نہ حاصل فارغ البالی ہوئی
موت کے بے رحم و سرد آغوش کی پالی ہوئی

آہ اے بیگانۂ انجام و آغاز حیات!
سن کہ تا کھل جائے تیری موت پر راز حیات

اہلِ عالم کی نظر میں محترم ہوتا نہیں
مرد جب تک صاحبِ سیف و قلم ہوتا نہیں

سیف کا دامن تو ہے اک عمر سے چھوٹا ہوا
اور قلم ہے اک سو وہ بھی خیر سے ٹوٹا ہوا

فکرِ ناقص کو تری سرمایۂ تحقیق دے
کاش دنیا مرد بننے کی تجھے توفیق دے

عزم تیرا آگ کے سانچے میں جب ڈھل جائے گا
طوقِ محکومی کا لوہا خود بخود گل جائے گا

◆◆◆

اسکولوں کے لڑکے

دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن؟

اسکولوں کو جاتے ہیں مسلمانوں کے بچے
اس شان سے جیسے کہ ہوں غلمانوں کے بچے
پریوں کو جو شرمائیں وہ انسانوں کے بچے
چہرے ہیں یوں سنورے ہوئے جیسے کہ ہو گلشن
دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن؟

توحید کا فرزند کہا جاتا ہے ان کو
اسلاف کا وارث بھی سنا جاتا ہے ان کو
معلوم نہیں کون سکھا جاتا ہے ان کو
بن ٹھن کے چلو یوں کہ فدا تم پہ ہو جوبن
دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن؟

اک وہ بھی جواں تھے کہ گزرتے تھے جدھر سے
دل سینوں میں شق ہوتے تھے دشمن کے بھی ڈر سے
ٹل جاتے تھے بادل بھی کبھی ان کی اکڑ سے

اک یہ کہ "چنانچہ" ہیں کہیں اور کہیں "لیکن"
دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن

اسکول کے لڑکے ہیں کہ ہیں قاف کی پریاں
بالوں میں چمک ایسی کہ موتی کی ہوں لڑیاں
چوڑی کے عوض ہاتھوں پہ باندھے ہوئے گھڑیاں
رفتار میں وہ لوچ کہ قربان ہوں تن من
دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن

ریشم کا کمر بند ہے ریشم سی کمر ہے
آنچل کے عوض سینوں پہ مفلر کا گزر ہے
تلواریں چلیں شہروں میں وہ ترچھی نظر ہے
اسکول یوں جاتے ہیں کہ سسرال کو دُلہن
دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن؟

بن ٹھن کے اگر کھیلیں تو بیتاب ہوں استاد
بالوں کو جو لہرائیں تو ویرانے ہوں آباد
بل کھا کے جو دوڑیں تو تماشائی بھی دل شاد
والد یہی سمجھے ہیں کہ فیشن بھی ہے اک فن
دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن؟

غیرت ہو اگر قوم میں لڑکوں کو سنبھالے
اطوارِ زنانہ کو وہ جلد ان سے نکالے
مُلّائے رموزی کی طرح مرد بنا لے
ورنہ سرِ بازار کہیں گے یہی دشمن
دیکھو تو ذرا آج مسلمانوں کا فیشن؟

◆◆◆

اسکولوں کے استاد

اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

بچوں کو پڑھاتے تھے کبھی اور بھی حضرات
تھا رعب یہ ان کا کہ نہ کر سکتے تھے ہم بات
احکام تھے ان کے کہ تھیں قرآن کی آیات

اس عہد کے استادوں کے انداز جدا ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

نو عمر دھرے ہیں مگر استاد بنے ہیں
مونچھوں کی صفائی سے پری زاد بنے ہیں
مل جُل کے غرض شیریں و فرہاد بنے ہیں

بچوں کے یہ کیا قبلہ ہیں کیا قبلہ نما ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

ٹینس بھی کھلاتے ہیں یہ تعلیم کی خاطر
تھیٹر بھی دکھاتے ہیں یہ تعلیم کی خاطر
گھر پر بھی بلاتے ہیں یہ تعلیم کی خاطر

مشہور بھی رُتبے میں وہ والد سے سوا ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

بالوں کی چمک پہ ہو گماں موتی کی لڑ کا
چہرے پہ وہ رعنائی کہ ہو نور کا تڑکا
کیا جرم جو استاد ذرا اس پہ فدا ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

اسکولوں میں استاد ہیں فٹ بال میں ہمدم
آرائش و زینت میں یہ ہے دونوں کا عالم
استاد ہیں کمخواب تو شاگرد ہیں ریشم
لڑکے ہیں اگر ماہ تو یہ ماہ لقا ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

ہاکی میں اگر لڑکے ہیں زلفوں کو سنبھالے
استاد بھی ہیں سیٹی لیے مانگ نکالے
پریوں کا اکھاڑہ ہے اب اِندر کے حوالے
اس عہد کی تہذیب میں سب کام روا ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

استادوں کی لڑکوں میں اُچھل کود تو دیکھو
اس سنہ کے ایاز اور یہ محمود تو دیکھو
سجدوں کے لیے بچوں کے مسجود تو دیکھو
استاد ہیں یا قوم کی غفلت کی سزائیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

استاد کے ، ٹیچر، ٹیوٹر اور پروفیسر
بدلے گئے یہ نام تو بدلی گئی نیچر
شاگردوں کی تختی میں لگی خوب یہ پیچر
ملت کے رموزی یہی اب راہ نما ہیں
اسکولوں کے استاد بھی کیا جانیے کیا ہیں؟

◆◆◆

اسکولوں کے والد

اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے
انگریزی پہ موقوف ہے روزی کا کمانا
اس واسطے لازم ہوا انگلش کا پڑھانا
افلاس سے باقی نہ رہا کوئی ٹھکانا
اولاد کو اب باپ کہو کیسے سنبھالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے
اس واسطے بھیجی گئی اولاد جو اسکول
تعلیم تھی غیروں کی تو پڑھ کر بھی رہی فول
ہلنے لگی اورنگِ تمدن کی ہر ایک چول
گورے بنے انگریزی سے جب ہند کے کالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے
انگریزی سے ملنے لگی قارون کی دولت
لنڈن سے بھی ہونے لگی اب ان کی تجارت
ملنے لگے عہدے بھی، یہاں تک کہ وزارت

اب گنج ہوئی گنجوں کے ناخن کے حوالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

والد ہوئے اِن سوٹ تو بیٹے بنے رنگروٹ
چوڑی ہی کے پاجامے پہ ڈالے ہوئے ہیں بوٹ
تقلید میں ترتیب کا تاگا بھی گیا ٹوٹ
یورپ کے سفیدے جو بنے ہند کے کالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

انگشتری، نازک سی گھڑی، فینسی چشما
صابون، لونڈر، میں ہے ہزلین کی ڈبیا
ابّا ہی نے دلوائی ہیں بیٹے کو یہ اشیاء
بیٹا نہ کیوں والد کی طرح مانگ نکالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

رنگین قمیصوں سے یہ آراستہ بیٹے
ریشم کے کمر بندوں سے پیراستہ بیٹے
ہیں صاف جو مونچھیں تو ہیں نوخاستہ بیٹے
یہ مخملی بہنوئی کے ہیں ریشمی سالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

انگلینڈ کی خوشبو سے ہیں والد جو معطّر
بیٹا نہ کیوں فتوح بنے مل کے لونڈر
والد ہی جو دُلہن کی طرح رہتے ہوں اندر
بیٹا نہ کیوں بن ٹھن کے قدم گھر سے نکالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

دفتر سے اٹھے باپ تو ٹینس میں گئے[1] ہار

ٹینس سے گئے گھر تو پڑھا پانیئر اخبار
پھر سوگئے یا چل دیے تھیٹر کے یہ بیمار
اب چاہیے جو سوتے ہی سے لڑکے کو جگالے[2]
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

سالانہ رزلٹ[3] دیکھتے ہیں والدِ ذی جاہ
اور بیچ میں بیٹے کی نہیں ہے کوئی پرواہ
ٹیچر ہی بنائے کہ بگاڑے اُسے اے آہ
پیسے سے بھی تنگ رہتے ہیں یہ لاڈ کے پالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

جو لڑکے تھے ایسے کہ وہ تلوار سے لیں کام
ریشم کی قمیصوں سے بنے ہیں وہی گلفام
غیرت ہے نہ مردانگی کا ان میں کہیں نام
ہے اتنی کسر، کان میں پہنادو دوبالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

والد ہیں اگر آپ تو یوں تاؤ نہ کھائیں
اس نظم سے فرزند کی صورت کو ملائیں
ہے مرد کا بچہ تو اسے مرد بنائیں
پھر کہیے رموزی سے جو یہ منہ سے نکالے
اسکول کے لڑکوں کے ہیں والد بھی نرالے

◆◆◆

1۔ دیکھیے کتنا الگ قافیہ عرض ہوا ہے؟

2۔ یہاں بھگالے زیادہ موزوں تھا مگر ''اغوا'' بن کر پولیس والوں کے قابل ہوجاتا۔

3۔ پہلے ہی کہاں کا شیریں حرف تھا جو اسے مصرع میں اچھالا جاتا اس لیے دبا دیا ہی اچھا رہا نا؟ بقیہ اسقام کو چولھے میں ڈالیے یہ دیکھیے کہ گانے کی آواز تو کسی جگہ اونچی نیچی نہ ہوئی؟ (ملا رموزی، 12 منہ رح)

مسلمان غنڈے

پانوں کی دُکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

اک شوخ سا لڑکا ہے جو پانوں کی دکاں پر
اک وجد سا طاری ہے ہر اک پیر و جواں پر
گاہک ہیں کہ جلسہ ہے طوائف کے مکاں پر
لڑکا ہے یہ تمبولی کا یا حورِ جناں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

پانوں کی دکاں دیکھیے کس درجہ حسیں ہے
آئینوں سے، تصویروں سے، بت خانۂ چیں ہے
اور پان جو بیچے ہے سو وہ لعبتِ چیں ہے
دوشیزہ سی لڑکی ہے کہ اک مرد جواں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

بن ٹھن کے عجب شان دکھاتا ہے تمبولی
غنڈوں کو انکھیوں سے بُلاتا ہے تمبولی
غمزوں سے انھیں پان کھلاتا ہے تمبولی

تمبولی بھی اس عہد کا شرمیلا جواں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

تصویریں بھی لٹکائی ہیں تمبولی نے عریاں
آتی ہیں خریداری کو اسکول کی پریاں[1]
آجاتے ہیں مسٹر[2] بھی ہلاتے ہوئے چھڑیاں
پانوں کی دکاں عشق فروشی کی دکاں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

آئینوں میں دکان کی ہیں بال بناتے
ریشم کے رُمالوں سے ہیں پیشانی سجاتے
قوالی کا مصرع کبھی بل کھاکے ہیں گاتے
جو دیکھ لے، سمجھو کہ وہ اب سوختہ جاں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

بازاروں میں لاٹھی جو چلاتے تھے، وہ جانباز
فیشن کی اداؤں سے بنے ہیں وہ فسوں ساز
حوروں کے لیے نیاز تھے جو ہیں وہی اب ناز
دیکھو تو یہ سچ ہے، کہ یہ میرا ہی گماں ہے؟
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

مردانہ جوانی تو گئی غنڈوں کے گھر سے
فیشن کی جوانی ہے، جو دیکھے وہی ترسے
تلواروں کا سب کام یہ لیتے ہیں نظر سے
فیشن میں شجاعت کا تو اب کام کہاں ہے؟
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

یہ غنڈے وہ تھے جن سے کبھی ڈرتے تھے صاحب
صورت سے نظر آتے تھے شیروں کے مصاحب
اطوار زنانہ سے بنے ہیں یہ عجائب
یعنی جو کبھی آگ تھی وہ آج دھواں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

ریشم کی قمیص اور پہلواں کا بدن ہے
مردوں کی جوانی ہے کہ گلشن کی پھبن ہے؟
صورت ہے جوانوں کی کہ غیرت کی گھٹن ہے؟
تن کر جو چلا کرتا تھا وہ غنڈا کہاں ہے؟
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

غنڈے ہیں، مگر ایسے کہ حوروں کو لجائیں
تیوری پہ نہ وہ بل ہیں کہ شیروں کو ڈرائیں
ہاں پریوں سے ملتی ہیں بہت ان کی ادائیں
رفتار میں ہے لوچ کہ اک آب رواں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

یہ نظم رموزی کی ذرا ان کو سناؤ
ان ریشمی نخروں کو بہت جلد مٹاؤ
ہو مرد تو مردانہ ادائیں بھی دکھاؤ
یہ کیا کہ جوانوں پہ زنانوں کا گماں ہے
پانوں کی دکاں ہے کہ یہ پریوں کا مکاں ہے؟

◆◆◆

---

(1) اسکول کے لڑکے (2) فیشن ایبل لوگ

غزلیہ

شراب کیف کے کیا خم کے خم لنڈھائے ہوئے
اُٹھے ہیں بزم سے جب وہ نظر جھکائے ہوئے

فدا میں ایک اس انداز کے کہ وہ مجھ سے
نظر ملاتے نہیں اور نظر ملائے ہوئے

اُٹھو نقاب اٹھادو کہ زندگی پائیں
وہ لوگ در پہ جو بیٹھے ہیں لو لگائے ہوئے

تمھارے اٹھتے ہی کیا ہوگیا یہ محفل میں
چراغ ہیں تو مگر کیسے جھلملائے ہوئے

وہ کیا ملیں گے شہیدان عشق سے ملا
قدم ہیں جن کے سر دار ڈگمگائے ہوئے

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مذکورہ بالا نظموں کے بعد پانچ اشعار بطور غزل کے میں کہہ سکا۔ گو ان اوقات کی پریشانی کو بھی میرا دل ہی جانتا ہے جب میں ان اشعار کو "جوڑنے میں مبتلا تھا"۔ ہارے امید ہے کہ میں مشاعروں میں جانے کے قابل ضرور سمجھا جاؤں گا اور "میران مشاعرہ" اور "پری پیکران ہند" مجھے اپنے لائق سمجھیں گے لہٰذا یہ چند اشعار اور یہ مختصری "غزلیہ" اسی لیے لکھ دی کہ اس سے میرے "غزل پن" کا اعتماد پیدا ہو جائے۔

ملا رموزی بقلم خود

◆◆◆

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

کلیاتِ میر (جلد اوّل)

مرتب : ظل عباس عباسی/احمد محفوظ

صفحات:318

قیمت : -/340 روپے

کلیاتِ میر (جلد دوم)

مرتب : ظل عباس عباسی/احمد محفوظ

صفحات: 632

قیمت : -/256 روپے

پیروڈی: نقد وانتخاب (جلد اول)

مرتبہ : امتیاز وحید

صفحات:354

قیمت : -/118 روپے

پیروڈی: نقد وانتخاب (جلد دوم)

مرتبہ : امتیاز وحید

صفحات:368

قیمت : -/133 روپے

دھونیا لوک

مترجم : عنبر بہرائچی

صفحات:80

قیمت : -/64 روپے

ہندوستانی تہذیب

مصنف : ابنِ کنول

صفحات:399

قیمت : -/131 روپے

₹ 156/-

ISBN: 978-93-5160-027-5

9789351600275

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025